''مستقیم جنگ نامی کی مثنویوں کا ادبی و تحقیقی مطالعہ''

مقالہ نگار

حاجی بیگم

(ایم۔اے، ایم فل)

14 HUPH05

نگران

پروفیسر حبیب نثار

شعبہ اُردو، اسکول آف ہیومانیٹز،

حیدرآباد سنٹرل یونی ورسٹی۔ حیدرآباد

فہرست

پیش لفظ		3
پہلا باب	مستقیم جنگ نامی کے احوال وادبی نقوش پیدائش، والدین، تعلیم، اساتذہ، شاعری سے دلچسپی، پہلی تخلیق، غزل، مرثیہ، مثنویاں، ارکاٹ کے دربار سے وابستگی، شاگرد۔	7
دوسرا باب	عزیزالدین مستقیم جنگ نامی کے ہم عصر شعراء اور اُن کی تخلیقات	30
تیسرا باب	ارکاٹ کی تاریخ اور اردو شاعری کی روایت (عہد نامی تک)	66
چوتھا باب	عزیزالدین مستقیم جنگ نامی کی مثنویوں کا مطالعہ۔	138
حاصل مطالعہ		336
کتابیات		346

پیش لفظ

ہے اس کی حمد شریں سے زباں تر
کھڑے ہیں خسرواں سب اُس کے در پر (نامؔی)

الحمدللہ میرا یہ دوسرا تحقیقی مقالہ پائے تکمیل کو پہنچا ہے جس کے لئے میں اللہ تعالیٰ سے شکر گزار ہوں۔ پی ایچ ڈی جتنا کہنے میں آسان لگتا ہے اتنا ہی مکمل کرنے تک کئی ایک مشکلات کا سامنا درپیش رہتا ہے۔ پہلے تو موضوع کی تلاش پھر نگران کار کو منتخب کرنا اس کے بعد مواد کی تلاش اس طرح اردو ادب کی تاریخ کی بھول بھولائیوں میں ریسرچ اسکالر خود کو کھویا ہوا سمجھنے لگتا ہے۔ موضوع کی تلاش میں میرا ذہن منتشر تھا کہ کس موضوع پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ مجھے ایم۔اے کے دوران ہی مخطوطات سے دلچسپی رہی لیکن ایم۔فل نے مخطوطات پر کام کرنے کی مہلت نہ دی جس کی وجہ سے ناول کے تنقیدی جائزہ کو اپنا تحقیقی موضوع بنایا۔ یہ موضوع بھی میرا دلچسپ و پسندیدہ ہے کیونکہ ناول میں ایک جیتی جاگتی چلتی پھرتی زندگی نظر آتی ہے اور کوئی نہ کوئی واقعہ ہماری یا عصر حاضر کے حالات سے جڑا ہوا ہوتا ہے۔ لہٰذا پی ایچ ڈی کے موضوع کے انتخاب کے سلسلے میں، میں نے اپنے نگران استاذی محترم پروفیسر حبیب نثار صاحب سے موضوع سے متعلق گفتگو کی۔ انھوں نے مستقیم جنگ نامؔی کی مثنویوں پر کام کرنے کی ترغیب دی۔ چونکہ ان کی اکثر تخلیقات مخطوطات کی شکل میں ہیں۔ استاذی محترم نے مجھے اصل موضوع کے مطالعہ سے قبل میر حسن کی مثنوی ''سحر البیان'' کا مطالعہ کروایا۔ اس کے بعد تحقیقی مقالہ سے متعلق ریفرنس کتابیں اپنی ذاتی لائبریری سے مطالعہ کے لئے دیں۔ اس کے علاوہ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد سے نامؔی کے مخطوطات کی ڈیجیٹل کاپی فراہم کی۔ اس کے مطالعہ کے بعد ''مستقیم جنگ نامؔی کی مثنویوں کا ادبی و تحقیقی مطالعہ'' میرے پی ایچ ڈی کے مقالہ کا عنوان مقرر ہوا۔ جب میں نے مستقیم جنگ نامؔی کی مثنویوں کا مطالعہ کیا تو احساس ہوا کہ ارکاٹ کے

اس ملک الشعراء کو تاریخ ادب میں مقام ومرتبہ ملنا چاہئے۔ ادبی وتہذیبی اعتبار سے ان کی مثنویاں اردو کی کسی دوسری مثنوی سے کم مرتبہ نہیں ہیں۔

اردو ادب کی ترقی وترویج میں ٹمل ناڈو (مدراس) تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ آزادی کے بعد پچھلے پچاس برسوں سے ٹمل ناڈو میں شعر وادب کی تخلیق، تحقیق اور تنقید کا جو کام ہو رہا ہے ادبی اہمیت کی بناء پر ایک خاص مقام رکھتا ہے۔ اس پر گہرائی کے ساتھ مطالعہ کرنے اور تفصیلی روشنی ڈالنے کی ضرورت ہے۔ پچھلے چند دہائیوں سے ہمارے ملک کے معاشی حالات، تہذیبی وثقافتی معاملات نیز ہمارے ملک میں مستعمل زبانوں کی ترقی وترویج پر جو محاسبے کئے جا رہے ہیں۔ اس ضمن میں میری یہ ادنیٰ کوششیں رہی ہے کہ جس موضوع پر کوئی کام نہ کیا گیا ہو اس پر کام کریں میری یہ تحقیق حرف آغاز ہے۔ مستقیم جنگ نامی کی مثنویاں ابھی تک مخطوطہ کی شکل میں ہیں۔ اس ضمن میں غالباً یہ پہلا تحقیقی مقالہ ہے۔ اس مقالہ کو حتی الامکان پوری سنجیدگی، غیر جانبداری، ادبی دیانت داری اور تحقیقی ذمہ داری کو ملحوظ رکھتے ہوئے مکمل کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

عزیز الدین خاں نام اور تخلص نامی تھا۔ ان کے اجداد کا تعلق گوپامو، اتر پردیش سے تھا۔ نامی کے والد حامد علی خاں دربار ارکاٹ سے منسلک تھے۔ ارکاٹ ہی میں 1181ھ میں نامی کی ولادت ہوئی۔ لڑکپن ہی سے شعر کہنے کا شوق تھا۔ عربی فارسی اور اردو کی ابتدائی تعلیم کا آغاز ارکاٹ ہی سے کیا۔ ابتداء میں حافظ حسین سے اپنے کلام پر اصلاح لی۔ بعد میں ارکاٹ کے استاد سخن مولوی باقر آگاہ کے آگے زانوئے ادب طئے کیا۔ نامی ارکاٹ کے عظیم شاعر ہونے کے علاوہ ملک الشعراء بھی تھے۔ ان کی سخن گوئی کی بناء پر انھیں ''مستقیم جنگ'' کا اعزاز حاصل ہوا۔ اسی خطابی نام کو میں نے اپنے مقالہ کا عنوان مقرر کیا ہے۔ نامی نے شاعری کی تقریباً تمام اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ دراصل ان کی اکثر تخلیقات مخطوطات کی شکل میں حیدرآباد، مدراس اور پاکستان کی لائبریریوں میں موجود ہیں۔

مذکورہ بالا تحقیقی مقالہ کو چار ابواب میں مکمل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

پہلا باب مستقیم جنگ نامی کے احوال وادبی نقوش پر مشتمل ہے جس میں شاعر کی جائے پیدائش، آباواجداد کا تذکرہ، شاعر کی تعلیم اور اساتذہ کے ذکر کے بعد شاعری سے متعلق اصناف سخن غزل، مرثیہ اور مثنوی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مزید اس باب میں شاعر کے دربار ارکاٹ سے وابستگی اور ان کے تلامذہ پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

دوسرا باب ''مستقیم جنگ نامی کے ہم عصر شعراء اور ان کی تخلیقات'' کے تحت جس میں دربار ارکاٹ سے تعلق

رکھنے والے شعراء اور دیگر شعراء جو مستقیم جنگ نامی کے ہم عصر رہے ہیں اُن کا انتخاب ہے۔ ان کا تعارف اور شعرو ادب کا ذکر، شاعری کی خصوصیات اور نمونہ کلام بھی درج ہے۔ اس باب میں معاصرین شعراء کی قدر و منزلت کا تعین کرنا نہیں بلکہ اس عہد کا پس منظر پیش کرنا مقصود ہے تا کہ عہدِ نامی کا ادبی پس منظر واضح ہوجائے اور نامی کے ادبی ماحول کا تعین ہو سکے۔

اس مقالہ کا تیسرا باب'' ارکاٹ کی مختصر تاریخ اور ارکاٹ میں اردو شاعری کی روایت (عہدِ نامی تک)'' ہے۔ اس باب میں ارکاٹ سے تعلق رکھنے والے شعراء اور ان کے ادبی کارنامے معہ نمونہ کلام پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہاں یہ بات واضح کردوں کہ دوسرے باب میں منتخب شعراء کا ذکر تفصیلی طور پر کیا گیا ہے۔ ان کا اس باب میں مختصراً ذکر کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ تکرار کا سبب نہ ہو۔

چوتھا باب'' مستقیم جنگ نامی کی مثنویوں کا ادبی و تحقیقی مطالعہ'' ہے۔ یہ باب اس مقالہ کا اہم باب ہے۔ اس میں نامی کی اردو مثنویوں کا تفصیلی طور پر نمونہ کلام کے ساتھ جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے اور ساتھ ساتھ مخطوطات کی تفصیلات اندرونی و بیرونی شہادت کا ادبی و تحقیقی انداز میں جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس باب کے بعد اس مقالہ کا حاصل مطالعہ لکھا گیا ہے۔ علاوہ ازیں کتابیات بھی درج ہے۔

مقالہ لکھتے وقت بہت سے باتوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ ہر اسکالر چاہتا ہے کہ موضوع آسان ہو اور مواد بھی سہولت سے دستیاب ہو سکے۔ جب نگران کو منتخب کرنے کا وقت آتا ہے تو اسے موضوع کے تئیں نگران کار کی منشا کو سمجھنا بھی اہم عنصر ہوتا ہے۔ استادِ محترم حبیب نثار صاحب ایم۔ فل میں میرے نگران رہے ہیں اور پی۔ ایچ۔ ڈی کا یہ مقالہ بھی میں اُن ہی کی نگرانی میں مکمل کرنا چاہتی تھی۔ ایڈمیشن کے بعد ایک سال تک اُس وقت کے صدر شعبہ اُردو جناب مظفر شاہ میری عارضی نگران مقرر ہوئے لیکن استادِ محترم نے اپنے ذاتی کتب خانہ سے امدادی کتابیں فراہم کی۔ وقت بہ وقت جائزہ لیتے رہے جبکہ مقالہ آخر مراحل میں تھا تو کورونا وائرس کی مہلک وباء کے سبب یونی ورسٹی لاک ڈاؤن ہوئی تو انھوں نے ایسے سنگین حالات میں بہ ذریعہ فون اور ای۔ میل سے رابطہ قائم رکھا۔ اپنے نایاب مشوروں سے مقالہ لکھنے میں میری ہمت افزائی و رہبری فرمائی جس کے لئے شکریہ کا لفظ معمولی و ادنیٰ سا لگتا ہے۔ دعا گو ہوں کہ آپ اور آپ کی اہلیہ دونوں صحت مند و سلامت رہیں۔

میں اپنے ڈاکٹورل کمیٹی ممبر کا شکریہ ادا نہ کروں تو ناسپاسی ہوگی۔ جناب محترم ڈاکٹر زاہد الحق صاحب اور ڈاکٹر محمد کاشف صاحب کی سپاس گذار ہوں۔ انھوں نے اپنے مفید مشوروں سے آگاہ کیا اور مقالہ کا جائزہ بھی لیتے رہے۔

میں اپنے والدین اور تینوں بھائیوں کی بے حد احسان مند ہوں جنھوں نے مجھے امور خانہ داری کی ذمہ داری سے دور رکھا اور گھر سے کئی میل دور انجانے شہر حیدرآباد میں رہنے کی اجازت دی۔ ہر وقت میرے لئے فکر مند رہتے۔ چونکہ میں بھائیوں کی اکلوتی بہن ہوں، بذریعہ فون مجھ سے رابطہ رکھتے جس سے میرے حوصلوں کو مزید تقویت ملتی۔ میں دعا گو ہوں کہ اللہ آپ سب کا سایہ مجھ پر قائم رکھے اور میرے بھائیوں کو سلامتی اور ترقی والی زندگی عطا کرے۔ آمین۔

یہاں اگر میں میری سہیلیوں کا شکریہ ادا نہ کروں تو اُن کے ساتھ ناانصافی ہوگی کیونکہ ہر لمحہ ان ہی کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا رہتا تھا لیکن یہ بات سمجھ سے پرے معلوم ہوتی ہے کہ ان کی خوش قسمتی سمجھوں یا کہ میری، پی ایچ ڈی کے آخری سال تک آتے آتے ایک ایک ساتھی چھوٹتا گیا۔ کسی کی تعلیم مکمل ہوتی گئی یا کسی کو مجازی خدا مل گیا جن میں فردوس سلطانہ، شیخ مہتاب، شیخ عائشہ، بشریٰ چشتی، نصرت بانو اور محمد مجیب الدین بھائی سرفہرست ہیں۔ نسرین، سیف، اور میری پیاری رہبر و رفیق بہن...... نازیہ کی بے حد مشکور ہوں۔ انھوں نے ہمیشہ ہر مشکل گھڑی میں میرا ساتھ دیا۔ انھیں اللہ تعالیٰ تعلیم کی روشنی سے منور کرے۔ آمین۔

مقالہ داخل کر کے میں اپنی ذمہ داری سے بری ہونا چاہتی تھی کہ میرے والدین نے میرے ہاتھ پیلے کر کے اپنا فرض ادا کرنا چاہا۔ آخر سال میں تحقیقی کام ملتوی ہوا۔ لیکن میرے مجازی خدا جناب حمید صاحب نے میری ہمت بڑھائی اور اپنے تحقیقی کام کو جاری رکھنے اور ڈگری حاصل کرنے کی اجازت دی۔ ہمیشہ میرا ساتھ۔ امور خانہ داری سے آزاد رکھ کر میرے حوصلے بلند کرتے رہے۔ اللہ نے ننھے قدموں کی آہٹ سے بھی نوازا۔ ایسی حالت میں جب بھی مقالہ لکھنے بیٹھتی تو مجھے ہر سہولت عطا کرتے اور میری صحت کا خیال کرتے رہتے۔ جب بیٹا محمد حنیف میرے ہاتھوں میں آیا تو اس کی دیکھ بھال کی ذمہ داری بھی اُٹھائی۔ ہر ہر لمحہ میرا ساتھ نبھاتے رہے۔ حنیف پیاسی و میٹھی میٹھی نظروں سے مجھے تانکتا اور مسکراتا ہوا میرے پاس دوڑ آتا۔ اس کی معصومیت بھری مسکان مجھے مقالہ تحریر کرنے میں تازگی عطا کرتی۔ ان دونوں کی میں تاعمر بے حد شکرگذار رہوں گی۔ اللہ انھیں سلامتی کے ساتھ میرا سایہ بنائے رکھے اور میرے بیٹے کو دین و دنیا کی تعلیم سے سرفراز کرے۔ آمین۔ ثم آمین۔

حاجی بیگم

(ایم۔اے،ایم۔فل)

کریم نگر، تلنگانہ

پہلا باب

مستقیم جنگ نامیؔ کی سوانح اور ادبی نقوش

آباواجداد

کرناٹک میں خاندان نوائط اور خاندان والا جاہی کے نوابین نے یکے بعد دیگرے حکومت کی۔ 1744ء میں خاندان نوائط کے آخری نواب سعادت اللہ خاں کے انتقال کے بعد آصف جاہ اول نے نواب انورالدین خاں والا جاہ کو کرناٹک کا ناظم مقرر کیا گیا۔ اس طرح آرکاٹ میں خاندان والا جاہی کا دورِ حکومت 1744ء سے 1855ء تک قائم رہا۔

نواب انورالدین خاں والا جاہ اوران کے چھوٹے لڑکے نواب محمد علی والا جاہ کے عہد حکومت میں گوپامو (یو پی) کے شعراء وفنکار کرناٹک ہجرت کرنے لگے۔ ان اہل علم ودانش میں نواب حامد علی خاں بھی اپنے بزرگوں کے ہمراہ شمالی ہند سے دکن آئے اور کرناٹک میں مستقل طور پر سکونت اختیار کی۔ حامد علی خاں کا تعلق والا جاہی خاندان کے پہلے حکمران نواب انورالدین خاں والا جاہ بہادر سے ملتا ہے۔ محمد یوسف کوکن عمری نے اپنی تصنیف میں حامد علی خاں کا شجرہ اس طرح درج کیا ہے۔

> Hameed Ali Khan, son of Abdul Hye, son of Shaik Abdul Wasey, son of Shaik Muhammad Hayat, son of Shaik Abdur Raheem, son of Shaik Abdul Qadir Gopamau, of Nawab Anwarudding Khan Bahaddur, Ghulam Aazaudding Khan Bahaddur was borin in 1181 and was the third son of his father.(1)

متعدد کتابوں میں مستقیم جنگ نامیؔ کے والد کا نام حامد علی خاں لکھا ملتا ہے لیکن یوسف کوکن نے یہاں حمید علی خاں لکھا ہے۔ چونکہ زیادہ تر کتابوں میں حامد علی خاں ملتا ہے چنانچہ راقمۃ الحروف نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

حامد علی خاں کے اہل خاندان میں چار لڑکے محمد علی خاں، غلام جیلانی عبدالحفیظ، غلام عزیز الدین خاں بہادر، عبداللطیف اور تین لڑکیاں تھیں۔ حامد علی خان نے اپنی لڑکیوں کا رشتہ والا جاہی خاندان میں کیا۔ عزیز الدین نامی اپنی تصنیف ''نوبہار عشق'' میں والدین کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

تیرا ہی وصف ہی رحمان و غفار　　　تیرا ہی نام ہے وہاب و ستار
(نا) کر میری عصیاں پور حمان　　　ترک ایمان سے خالی یک ان

ہمیشہ تجی پاکر آبرو مین　　　رہوں دو جہانمین سرخرو مین
میرے ماں باپ کا سایہ میری سپر　　　سدا چتر فلک سار کہہ تو یکسر

(2)

عزیزالدین نامی بہن اور بھائی کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں۔

میری بہائی بہن ہران دایم　　　رہن خوش یا الٰہی جگ میں قایم

(3)

ہیں میرے جتنے بہن اور بہائی　　　روز و شب ساعت ساعت آن آن
انکو اور اولاد کون اُنکے مدام　　　دو جہانمیں رکہہ الٰہی شاد کام

(4)

قصہ سلیمان میں بھی اس طرح دعا کرتے ہیں۔

میری باپ اور مان کو آباد رکہہ　　　دو عالم میں تو اونکا دل شاد رکہہ
رہیں دونو دارین میں بامراد　　　سدا اون کے کر عمر و دولت زیاد
میری بہائیاں اور بہنان تمام　　　رہین دو جہاں میں خوشیے سیے مدام

(5)

مثنوی مدینۃ الانوار میں اپنے والدین بہن بھائی اور شریک حیات اور اولاد کے لئے دعا کرتے ہیں۔ چند اشعار پیش ہے۔

ہورہا ہوں نپٹ ملول مزاج　　　بن تیرے کس سے ہووے اسکی علاج
دور کر مجہ سے فکر کا آزار　　　بہ محمد وآلہ الاطہار
میرے مان باپ کو سلامت رکہہ　　　اونکو مسرور تاقیامت رکہہ
دین و دنیا میں دے اونہیں عزت　　　صحت و عافیت کے دے دولت
اور بہائی بہن جو میری ہین　　　دوسرا پیچ خوش رکہہ اونکی تین
اور میری جو ہین زن و اولاد　　　ہون حصول مراد سے دلشاد

واسطے مصطفیٰ کے یااللہ بخش نامی کی سارے جرم و گناہ

(6)

عام طور پر ہمیں دکنی شعراء کے حالات زندگی واحوال تاریخی کتابوں، قدیم بیاضوں اور تذکروں میں مل جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ دکنی شاعروں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ اپنے اہل خاندان کا تذکرہ اپنی تصانیف میں درج کرتے رہے جس سے محققین کو سہولت ہوتی ہے۔

نامیؔ کا پیدائشی مقام اور نام

حامد علی خاں کے گھر 1181ھ مطابق 1767ء میں نامیؔ کی پیدائش مقام چیناپٹن (مدراس) میں ہوئی۔ نامیؔ مثنوی "بہارستان عشق" (لیلی مجنوں) 1213ھ میں اپنے پیدائشی وطن اور بزرگوں کے متعلق لکھتے ہیں۔

کیوں کر کرنا تک میں ہے میرا مقام یہاں کے لوگوں کی زبان دکھنی تمام

ہند ہے میرے بزرگوں کا وطن مولد اس عاصی کا ہے چیناپٹن

(7)

عزیز الدین کا تاریخی نام "غلام علی" تھا۔ انہوں نے جب شاعری شروع کی تو "نامیؔ" تخلص اختیار کیا۔ چنانچہ اپنی تصانیف میں کبھی "نامیؔ" یا "عزیز الدین نامیؔ" اور "اعزالدین" اور ایک شعر میں مستقیمؔ بھی تخلص باندھا ہے۔ مثنوی "نو بہار عشق" سے ایک شعر پیش ہے جس میں تخلص لایا گیا ہے۔

ہی بس عاجز عزیز الدین نامی کہ اوسکو دو جہانمیں کر گرامی

(8)

مثنوی لیلیٰ مجنوں میں نعت کے آخری شعر میں اپنا نام اس طرح لکھا ہے۔

ہی عزیز الدین نامی کمترین رحم کرائے رحمت للعالمین

(9)

عزیز الدین نامی نے جو دو مرثیے لکھے ہیں اُن میں ایک مقام پر اپنا تخلص مستقیمؔ باندھا ہے۔

مستقیم اس غم جاں سوز کو گر لکھا تب نہ فلک تجہ قلم رہ کے دفتر ہوتے

(10)

اسی طرح ناؔمی نے اپنے بعض اشعار میں اعز الدین بھی اپنا تخلص لکھا ہے جیسے ''گنجِ قدرت'' میں فرماتے ہیں۔

ہے بس اعز الدین ناؔمی شفاعت سے نبیؐ کی کر گرامی

ڈاکٹر حامد اللہ انصاری نے اپنی کتاب ''اردو کی چند نایاب مثنویاں'' میں ناؔمی کی مثنوی ''گنجِ قدرت'' پر مضمون تحریر کیا ہے۔ اس میں ناؔمی کے نام سے متعلق مثنوی کا شعر درج کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

''اس کے مصنف کے حالات پر مثنوی کی تمہید سے کافی روشنی پڑتی ہے، چنانچہ تمہید میں جو دعائیہ اشعار ہیں ان میں اپنے بیوی بچوں اور دوستوں کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے۔

ہے بس اعز الدین ناؔمی شفاعت سے نبی کی کر گرامی

اس کے علاوہ اکثر مقامات پر مثنوی نگار نے اپنے تخلص کے طور پر ناؔمی کا لفظ دہرایا ہے۔''(11)

ڈاکٹر سید سجاد حسین اپنے مضمون میں ناؔمی کی تاریخ پیدائش اور تاریخی نام سے متعلق لکھتے ہیں۔

''غلام عزیز الدین خاں بہادر مستقیم جنگ ناؔمی، حامد علی خاں مرحوم کے فرزند اور سلطان النساء بیگم عرف بڑی بیگم کے داماد تھے۔ مولف تذکرہ صبحِ وطن نواب محمد غوث خاں بہادر اعظم نے غلام علی آزاد کے حوالے سے ناؔمی کی تاریخ پیدائش 1181ھ (1767ء) بتائی ہے۔ ناؔمی کا تاریخی نام غلام علی تھا جس سے 1181ھ تاریخ نکلتی ہے۔''(12)

تعلیم اور اساتذہ

ناؔمی نے ابتدائی تعلیم والد کی سرپرستی میں حاصل کی۔ اس کے بعد مولوی حافظ حسین سے عربی کی تعلیم اور ارکاٹ کے استادِ سخن مولانا باقر آگاہ سے فارسی اور اردو میں بھی درس لینے لگے۔ باقر آگاہ اپنی فارسی دانی اور اردو شاعری کی وجہ سے پورے ہندوستان میں مشہور تھے۔ باقر آگاہ کی شاگردی اور تعلیمی تربیت سے شعر و شاعری

سے مزید شغف حاصل ہوا۔ ڈاکٹر ذاکرہ غوث لکھتی ہیں کہ کرناٹک میں مستقیم جنگ نامیؔ نے آگاہ کے کام کو آگے بڑھایا ہے۔ نامیؔ اپنے استاد سے بے حد خلوص و عقیدت رکھتے تھے۔ محمد یوسف کوکن عمری لکھتے ہیں۔

> Ghulam Aazzudding Khan studied Arabic and Persian under Maulvi Hafiz Muhammad Hussain and got his composition in Persian and Urdu corrected by Maulana Baqir Agah. He supported the cause of his teacher Maulana Baqir Agah in the Sunni-Shia controversy that continued between 1207 and 1216 A.D (13)

عزیز الدین خاں نے اپنی مثنویوں میں استاد باقر آگاہ کی تعریف میں چند شعر لکھے ہیں۔ مثنوی مدینتہ الانوار میں مدح لکھی ہے۔ ڈاکٹر ذاکرہ غوث اپنی تصنیف ''مولانا باقر آگاہ ویلوری شخصیت اور فن'' میں جو کچھ لکھا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نامیؔ کو اپنے استاد سے بے انتہا عقیدت تھی۔ اقتباس دیکھئے۔

> ''نامیؔ نے اپنی ہر مثنوی کے آغاز میں حمد و نعت کے بعد اپنے استاد باقر آگاہ کی تعریف میں چند شعر ضرور لکھے ہیں۔ کہا جاسکتا ہے کہ کرناٹک میں مستقیم جنگ نامیؔ نے آگاہ کے کام کو آگے بڑھایا اور اُردو کو تقویت دی۔ ملک الشعراء بھی مقرر ہوئے لیکن اپنے استاد حضرت آگاہ کی طرح انہوں نے بھی اپنا دامن مدح وثنا سے بچائے رکھا۔'' (14)

نامیؔ نے اپنی مثنویوں میں اپنے اساتذہ کے لئے دعا کی ہے۔

خوش د و جگ میں رکھہ میرے اوستاد کو　　ناخوشی آنے نہ دے اونتک کبھو (15)
گر اونہیں ہے فیض سے اپنی قرین　　رحم کر اونپر اے رب العالمین
الٰہی جنسے میں نے علم پایا　　تونت رہ حافظ احوال انکا (16)

مستقیم جنگ نامیؔ نے باقر آگاہ کے علاوہ حافظ محمد حسین سے بھی تعلیم حاصل کی تھی۔ حافظ محمد حسین کی شادی باقر آگاہ کی بڑی صاحبزادی کنیز فاطمہ سے انجام پائی تھی۔ وہ ایک تعلیم یافتہ خاتون تھیں۔ آگاہ نے ان ہی فرمائش پر مسائل فقہ شافعی بیان کرتے ہوئے مثنوی ''روضتہ الاسلام'' لکھی تھی۔

حافظ محمد حسین، مولوی محمد غوث شرف الملک کی پہلی بیوی حلیمہ السعد یہ کے حقیقی بھائی تھے اور اپنے خاندان کی

روایات کے پاسدار تھے۔ وہ صاحب دل اور صاحب علم بھی تھے۔ لکھنے پڑھنے سے انھیں دلچسپی تھی اور تدریس کو اپنا پیشہ بنایا تھا۔ باقر آ گاہ کے علمی کاموں میں معاونت کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ذاکرہ غوث لکھتی ہیں۔

''جب عظیم الدولہ کے دربار میں آ گاہ کی مصروفیت بڑھ گئی تو انھوں
نے اپنے شاگردوں کو حافظ حسین صاحب کے سپرد کر دیا۔ غلام عبدالقادر
ناظر اور عبداللہ عرف مولانا (بخشی الملک) جیسے صاحبان علم و فضل نے بھی
ان حافظ حسین صاحب سے اکتساب علم کرنے کا اعتراف کیا ہے۔'' (17)

عزیز الدین نامی نے زندگی بھر حافظ محمد حسین سے بھی استفادہ کیا تھا۔ دراصل نامی نے ابتداء میں حافظ محمد حسین ہی سے درس حاصل کیا تھا۔ باقر آ گاہ سے نامی کی ملاقات حافظ صاحب کے وسیلہ سے غالباً ہوئی۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر ذاکرہ غوث لکھتی ہیں۔

''پہلے حافظ محمد حسین (آ گاہ کے داماد) سے اکتساب علم کیا۔ شرف
تلمذ بھی ان سے ہی رہا۔ پھر آ گاہ کی تربیت سے شاعری کا ملکہ پیدا ہوا۔
آ گاہ کے بے حد منظور نظر اور آگے چل کر زمانے میں نام پیدا کیا۔'' (18)

شادی اور اولاد

مستقیم جنگ نامی کا نکاح شاہ بیگم سے ہوا۔ جو نواب والا جاہی کی نواسی تھیں۔ نامی کے گھر تین لڑکے حیدر حسین، احمد حسین اور غلام مصطفیٰ اور تین لڑکیاں صالحہ بیگم، رحمت النساء بیگم اور طاہرہ بیگم پیدا ہوئے۔ نامی نے اپنے دولڑکیوں کا رشتہ والا جاہی خاندان میں ہی کیا۔ بڑی لڑکی صالحہ بیگم کی شادی مدراس کے مشہور شاعر خاں عالم خاں بہادر فاروق سے انجام دی، اور دوسری لڑکی کا رشتہ اعتزاد الدولہ سے کیا۔ کہا جاتا ہے کہ نامی کی تیسری لڑکی طاہرہ بیگم ایک حادثہ میں جل کر فوت ہوگئی۔

محمد یوسف کوکن عمری اپنی تصنیف میں نامی کی اولاد کا تفصیل سے تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

He had three daughters from Shah Begum, the daughter of Sultan un nisa Begum. Two of his daughters namely Saliha Begum and Rahematunnisa Begum were respectively married to Khan e Alam Khan Bahadur Farooq and Itizad uddowlah Hafiz Muhammad

Naseer Khan Bahadur. The third daughter was involved in a fire accident and was burnt to death. The three sons were Hyder Husain Khan, Imtiyazuddowlah Bahadur, Ahmed Husain Khan Muhyuddowlah Bahadur and Ghulam Mustafa Ikramuddowlah Bahadur.(19)

مندرجہ بالا اقتباس میں یوسف کوکن نے نامی کی اولاد کی تفصیل بیان کی ہے۔ نامی کی شریک حیات شاہ بیگم سلطان النساء بیگم کی بیٹی تھیں۔ سلطان النساء بیگم نواب والا جاہ کی دختر تھیں۔

نامیؔ نے تیسری نوجوان لڑکی کے حادثہ پر ایک مثنوی ''داغستان کلفت دراحوال سوختن طاہرہ شہید مرحومہ'' لکھی۔ اب یہ مثنوی کم یاب ہی نہیں نایاب ہے۔ لیکن ڈاکٹر رزاق فاروقی نے ''سب رس، جون 1965ء'' کے شمارہ میں بعنوان ''مثنوی داغستان کلفت'' شائع کی ہے۔ مثنوی میں طاہرہ بیگم کا تعارف اس طرح ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہو۔

ہے اُس تابش کی اب تفصیل اس ڈھب — بیان کرتا ہوں وہ رو رو کے اب سب
مری بیٹی تھی چھوٹی طاہرہ نام — موافق نام کے تھے اس کے سب کام
جواں سن تھی وہ لڑکی اَن بیاہی — نہ تھا کام اس کو جز یاد الٰہی
نماز پنج وقتہ اور تلاوت — نہ کی ناغہ کبھی وہ باسعادت

(20)

پہلی مثنوی ''نوبہار عشق'' میں نامیؔ نے بیوی اور بچوں کے لئے سلامتی و ہدایت کی دعا مانگی ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہو۔

زتو فرزند کو میری رکھہ سلامت — بہت دی انکو نیکی ہدایت
سعادت مند کر فرزند کو میری — خوشی سے رکھہ سدا دل بند میری
اونہیں دے دین اور دنیا میں عزت — ہمشہ رک تو برخردار دولت

دوسری مثنوی ''لیلیٰ مجنوں'' میں علم دین حاصل کرنے کی دعا کی ہے۔ چند شعر پیش ہے۔

ایک نکتہ ہے خردمند و نکوبس — علم دین حاصل کرو باقی ہوس
علم دیں فقہ است تفسیر و حدیث — ہر کہ خواند غیر ازیں گرد و خبیث

ہوے فرزندوں کو میرے عنقریب　　یا الٰہی علم کی دولت نصیب

مثنوی ''بہارستان عشق'' (لیلیٰ مجنوں) میں دو شعر کی سُرخی کے ساتھ لڑکوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حیدر حسین کی عمر سات سال ہے، دوسرا لڑکا احمد حسین ہے۔ ان دونوں کو اپنی آنکھیں کہا ہے۔ شعر دیکھئے۔

مطربا اسوقت کہہ ایک گیت بھلی　　جسکو سنتے ہی کہلے دلکی کلی
گر اثر ہو تیرا خوش الحان سُن　　میرے فرزندوں کے ہووئے نیک گن
ای میرے نور البصر حیدر حسین　　نت تجھے دیوے خدا آرام چین
ہفت سالہ عمر تیری ہنگی اب　　ان طبع کو تجھے پونچاوے رب
دین و دنیا مین تو برخوردار رہ　　بخت سے اپنے سدا بیدار رہ
بھائی تیرا دوسرا احمد حسین　　جوہی تجاوہ بھی انور عین
تم جو ہو دو آنکہہ میری بیگمان　　دو جہان کے بیچ رہو شادماں

(21)

دربار سے وابستگی

نامیؔ کے والد حامد حسین خاں گوپائیو سے مدراس آ کر ارکاٹ میں بس گئے تھے۔ والا جاہی حکمرانوں کا تعلق بھی گوپاموسے تھا۔ نامیؔ کی والا جاہ سے وطنیت کے علاوہ رشتہ داری بھی تھی۔ نامیؔ فطری شاعر تھے۔ انہوں نے اپنی صلاحیتوں اور خوبیوں کی وجہ سے ترقی حاصل کی۔ انہیں اردو شعروشاعری سے دلی شوق و ذوق تھا۔ اس زمانے کے معروف شاعر باقر آگاہ کے شاگرد رشید تھے۔ نامیؔ کی شاعری نے بہت جلد پورے ارکاٹ میں شہرت پائی۔

نواب عمدۃ الامراء ممتاز کے عہد میں انتشار کا عالم تھا۔ سیاسی و مذہبی افراتفری و بدگمانیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ اس کے باوجود بڑے بڑے علماء عمدۃ الامراء کے دربار سے فیض پاتے رہے۔ مولانا باقر آگاہ اور میر اسمٰعیل خاں ابجدی ان کے اتالیق مقرر ہوئے تھے۔ اور نامیؔ کو درباری شاعر اور ملک الشعراء کا خطاب عطا ہوا۔ علیم صبا نویدی لکھتے ہیں۔

> ''نامیؔ کو عمدۃ الامراء کے درباری شاعر ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ عمدۃ الامراء جب تخت نشین ہوئے تو انھوں نے نامیؔ کو ملک الشعراء اور

مستقیم جنگ بہادر کے معزز خطابات سے نوازا۔'' (22)

پہلی تخلیق اور دیگر تصانیف

نامی ایک پرگو شاعر تھے۔ انہیں عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ تینوں زبانوں میں بھی اپنی تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔ اس وقت عربی اور فارسی سے زیادہ اردو کا چلن عام ہورہا تھا۔ اس لئے نامی نے اردو زبان کو ترجیح دی۔ ان کا زیادہ تر کلام اردو ہی میں دستیاب ہے۔ چنانچہ نامی کی پہلی تخلیق ''مثنوی نوبہار عشق'' ہے۔ (23) جو 1211ھ مطابق 1796ء میں لکھی گئی۔ اس میں شیریں فرہاد کا مشہور تاریخی واقعہ بیان ہوا ہے۔

ڈاکٹر محی الدین قادری زورؔ نے اپنی مرتبہ فہرست مخطوطات جلد اول میں نامی کی مثنوی ''نوبہار عشق'' کے مخطوطے کی تفصیل پیش کی ہے جو یہاں نقل کی جاتی ہے۔

> ''نوبہار عشق، تین ہزار پانچ سو ابیات کی ایک مثنوی ہے جس میں نظامی کی مثنوی شیریں خسرو کا اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ ہاشمی صاحب کی نظر سے نامی کا صرف سلیمان نامہ گزرا ہے جو 1226ھ کی تصنیف ہے اور جس میں تین ہزار آٹھ سو ابیات ہیں۔ ادارے کی زیر نظر مثنوی کا مخطوطہ کسی کتب خانہ میں موجود نہیں ہے اور یہ نامی کی پہلی تصنیف ہے۔ اس لئے بہت اہم ہے۔ ہاشمی صاحب نے ان کا نام غلام اعز الدین خاں لکھا ہے۔ زیر نظر نسخے میں نامی کا نام اس طرح درج ہے۔

ہے نس عاجز عزیز الدین نامیؔ   کہ اس کو دو جہاں میں کر گرامی
(ورق ۱۳)

کتاب میں کئی جگہ مصنف نے اپنا تخلص لکھا ہے۔ مثلاً

ہے عاصی نامیؔ بے چارہ کیا مال   کہ کھولے حمد میں تیرے پر وبال
(۴ب)

نہ کر نامیؔ زمانے کی شکایت   کہ یک پیدا ہوا صاحب عدالت
(۱۵الف)

اثنائے کتاب میں کئی غزلیں درج ہیں جن کے مقطعوں میں بھی نامیؔ تخلص درج ہے۔ کتاب کا نام اور سنہ تصنیف ان ابیات سے واضح ہوتا ہے۔

کیا جب خامہ گلریزی کو انمال رکھا میں نوبہار عشق اوسے نام (۱۷۷)
کہا تاریخ ہاتف از مسرت کہا نامی نے یہ شیریں حکایت (۱۷۷)
سن ہجری تھے بارہ سو پہ گیارہ کہ میں اس مثنوی کے تیئں سنوارا (۱۷۴ب)

اس مثنوی سے مصنف کی نسبت حسب ذیل معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

اس کتاب کی تصنیف کے وقت یعنی 1211ھ میں نامی کے والدین اور اساتذہ زندہ تھے۔ ان کی طرح وہ اپنے بھائیوں اور بیوی اور اولاد کی سلامتی کی بھی دعا کرتا ہے۔ اس وقت اس کی عمر 30 سال کی تھی اور نواب عمدۃ الامراء اُس کے قدرداں تھے چنانچہ ان کی مدح ایک علحدہ عنوان کے تحت لکھی ہے جس کی یہ بہت خاص کر قابل ذکر ہے۔

اگر دیکھے قصیدہ اوس کا سودا رہے گا تاقیامت اس پوشیدہ (۱۷۱الف)

عمدۃ الامراء کی مدح کے آخر میں ان کی بہن اور ان کے فرزند سراج الملک کے لئے بھی دعا کی ہے۔''

سبب تالیف میں نامی نے لکھا ہے کہ وہ تنہائی اور بے کاری سے تنگ آ گیا تھا کہ مطالعہ کتاب کا شوق دامن گیر ہوا۔ اسی اثناء میں نظامی کی شیریں خسرو بھی نظر سے گذری۔ خیال آیا کہ اس کا ہندی میں ترجمہ کرنا

چاہئے کیونکہ بہت سے شاعر گذرے ہیں لیکن کسی نے نظامی کی اس کتاب کا ہندی میں ترجمہ نہیں کیا۔

خاتمہ کتاب میں لکھا ہے کہ اگرچہ میں نے ہندی زبان میں یہ مثنوی لکھی ہے لیکن قصداً دو چار جگہوں پر دکنی زبان بھی استعمال کی ہے۔ یہ مثنوی ایک مہینے میں لکھی ہے۔ اگرچہ میری پہلی کتاب ہے لیکن یقین ہے کہ قابل تعریف ثابت ہوگی۔ اس حصے کی حسب ذیل ابیات قابل ذکر ہیں۔

کیا میں مثنوی ہندی زبان سے — عیاں ہے کچھ نہیں حاجت بیاں سے
مگر قصداً کہیں دو چار جا میں — یہاں دکھنی زبان سیتی کیا میں
کیا اس بحر میں فکر اک مہینہ — تو ماہِ نو سا نکلا یہ سفینہ (۱۷۵الف)
کہا میں اس کو در عین جوانی — رکھے حق جگ میں دائم یہ نشانی
اگرچہ اولیں تصنیف ہوگی — ولیکن قابل تعریف ہے گی
(۱۷۵ب)

حمد و نعت، معراج، شکایت زمانہ کے بعد عمدۃ الامراء کی طویل مدح لکھی ہے۔

اختتام

سلاماں بے حد و صلوات بے حد — سدا حق سے ہو یر ذات محمد
اور اس کی آل اور یاراں پو یک یک — کہ انجم ہیں ہدایت کے وہ بے شک

ترقیمہ

''بتاریخ ماہ ذیقعدہ روز چہارشنبہ ۱۲۷۷ھ لکھی گئی ہے کتاب''

ڈاکٹر محی الدین قادری زورؔ نے اس مخطوطہ کا تعارف کرواتے ہوئے لکھا ہے کہ اس مثنوی کا کوئی اور مخطوطہ کسی کتاب خانہ میں نہیں ہے۔ راقمۃ الحروف کو کتب خانہ سالار جنگ میں ''نوبہار عشق'' کا ایک مخطوطہ دستیاب ہوا ہے جس کا اندراج نمبر ۸۴۵ ہے۔

نامی کی دیگر تصانیف میں

1۔ بہارستان عشق (لیلیٰ مجنوں 1213ھ)

2۔ مدینۃ الانوار (وفات نامہ 1213ھ)

3۔ ساقی نامہ (فارسی)

4۔ قصہ بنارس (فارسی)

5۔ بوستان بہشت (سلیمان نامہ 1225ھ)

6۔ مثنوی ''گنج قدرت'' (احوال عبدالقادر ولی ناگور۔ یہ مثنوی 1851ء میں مطبع عزیزیہ مدراس سے شائع ہو چکی ہے۔)

7۔ ''قصہ بی بی مریم'' (اس مثنوی کے دو قلمی نسخے اسٹیٹ لائبریری حیدرآباد میں محفوظ ہیں۔)

8۔ ''داغستان گلفت'' (جو 1965ء میں ماہ نامہ سب رس حیدرآباد کے شمارے میں شائع ہوئی ہے۔)

اس کے علاوہ نامی فارسی اور اردو کے صاحب دیوان شاعر ہیں لیکن یہ دیوان نایاب ہو گئے ہیں۔

نامیؔ کی مرثیہ نگاری

نامیؔ نے مثنویوں کے علاوہ مرثیہ بھی لکھا ہے۔ ارکاٹ میں گیارہویں صدی ہجری سے ہی مرثیہ لکھنے کا رواج عام ہوا ہے۔ نوابین ارکاٹ کے زمانے میں دکنی شاعری کو فروغ حاصل ہوا۔ درباری شعراء کے علاوہ نواب سعادت اللہ خاں نے دکنی زبان میں مرثیہ لکھا۔ شاعروں کی ادب سے خصوصی دلچسپی سے متعلق نصیرالدین ہاشمی لکھتے ہیں۔

> ''بارہویں صدی ہجری میں شاعری کی ہر صنف میں طبع آزمائی ہونے لگی۔ غزل، قصیدہ، مثنوی اور رباعی کی طرح مرثیہ میں بھی شاعروں نے اپنی جولانی طبع دکھائی ہے۔ مخصوص مرثیہ گو شعراء کے قطع نظر دیگر شاعروں نے بھی دوسرے اصناف سخن کے ساتھ مرثیوں کا لکھنا بھی ضروری تصور کرتے تھے۔(24)

بارہویں صدی میں دکنی شاعری اپنے عروج پر تھی۔ شعراء مختلف اصناف میں طبع آزمائی کرتے تھے۔ اسی

زمانے میں ناؔمی نے بھی مرثیے لکھے، جن میں چار مرثیے دستیاب ہیں۔ دو مرثیے قلمی نسخہ "مدینۃ الانوار" میں شامل ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی وفات کو موضوع بنا کر لکھے گئے ہیں۔ ایک مرثیہ نصیر الدین ہاشمی نے "مدراس میں اردو" میں نقل کیا ہے اور "یورپ میں دکھنی مخطوطات" میں دو شعر دیئے ہیں اور لکھتے ہیں کہ یہ کیمبرج کی بیاض میں موجود ہے، جس میں "مستقیم" تخلص استعمال کیا گیا ہے۔

تشنہ لب رن میں کیوں ایک پیغمبر ہوتے
حاضر اس وقت اگر ساقی کوثر ہوتے

نہ فلک تجہ قلم رہ کے دفتر ہوتے (25)

ایک اور مرثیہ کا نمونہ علیم صبا نویدی نے اپنی کتاب "ٹمل ناڈو کے مشاہر ادب" میں دیا ہے۔ اور لکھتے ہیں۔

"انھوں نے اپنے استاد پر ایک مرثیہ لکھا۔ یہاں سے ان کے دوبارہ لکھنے کی تحریک شروع ہوئی۔ اپنے استاد کے مرثیہ میں بیان کرتے ہیں۔

بن اوس کی ہنر کو نہیں اعتبار
گیا پھول گلشن سے باقی ہے خار
سدا روح پر اوس کے لیل و نہار
او ترقی رہے رحمت کر دگار (26)

علیم صبا نویدی نے جو اشعار مرثیہ کے بتلائے ہیں یہ اشعار دراصل مثنوی "بوستان بہشت" (قصہ سلیمان پیغمبر) میں "سبب تصنیف کتاب شریف" کی سرخی کے تحت لکھے گئے ہیں۔ جس میں مرحوم باقر آگاہ کے اوصاف بیان کئے ہیں۔ اس کی کیفیت مرثیہ کی نہیں ہے۔

وفات

ناؔمی کی آخری زندگی کا ایک طویل عرصہ غمگین و پریشان کن حالات میں گزرا۔ انھوں نے بڑی افسردہ زندگی بسر کی، جس کا اندازہ ان کے کلام کے مطالعہ سے ہوتا ہے۔ جب نواب عمدۃ الامرا تخت نشین ہوئے تو انہیں دربار ی

شعراء میں جگہ ملی اور ملک الشعراء بنا دیا گیا۔ اس عہد میں ناؔمی کی بہت عزت افزائی ہوئی۔ جب نواب عمدۃ الامراء کا انتقال ہوا تو سلطنت برائے نام ہو کر انگریز حکومت کے ہاتھوں میں چلی گئی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے ناؔمی کو وظیفہ ملتا رہا۔ ناؔمی کی شریک حیات شاہ بیگم نے ۹ رمضان ۱۲۴۳ھ کو انتقال کیا۔ شریک حیات کی جدائی نے انہیں بیمار کر دیا۔ تین برس کے عرصہ کے بعد ۱۸ جمادی الاول ۱۲۴۰ھ کو ناؔمی نے رحلت فرمائی۔ علیم صبا نویدی لکھتے ہیں۔

''ناؔمی کا انتقال ۱۸ جمادی الاول ۱۲۴۰ھ م ۱۸۲۴ء کو مدراس میں ہوا۔ اس وقت ان کی عمر ساٹھ سال کی تھی۔ آپ کو ساحل مدراس کے قریب اپنے ایک باغ میں سپرد خاک کیا گیا۔ آج اس جگہ پر مدراس پریسیڈنسی کالج قائم ہے۔(27)

تلامذہ ناؔمی

اہل علم اور علماء کا طریقہ رہا ہے کہ بچے کی تعلیم و تربیت والدین کی نگہداشت میں ہوتی، پھر کسی اچھے استاد کے سپرد کیا جاتا جہاں بچے کی درس و تدریس کا معقول انتظام ہوتا۔ ناؔمی کا تعلق ارکاٹ سے تھا۔ یہاں کے اور اس کے اطراف و اکناف کے علاقوں میں جو طریقہ تدریس رائج تھا اس کے بارے میں یوسف کوکن کے حوالے سے ڈاکٹر ذاکرہ غوث لکھتی ہیں۔

''مدراس، ارکاٹ، ویلور، نتھر نگر وغیرہ میں عربی و فارسی وغیرہ علوم کی تعلیم مشہور اساتذہ کے گھروں پر ہوا کرتی تھی۔ جو استاد جس فن میں ماہر ہوتا طلباء اس کے گھر پر پہنچ کر اس سے وہ خاص فن حاصل کرتے۔ حکومت وقت کی طرف سے اُن اساتذہ کے نام جاگیریں لکھ دی جاتی تھیں۔ اس کی آمدنی پر اپنی زندگی بسر کرتے اور طلبہ کو بلا معاوضہ تعلیم دیتے اور بعض اوقات ذہین طلبہ کی مالی امداد و اعانت بھی کرتے۔(28)''

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں بھی تعلیم کا نظام کافی عمدہ تھا۔ استاد کی آمدنی اور ذہین طلبہ کی مالی اعانت کا نظام بھی ہوا کرتا تھا۔ اس دور کے مشہور اساتذہ میں باقر آگاہ، حکیم تجمّل خاں ابجدی وغیرہ کے ساتھ

ساتھ ناؔمی کا بھی شمار ہوتا ہے۔ ناؔمی کے تلامذہ کے سلسلے میں بہت کم معلومات حاصل ہیں۔ تاریخی تصانیف اور تذکروں میں ناؔمی کے چند شاگردوں کا ہی ذکر ملتا ہے جن میں انور حسین حشمت (1204 تا 1269ھ)، محمد معروف فاروق خاں عالم خاں (1207 تا 1277ھ)، حاجی محمد حیران (1210 تا 1267ھ)، معین الدین منور، سید نظام الدین احقر (1200ھ) وغیرہ نمایاں ہیں۔

انور حسین حشمت (1204 تا 1269ھ)

حشمت 1204ھ میں پیدا ہوئے۔ یہ والا جاہ اول کے پوتے تھے۔ عربی اور فارسی کے اچھے شاعر تھے۔ اپنے کلام پر ناؔمی سے اصلاح لیتے تھے۔

محمد معروف فاروق خاں عالم خاں (1207 تا 1277ھ)

محمد معروف اصل نام تھا۔ خان عالم خان بہادر کے نام سے مشہور ہوئے۔ خاں عالم کی دادی اماں حضرت بیگم تھیں جو نواب محمد علی والا جاہ کی حقیقی بہن تھیں۔ ان کے والد محمد جان جہاں خاں بہادر تھے، اور والدہ حرمت النساء بیگم مشائخ فاروقیہ سے تھیں۔ یہ سلسلہ حضرت عمر فاروقؓ سے ملتا ہے۔ اسی نسبت سے خان عالم نے اپنا تخلص فاروق رکھا۔

فاروق بڑے عالم و فاضل تھے۔ مطالعہ بہت گہرا تھا۔ تقریباً بارہ سال تک متعدد علوم و فنون میں کمال حاصل کیا۔ ادب طب، عروض، ریاضی، موسیقی میں اچھی مہارت حاصل تھی۔ عربی اور فارسی کے علاوہ ترکی اور انگریزی زبان سے بھی واقف تھے۔

فاروق کی شادی صالحہ بیگم سے ہوئی، جو مدراس کے ملک الشعراء مستقیم جنگ ناؔمی کی صاحب زادی تھیں۔ فاروق اور صالحہ بیگم کے دولڑ کے محمد خیر الدین خان محمود جنگ (29) اور جان جہاں خان افسر الدولہ اور دولڑکیاں تھیں۔ ایک لڑکی کی شادی ۱۸۳۱ء میں نواب اعظم جاہ بہادر سے ہوئی تھی۔

۱۸۲۹ء میں فاروق نے مولانا محمد علی رام پوری کے دست مبارک پر بیعت کر لی۔ فاروق نے اپنے اردو کلام پر ابتداء میں مغل شہزادہ مرزا علی بخت بہادر اظفری گورگانی سے اصلاح لی۔ ۱۸۱۸ء میں ان کی وفات کے بعد اپنے خسر ملک الشعراء مستقیم جنگ ناؔمی سے درس لیتے رہے۔ ناؔمی مولوی باقر آگاہ ویلوری کے شاگرد رشید تھے۔ استاد

الاساتذہ کی نسبت سے فاروق نے ''مدح مولوی باقر آگاہ مرحوم ومغفور'' کے عنوان کے تحت یہ شعر لکھا ہے۔

وابستہ رابطہ ہوں اس کا شاگرد بہ واسطہ ہوں اس کا (30)

فاروق نے فارسی دیوان اردو میں غزلیں، رباعی اور ایک رسالہ مولانا محمد علی رام پوری کی تائید میں ترتیب دیا۔ جس میں حدیث اور اقوال یکجا کئے گئے ہیں۔ مہدی واصف نے اپنی کتاب ''حدیقتہ المرام'' میں فاروق کے اس رسالے کا حوالہ دیا ہے کہ یہ رسالہ ''جامع الاخبار'' سے شائع ہوا ہے۔ ایک اور کتاب قاضی بدر الدین کی تصنیف ''گلزار ہدایت'' کی رد میں لکھی۔ اس کا ایک نسخہ ادرۂ ادبیات اردو میں موجود ہے۔ افضل الدین اقبال لکھتے ہیں کہ ادارہ کی ایک بیاض میں فاروق کا کلام درج ہے جو بلا ترتیب ردیف نظمیں، رباعیاں، قطعے اور غزلیں درج ہیں۔ اردو اشعار کی تعداد ۴۱۰ ہے۔

ڈاکٹر محی الدین قادری زورؔ نے اپنی مرتبہ فہرست مخطوطات جلد چہارم میں خاں عالم خاں فاروق کے ایک بیاض کی تفصیل اس طرح پیش کی ہے جو یہاں نقل کی جاتی ہے۔

فاروق، نامیؔ (دیکھو مخطوطہ ۷۴۸) اور اظفری کے شاگرد تھے۔
۱۲۰۷ھ میں پیدا ہوئے۔ موسیقی اور شاعری دونوں میں مہارت حاصل کی۔
نواب ارکاٹ غلام غوث خاں اعظم جاہ (۱۲۳۹ تا ۱۲۷۶ھ) کے مشاعروں میں شرکت کرتے تھے۔ کلام غالباً نہیں چھپا اور نہ کسی کتب خانہ میں محفوظ ہے۔

ہاشمی صاحب نے ''مدراس میں اردو'' میں صفحہ ۸۱ پر ان کا مختصر سا ذکر لکھا ہے۔

زیر نظر مخطوطے میں ان کا جو کلام ہے اس سے ان کے ذاتی حالات پر بہت کم روشنی پڑتی ہے۔ سخت وہابی مسلمان تھے۔ ایک نظم میں علم اور تعزیہ کی ہجو لکھی ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں

علم کے مرتبہ دانوں کے سینکڑوں ہیں گروہ بہ مثل سبحہ جو ہیں امام لکڑی کے
پجاری ثوب کے نصرانی اور شدہ پرست صلیب جھنڈہ علم نیزہ نام لکڑی کے
علم کو سمجھے ہیں بے عین اپنے دین کا کھم دیئے ہیں اس کے تلے لا کے تھام لکڑی کے
الاوہ کھول کے اپنا دہان بے دنداں لگا ہے کھانے کو لقمے حرام لکڑی کے
عجب تو یہ ہے کہ طفلان نے سوار کی طرح سوار بن گئے شدے تمام لکڑی کے (ورق ۴۳)

اس بیاض میں فاروق کی غزلیں، رباعیاں اور قطعے بلاترتیب ردیف درج کی گئی ہیں۔ معلوم نہیں کہ ان کا دیوان مرتب ہوا تھا یا نہیں۔ کلام اعلیٰ پایہ ہے۔ فارسی اور اُردو دونوں میں زورِ طبع دکھایا ہے۔

ایک رباعی میں مندر تروتور کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

دیکھا بت تروتور کی جو توقیر   ہے قبر میں پیر پہلواں بھی دلگیر
کہتا ہے کہ سچے ہندوؤں کا بت بن   کہلا نہ کبھو جھوٹے مسلمان کا پیر

ایک قطعہ میں لکھتے ہیں۔

کہتا تھا محمدی سے ایک نوابی   خاطر پہ مرے ہے رات دن بے تابی
لڑکا مرا آتا ہے تمھارے گھر کو   ڈرتا ہوں نہ بن جائے کہیں وہابی
(ورق ۷۳)

غزلوں کے بعض شعر یہ ہیں۔

جانب دل ہیں ناز کی آنکھیں   صید ہی پر ہیں باز کی آنکھیں
اس کی چاہ زقن سے ہوئیں خنک   تشنگان مجاز کی آنکھیں
کھل گئی دید کی حقیقت یہاں   بند کیجئے مجاز کی آنکھیں
جگ میں ہیں اس طرف ہی اے فاروق   سب کی راز و نیاز کی آنکھیں

ہے وہ مہمان آج یا کل کا   کیا کہوں حال تیرے بے کل کا
تیرے کوچہ سے کیونکہ اٹھ جاویں   زور کس کو رہا ہے اہل چل کا
بے سبب زرا زرا روتا ہے   کوئی جانے ہے درد بادل کا
نظر آئی نقاب سے ابرو   خوب تیغا نیام سے سل کا
دل کو اس طفل دبستاں نے دیکھ   کہا کچھ نا بھی ہے اس پھل کا
میں چھپاتا تھا دل میں مہر ترا   ٹھیک یہ نور خودبخود جھلکا

رُخ کرے جدھر اُدھر منہ اس کا　　ہیں سب جہتیں جہات اس کی
تجھ رنگ کو دیکھ کان پکڑا　　کیا زر کیا کائنات اس کی
ہے اس رُخ و زلف کا زمانہ　　دن اس کا ہمیشہ رات اس کی
صحرائے فراق یار میں ہوں　　کیا پوچھئے واردات اس کی
فاروق کی کیا نبیسے یہاں روز　　آتی ہے نئی برات اس کی

اشکِ گلرنگ جسے آن کے مژگاں کے تلے　　خوب گلزار بنا خار مغیلاں کے تلے
اپنا رونا تیرے قدموں کے تلے یاد آیا　　دیکھ کر آب رواں سروخراماں کے تلے
حق پرستی میں نہ کر نفس پرستی فاروقؔ　　کفر کی جنس نہ رکھ دین کے ساماں تلے

(ورق ۴۷)

یہ مخطوطہ نیلگوں انگریزی کاغذ پر بطور بیاض نہایت خوش خط لکھا گیا ہے۔ ناقص الآخر ہے۔ مولوی احمد اللہ خاں صاحب نے ادارے میں بطور عطیہ داخل کیا ہے۔

۱۲۶ ورق۔ فی صفحہ اوسطاً ۲۵ شعر۔ ۸x۶

فاروقؔ کی شاعری میں بیان کی لطافت، طرز ادا کی بے ساختگی اور سادگی موجود ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہو۔

بات کہنے میں گل فشاں وہ لب　　پھول کی بات اس کی باتیں سب

ہے وہ مہمان آج یا کل کا　　کیا کہوں حال تیرے بے کل کا
بے سبب زرا زرا روتا ہے　　کوئی جانے ہے درد بادل کا
ہجر میں خواب کا خیال کہاں　　گرچہ ہو مجھ کو فرش مخمل کا

کیا خبر پوچھتے ہو عاشق کی　　اس کو تم بن ہے سب سے بے خبری
زندگی غم ہے گرچہ ہوئے دراز　　نوح کو بھی یہاں ہے نوحہ گری

تیرے قدموں پہ ہے فدا ہر دم　　دم قدم بیچ سرفراز ہے دل
پاک دامن ہو جیسے تم دل بر　　ویسا ہی اپنا پاک باز ہے دل (31)

غزل کے ساتھ ساتھ فاروقؔ نے رباعی میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ دو رباعی بطور نمونہ پیش ہے۔

خط بیگانے کا نہ پڑھیوں کہیں بیگانوں میں
کوئی مصحف کی تلاوت کرے بت خانوں میں
کیا مجنوں نے جو لیلیٰ کو مسخر اپنی
ایسا دانا نظر آیا نہیں دیوانوں میں

~~~~~~~

جلوت میں تجھے ہے عار کیوں کر ملیے
خلوت میں نہیں ہے یار کیوں کر ملیے
کھویا رفت نے خواب کا بھی ملنا
دریا حائل ہے یار کیوں کر ملیے

فاروقؔ کا انتقال 21 رمضان 1271ھ م 1855ء کو ہوا۔ بعد نماز جمعہ والا جاہی مسجد کے احاطہ میں تدفین عمل میں آئی۔ یوسف کوکن لکھتے ہیں۔

Khan e Aalam Khan died on Thursday, the 21st Ramadan 1271H, 7th June 1855 A.D and his body was brought to the Walajahi Mosque on Friday for funeral prayer and then took his body to the burial ground.(32)

قطعہ تاریخ وفات

بردا بلیس از رہ تلبیس　　دین و ایمان زخان عالم خان

1271-1443-172ھ

حاجی محمد حیران

حاجی محمد الدین حیران ۱۲۱۰ھ میں کرنول میں پیدا ہوئے۔ حیرانؔ کے والد فقیر محمد تھے جو نواب عمدۃ الامراء
~~~~~~~

کے یہاں منتظم رسد کے عہدے پر مامور ہوئے۔ حیران نے عربی اور فارسی کا درس مولوی محمد حسن علی محلی اور مولوی عبدالقادر حسینی سے لیا اور اردو میں عزیز الدین خان مستقیم جنگ نامیؔ سے اصلاح لیتے رہے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی میں منشی کے عہدے پر فائز رہے۔ اس کے بعد حیدر آباد چلے گئے۔ کچھ دنوں بعد پھر مدراس لوٹ آئے۔ حیران کی خواہش تھی کہ وہ مدینہ منورہ جائیں اور رسول خداؐ کی شان میں نعت لکھیں۔ ایک رباعی میں اس خواہش کا اظہار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

اے سرور انبیاءؑ اے شاہ عربؐ
ہستی دو کون را ظہور تو سبب
فرما نظری برمن حیران زکرم
یعنی بزیارت شریفت بطلب
(33)

۱۲۵۵ھ میں یہ مراد برآئی۔ اس کے بعد حاجی محمد نے درس وتدریس اختیار کی۔ انہوں نے فارسی قواعد کی کتاب ''تحقیق القوانین'' لکھی۔ مدراس اور بنگلور سے اس کی اشاعت عمل میں آئی۔

معین الدین

پورا نام سید معین الدین منور تھا۔ اچھے کاتب تھے۔ چنانچہ ''رقم خاں'' کا خطاب والا جاہی دربار سے عطا ہوا۔ ان کے والد سید عبدالغفار خاں تھے جو اپنے عہد کے بہترین خوش نویس تھے۔ منور، نامیؔ کے شاگرد تھے۔ ان کے علاوہ غلام علی موسیٰ رضا رائق سے بھی اصلاح لیتے رہے۔

دربارِ ارکاٹ میں ''دارالانشا'' کے منشی کے عہدے پر خدمت انجام دینے کے بعد کچہری، دیوانی و مالی میں بھی منشی کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دیئے۔ کلام کا نمونہ دستیاب نہیں۔

حوالے

1۔ Mohammad Yousuf Kokan Umri "Arabic & Persian in Karnatic" (1710, 1960) published in 1974. pg no. 293

2۔ غلام عزیز الدین بہادر نامی ''نو بہار عشق''، مخطوطہ نمبر 517، ص12

3۔ ایضاً

4۔ غلام عزیز الدین بہادر نامی ''نو بہار عشق''، مخطوطہ نمبر 517، ص8

5۔ غلام عزیز الدین بہادر نامی ''نو بہار عشق''، مخطوطہ نمبر 663، قصہ سلیمان پیغمبرؑ، ص10

6۔ غلام عزیز الدین بہادر نامی ''مدینتہ الانور'' ص5

7۔ غلام عزیز الدین بہادر نامی ''لیلیٰ مجنوں'' ص76

8۔ غلام عزیز الدین بہادر نامی ''نو بہار عشق'' ص12

9۔ غلام عزیز الدین بہادر نامی ''لیلیٰ مجنوں'' ص12

10۔ نصیر الدین ہاشمی ''مدراس میں اُردو'' ص136

11۔ حامد اللہ ندوی، اُردو کی چند نایاب مثنویاں، ص123۔1993

12۔ سید سجاد حسین، مضمون: مستقیم جنگ نامیؔ کی اردو مثنویاں مشمولہ نوائے ادب۔ اکتوبر، 1996

13۔ Mohammad Yousuf Kokan "Arabic & Persian in Karnatic" pg. no. 293

14۔ ذاکرہ غوث، مولانا باقر آگاہ ویلوری۔ شخصیت اور فن، ص567، 568

15۔ عزیز الدین بہادر نامی ''لیلیٰ مجنوں'' ص8

16۔ غلام اعز الدین بہادر نامی ''نو بہار عشق'' ص13

17۔ ذاکرہ غوث ''مولانا باقر آگاہ۔ شخصیت اور فن'' ص193

18۔ ایضاً ص566

19۔ Mohammad Yousuf Kokan "Arabic & Persian in Karnatic" pg. no. 296

20۔ رزاق فاروقی ''مثنوی داغستان کلفت'' مشمولہ سب رس، جون 1965

21۔ لیلیٰ مجنوں، نامیؔ، ص11

22۔ علیم صبانویدی، ٹمل ناڈو کے مشاہر ادب، مرتبہ جاویدہ حبیب۔ص204

23۔ Mohammad Yousuf Kokan "Arabic & Persian in Karnatic" pg. no. 294

24۔ نصیرالدین ہاشمی، مدراس میں اُردو۔ص133

25۔ ایضاً ص136

26۔ علیم صبانویدی، ٹمل ناڈو کے مشاہر ادب، مرتبہ جاویدہ حبیب۔ص206

27۔ ایضاً ص205

28۔ ذاکرہ غوث ''مولانا باقر آگاہ۔شخصیت اور فن'' ص560

29۔ خیرالدین خان محمود جنگ۔تصنیف ''اساس ریاست کرناٹک'' کے مصنف ہے۔ یہ تصنیف فارسی میں لکھی گئی ہے۔اس کا موضوع کرناٹک کی تاریخ ہے۔

30۔ افضل الدین اقبال'' کلام فاروقؔ''، مشمولہ سب رس، اگست2003، حیدرآباد

31۔ ایضاً

32۔ محمد یوسف کوکن عمری، عربک اینڈ پرشین اِن کرناٹک۔ص396

33۔ ایضاً ص396

~~~
~~~

دوسرا باب

مستقیم جنگ نامی کے چند ہم عصر شعرا

سرزمین دکن نے ہمیشہ بیرونی ممالک کے سیاحوں، مورخوں اور علماء کو اپنی آغوش میں لیا ہے۔ یہاں ان کی نشو ونما ہوئی۔ ان دانشوروں نے دکن کے حالات وواقعات کا طایرانہ نظروں سے مشاہدہ کیا اور ان مشاہدات کو اپنی تصانیف میں قلم بند کیا۔ جہاں تک انگریزوں کی بات ہے تو انہوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی بنیاد ڈالی، صنعت کاری کو فروغ دیا اور ارکاٹ میں ان کا اہم کارنامہ فوٹ سینٹ جارج کالج کا قیام ہے۔

کائنات میں ہر شئے فانی ہے۔ ہر شئے کا عروج وزوال ہے۔ بیجاپور اور گولکنڈہ کی حکومتیں زوال پذیر ہوئیں تو یہاں کے اہل علم نے ارکاٹ کا رُخ کیا۔ نوابین ارکاٹ نے زندگی کی بقاء کے لئے ہر ممکن کوشش کی۔ سیاسی اور سماجی اعتبار سے ریاست میں انتشار اور افراتفری کا علم تھا۔ قطب شاہی اور عادل شاہی سرپرستی کے تمام ذرائع نیست ونابود ہو چکے تھے۔ ایسے حالات میں جوق درجوق رخت سفر اختیار کرنے والوں کو ارکاٹ ایک محفوظ جگہ نظر آئی۔ یہاں زندگی کی بقاء ممکن نظر آئی۔ نوابین ارکاٹ کی قدر دانی کے چرچے کو بہ کو پھیل گئے۔ کئی ادیب ملک و بیرون ملک سے ہجرت کرنے لگے۔ نوابین ارکاٹ نے ادیب اور ادب کو بھی سچی لگن اور خون جگر سے سینچا جس کی وجہہ سے ارکاٹ میں علم وادب کے چودہ طبق روشن ہوگئے۔

ارکاٹ میں دو خاندانوں نے حکومت کی۔ ایک خاندان نوائط اور دوسرا خاندان والا جاہی۔ خاندان والا جاہی کے عہد کو ارکاٹ کا سنہرا دور کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ والا جاہی حکمرانوں نے نہ صرف ادیبوں کی سرپرستی کی بلکہ اپنے نوک قلم سے ادب کو منور بھی کیا۔ نواب محمد علی خاں متخلص واؔلا جاہ، نواب عمدۃ الامرا امتاؔز، نواب محمد منور خاں امیر الامراء امیؔر، نواب تاج الامراء ماجؔد، نواب عظیم جاہ اور نواب غوث خاں اعظؔم اپنے اپنے عہد کے حکمران ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے شاعر بھی تھے۔ ان کی علمی وادبی خدمات بالخصوص ان کی ادبی کاوشیں دکنی ادب میں اہم مقام ومرتبہ کی حامل ہیں۔

ارکاٹ کے درباری شاعروں میں ملک الشعراء اسمٰعیل خان ابجدؔی، مولوی باقر آگاؔہ، اظفرؔی گورگورگانی،

معجزار کاٹی، اشرف الملک بہادر، شاہ غوث جامی اور ملک الشعراء مستقیم جنگ ناطقی وغیرہ جیسے قدآور اور قابل ادباء نے اپنے فن کی داد دی ہے۔ آخر اللہ کرشاعر مستقیم جنگ ناطؔی ارکاٹ کے دوسرے ملک الشعراء گذرے ہیں۔ ناطؔی نے اپنے ذوق و شوق کی بناء پر تاریخی قصوں جیسے قصہ ''لیلیٰ مجنوں''، قصہ ''شیریں خسرو''، ''وفات نبی ﷺ''، قصہ ''سلیمان نامہ'' وغیرہ کو مثنوی کی ہیئت میں لکھا۔ اس باب میں ناطؔی کے ہم عصر شعراء کا مختصر تعارف اور شعر وادب کا ذکر پیش ہے۔ اس باب میں معاصرین شعراء کی قدر ومنزلت کا تعین کرنا نہیں بلکہ اس عہد کا پس منظر پیش کرنا مقصود ہے تا کہ عہد ناطؔی کا ادبی پس منظر واضح ہو جائے اور ناطؔی کے ادبی ماحول کا تعین ہو سکے۔ اس باب میں شعراء کی سلسلہ وار ترتیب سن پیدائش کے مطابق جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔

ارکاٹ کے وجود میں آنے سے قبل بھی اس سرزمین پر اردو شعر و شاعری اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری تھا۔ ١٦٨٦ء میں بیجاپور کے خاتمہ کے بعد ہاشمی بیجاپوری نے ارکاٹ کا سفر اختیار کیا تھا۔ اور ارکاٹ کو آباد کرنے والے عالمگیری صوبہ داری نواب ذوالفقار خاں کی مدح میں قصیدہ لکھا ہے۔ ہاشمی بیجاپور کے ہم عصر صوفی شعراء میں ایک اہم نام شاہ میراں حسینی ولی اللہ کا ملتا ہے جو سید شاہ وزیر اللہ عرف عزیز اللہ حسینی کے فرزند تھے۔ اور آپ سید ہاشم حسینی خداوند ہادی کے فرزند اکبر تھے اور آپ حضرت امین الدین علی اعلیٰ کے مرید وخلیفہ تھے۔

حضرت سید عبدالقادر میراں حسینی ولی اللہ نے ارکاٹ سے چند میل کے فاصلہ پر آدم کی پہاڑی پر سکونت اختیار کی تھی اور بعد وصال اسی پہاڑی پر آسودہ خاک ہیں۔ غلام عبدالقادر ناصر نے اپنے تذکرہ ''بہار اعظم جاہی'' میں اس مزار کی تفصیل بیان کی ہے۔ حضرت سید عبدالقادر میراں حسینی ولی اللہ نہ صرف صاحب کرامات تھے بلکہ صاحب تصنیف بھی تھے۔ آپ کی دکنی نثر میں ایک تصنیف ''خلاصۃ الرویت'' ملتی ہے۔ اس تصنیف کا تعارف کراتے ہوئے پروفیسر ہاشم علی لکھتے ہیں۔

> ''خلاصۃ الرویت'' میں ضمنی طور پر ''مرات الانسان'' اور ''سبع صفات'' کا ذکر ہے۔ اس لئے یہ رسالہ مزید دو مذکر ناموں سے موسوم کیا گیا۔ اس رسالہ کا اصلی نام خلاصۃ الرویت ہی ہے۔ اس میں سبع صفات یعنی حیات، علم، ارادہ، قدرت، سماعت، بصارت، کلام کی تفصیلی تفہیم کی گئی ہے اور ان سبع صفات کے تعلق سے جو کہ حق تعالیٰ کے ذاتی ہیں اور جو مخلوق میں اضافتاً وامانتاً ہیں یہ بتایا گیا ہے کہ اس کو خلق نہ سمجھیں بلکہ حق ہی سمجھیں

اور اس کو حق ہی کی طرف لوٹائیں۔(1)

'خلاصۃ الرویت' نثر کی کتاب ہے اور حضرت امین الدین علی اعلیٰ کے نثری رسالے'' کلمۃ الاسرار'' کے بعد تصوف کے موضوع پر نثر میں لکھی جانے والی اہم تصنیف ہے۔ اس تصنیف کی اہمیت کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے ڈاکٹر حسینی شاہد لکھتے ہیں۔

> '' حضرت امین کے سلسلے میں ہم یہ واضح کراتے ہیں کہ جہاں انھوں نے پانچ عناصر پچیس گن کا منتر نہیں دہرایا ہے اور اصطلاحات کی زبان میں اظہار خیال سے اجتناب کیا ہے ان کی تحریر میں ادبی حُسن پیدا ہو گیا ہے۔ ان کے اس رنگ کا بہترین نمونہ 'کلمۃ الاسرار' ہے جو دکنی نثر کے ارتقاء کی ایک اہم منزل کی نشاندہی کرتا ہے۔ شاہ میراں حسینی کا زیر نظر ('خلاصۃ الرویت') بھی اسی ڈھنگ کا ہے اور اپنی ادبیت کی وجہ سے کلمۃ الاسرار سے ٹکر کھاتا ہے۔''(2)

میراں شاہ ولی اللہ کے دو فرزند بھی صاحب تصنیف گذرے ہیں۔ ان میں ایک سید شاہ محمد حق نما ہیں جو '' خزانہ عبادت'' اور '' خزانہ معرفت'' کے مصنف ہیں اور دوسرے شاہ صدر الدین ہیں۔ سید شاہ محمد حق نما اپنی تصنیف '' خزانہ عبادت'' میں اپنے والد کو بارہویں صدی کا ممتاز ولی اور صوفی قرار دیا ہے۔ ایک اقتباس دیکھئے۔

ولیاں سوں ہے قایم زمانہ تمام
جگ جب تلک ہے ولی ہے مدام
صدی بارویں کے ولیاں میں سگل
ولی پیڈگے یوں شاہ میراں نول
کرامات ہے ان کی بی کئی سربسر
ہر ایک ٹھور مشہور نگرے نگر
میں کہتا ہوں بو جوای خاص و عام
حضوری میں تھا شیران کے مدام
تہجد وقت وظیفہ سنے

ادب ساتھ آ بیٹھ کر سامنے
ہمیشہ رہتے تھے او پہاڑوں میں جان
جنگل ہور بیابان جھاڑوں میں جان
کرامات بھی بہوت ہیں سربسر
ولیکن مجھے نیں ہے فرصت لگر
بیان اس کا میں نیں کیا ہوں تمام
مجھے ہے مسایل جو لکھنے کا کام (3)

سید شاہ حق نما ارکاٹ ہی میں اپنے والد کے ساتھ زندگی گزاری۔ آپ نے دو مثنویاں ''خزانہ معرفت'' اور ''خزانہ عبادت'' لکھی ہے۔ ان دونوں تصانیف کے مخطوطات کتب خانہ آصفیہ (سابقہ) میں محفوظ ہیں۔ البتہ شاہ میراں حسینی والی اللہ کے دوسرے فرزند شاہ صدر الدین نے میسور میں سکونت اختیار کی تھی۔ آپ بھی صاحب تصنیف گذرے ہیں۔ آپ کی حیات اور خدمات کے موضوع پر ڈاکٹر محمد ہاشم علی نے ڈاکٹریٹ کے لئے مقالہ لکھا ہے۔ آپ نے نثر میں سات رسالوں اور نظم کے سترہ مثنویوں کی نشاندہی کی ہے۔

غلام محی الدین معجز ارکاٹی:

معجز ارکاٹی محمد پور (ارکاٹ) میں 1759ء/1173ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ندیم اللہ ندیم تھے، جو ایک اچھے شاعر تھے۔ معجز کی ابتدائی تعلیم والد کی زیر نگرانی ہوئی۔ باقاعدہ تعلیم کا آغاز ارکاٹ میں ہوا اور مختلف اساتذہ سید عاصم خان مبارز جنگ، میر مبارک اللہ خاں راغب اور امیر الدین علی سے ایک کے بعد دیگرے درس لیا اور چار برس کی قلیل مدت میں فارسی میں اچھی مہارت حاصل کر لی۔ معجز نے ارکاٹ کے مشہور و معروف عالم مولانا باقر آگاہ کا دامن تھاما اور اپنے کلام پر مزید اصلاح لی۔ مشق سخن نے انھیں استاد کی زمینوں میں طبع آزمائی کا حوصلہ دیا۔ چنانچہ معجز نے ایک دن خاقانی کے ایک قصیدے کی اتباع میں نعتیہ قصیدہ لکھ کر اصلاح کے لئے آگاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ آگاہ نے قصیدے کو پڑھ کر یہ لکھ بھیجا کہ '' کلام بالکل مربوط اور درست ہے اور اس میں کسی اصلاح کی ضرورت نہیں ہے۔'' (4) باقر آگاہ کی اس سند اور ستائش کے باوجود معجز نے اپنی مشق سخن جاری رکھی۔ انہوں نے فارسی اور اردو میں طبع آزمائی کی اور بہت جلد ارکاٹ کے شعراء میں معروف مقام و مرتبہ حاصل کر لیا۔

اس سلسلے میں ڈاکٹر افضل الدین اقبال لکھتے ہیں۔

''مجؔز کو فارسی اور دکنی شاعری سے بڑی دلچسپی تھی۔ وہ شعر اسی وقت کہتے تھے جب کہ طبیعت شعر گوئی کی طرف مائل ہوتی۔ باقرؔ آگاہ سے تلمذ تھا۔ مولف تذکرہ شعرائے دکن کا بیان ہے کہ مجؔز سخن سنج تھے اور شاعری کے نکات کو خوب سمجھتے تھے۔ آگاہ کی وفات کے بعد تمام شعراء مجؔز کو ہی ان کا صحیح جانشین تصور کرنے لگے اور ان سے اپنے کلام کی اصلاح لینے لگے تھے۔'' (5)

1190ھ مطابق 1776ء میں مجؔز ارکاٹ آئے۔ اس وقت ان کی عمر سترہ سال تھی۔ نواب والا جاہ کے بھائی محمد محفوظ خاں محفوظ کے دربار سے وابستہ ہوئے۔ ان کے فن کلام سے متاثر ہو کر انہوں نے مجؔز کو اپنی عنایت و اکرام سے نوازا۔ مجؔز کی فارسی دانی کا شہرہ بڑھا تو نواب امیر الامرا بہادر (المتوفی 1203ھ) نے اپنے فرزند عبدالعلی خاں کا اتالیق مقرر کیا۔ کچھ عرصہ بعد نواب والا جاہ کی وفات کے بعد نواب عمدۃ الامرا تخت نشین ہوئے تو مجؔز کو یکسر نظر انداز کیا، جس کی وجہ سے انھیں زندگی گزارنا مشکل ہو گیا۔ چھ ساہ باوجود تنگ دستی کے انہوں نے کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا۔ اپنے حال میں مست تھے۔ مشق سخن جاری رکھی۔ حقیقتاً وہ ہمیشہ نعت گوئی، عبدالقادر جیلانی کی مدح ومنقبت اور بزرگوں کی تعریف کو وسیلہ نجات سمجھتے تھے۔ چنانچہ اپنے حالات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

جھکے ہے افسر شاہوں پہ کب میرا یہ سر
ازل سے وہ در محبوب کا بھکاری ہے

خار و خس تجھ رہ کا مجھ کو خلعت زرتا رہے
خلعت شاہی سے دل کو سخت ننگ و عار ہے

کجروی سے چرخ کے مجؔز نہ ڈرنا زینہار
تو غلام محی دین ہے سب بلا سے پار ہے

مجزؔ کی توجہ زیادہ تر فارسی شاعری پر تھی۔ ان کی تخلیقات میں فارسی نثر میں رقعات، ایک دیوان فارسی۔ چونکہ دکنی میں بھی وہ طبع آزمائی کرتے تھے چنانچہ ایک دکنی دیوان بھی یادگار چھوڑا ہے۔ یوسف کوکن عمری، مجزؔ کی دکنی شاعری کے متعلق لکھتے ہیں۔

''ہندی اشعار پر دکنیت غالب نظر آتی ہے، چونکہ مرزا علی بخت اظفری کی صحبت پائی تھی اس لئے ایسے اشعار کی بھی کمی نہیں ہے جو اس زمانے کی دلی کی بامحاورہ اُردو میں کہے گئے ہیں۔'' (6)

غزلوں کے چند اشعار ملاحظہ ہوں جو دہلی کی بامحاورہ اُردو سے خاصی مشابہت رکھتے ہیں۔

یاد اوس گلرو کا آ مجھ کو دلاتی ہے بہار
دل جلوں کو ہائے رے پھر کیوں رلاتی ہے بہار
بس رہا ہے دل میں اوس شیریں تبسم کا خیال
تس پہ ہنس ہنس کے مجھے پھر کیوں رلاتی ہے بہار
موجزن ہو رنگ سے میرے گل رعنا کے آہ
کشتی صبر و شکیبائی ڈوباتی ہے بہار
رنگ ہستی کو مٹا اوس رنگ میں ہو منصبغ
صبغۃ اللہ کی صدا ہر دم سناتی ہے بہار

حیراں ہے عقل کیا تیری وحدت کو پاسکے
اس آرسی میں کیوں تیرا جلوہ سما سکے
نازک ہے بوئے گل سے بھی سررشتہ عشق کا
بن میرے کون تیری محبت نبھا سکے
خونخوار تر ہے عشق کا دریا نہ موج سہل
غیر از نہنگ لا کوئی اس میں نہ جا سکے

کہ جوش کر گر مرے آنسو کی سیل تند
تقدیر کے رقم کو نہیں حک کسی طرح
لوح جبین سے کون یہ خط کو مٹاسکے
جو اپنے ہاتھ بیچ رکھا ہووے جامِ دل
کئی جم سے پادشاہ کو دم میں بناسکے
اے درد یار معجزؔ مشتاق کو نہ چھوڑ
اوس کا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سماسکے

فرصت عشق و طرب آہ چلی جاتی ہے
چھوڑ تنہا تو ہمیں عمر بھلی جاتی ہے
دور ہوتا ہے نسیم سحری رشک سے حل
جب مری آہ رسا تیری گلی جاتی ہے
ایک دم جلنے پہ مت لاف کرائے پروانہ
شمع کو دیکھ کہ تا صبح جلی جاتی ہے
کون ہو علما مکاں میں مقابل تیرے
گرم خوئی سے تیری برق گلی جاتی ہے
پائداری پہ جہاں کے نہ ہونا زاں معجزؔ
کہ بنا عمر کی ہر آن ڈھلی جاتی ہے(7)

معجزؔ نے غزل کے علاوہ ریختی بھی کہی ہے۔ یہ ریختی ادارۂ ادبیات اُردو کی بیاض ''دکھنی مخطوطات'' مخطوطہ نمبر ۵۶۳ میں محفوظ ہیں۔ اس بیاض میں معجزؔ کے کلام کے علاوہ عبداللہ قطب شاہ کی نظمیں بھی شامل ہیں۔ محی الدین قادری زور، معجزؔ کی ریختی گوئی پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''نہایت سنجیدہ اور عالم و فاضل بزرگ تھے۔ تعجب ہے کہ انھوں

نے ریختی میں بھی کلام لکھا تھا۔(8)

ڈاکٹر محی الدین قادری زور نے ''تذکرہ اردو مخطوطات ادارہ ادبیات اردو'' جلد اول میں مجنرؔ کی ایک مثنوی کے چند اشعار دیئے ہیں۔ کچھ متفرق اشعار کے علاوہ مجنرؔ کا ایک فارسی اور دکنی دیوان ملتا ہے جس کو مجنرؔ کی وفات کے بعد ان کے فرزند غلام عبدالقادر ناظر نے 1232ہجری مطابق 1816ء میں فارسی دیوان ''گلدستہ اشعار'' اور دکنی دیوان ''مجموعہ اشعار ہندی'' کے نام سے مرتب کیا۔ یہ دونوں دیوان کتب خانہ مدرسہ محمدی مدراس میں محفوظ ہیں۔ دکنی دیوان کی ابتدا میں ایک مختصر مقدمہ ہے جس میں عبدالقادر ناظر نے مجنرؔ کی با محاورہ ہندی زبان کے تعلق سے تبصرہ کرتے ہیں۔ اقتباس:

> ''باوجود بے مشقی و کرناٹک نژادی کے محاورۂ اردو اتنا صاف و درست ہے کہ چند ہندوالے صاحبوں نے اوس کو دیکھ کے محظوظ اور شکر کئے کہ اس ملک میں بھی ایسے صاف محاورے کے لوگ ہیں، جیسا مرزا علی بخت بہادر اظفری تخلص گورگانی دہلوی دام اللہ ایامہ نبسہ زادہ سلطان معز الدین پادشاہ دہلی کے کہ اس عصر میں غنیمت افراد سے ہیں۔ علی الخصوص مالک زبان اردو کے بہت شوق سے جناب مغفور کے اشعار کا مطالعہ کئے اور تر زبان وصاف ہوئے مگر دو چار جاگا فرمائے کہ یہ زبان ہماری نہیں۔ میں جواب دیا کہ خود حضرت مصنف فرمائے تھے کہ یہ زبان یہاں کی ہے ضرورتاً واسطے قافیہ کے لائے گئے۔''(9)

مولوی مصطفیٰ علی خاں خوشدل:

مصطفیٰ علی خان کا اصل نام غلام احمد مجتبیٰ تھا اور قلمی نام خوش دل اختیار کیا تھا۔ خوش دل قصبہ گوپامیو میں 1173ھ میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے قرآن شریف حفظ کیا۔ اس کے بعد عربی اور فارسی کی تعلیم مولوی رحیم الدین گوپامیو، مولوی غلام طیب بہاری اور مولوی حیدر علی سندیلوی سے حاصل کی۔ سید شاہ غلام پیر کے دست مبارک پر قادریہ سلسلے میں بیعت کی۔

خوش دل نواب والا جاہ کی سرکار میں ملازم ہوئے۔ 1785/1200ء میں والا جاہ نے آپ کو ''بہادر'' کے

خطاب سے نوازا۔ اس کے بعد خوش دل اپنے وطن گوپامیو واپس لوٹ گئے اور یہاں سرکاری اسکول میں درس و تدریس کے خدمات انجام دینے لگے۔ جب نواب والا جاہ کا انتقال ہوا تو 1796ء میں دوبارہ ارکاٹ آئے اور نتھرنگر (ترچنا پلی) میں قاضی کے عہدے پر فائز ہوئے۔ کچھ مدت بعد ''قاضی القضاۃ'' کے عہدے پر ترقی ہوئی۔ 1818/1234ء میں خوش دل نے وفات پائی اور ملیاں پیٹ میں سپرد خاک ہوئے۔ خوش دل کے فرزند افضل علماء قاضی علی خان نے تاریخ وفات لکھی۔

چوں زدار الضابدار بقا

رفت اقضیا لقضاۃ بحر علوم

فکر سال وفات او کردم

شدہ تاریخ خوشدل مرحوم (10)

۴۳۲۱

خوش دل کے ایک فارسی دیوان کا پتہ چلتا ہے جو مولوی عبدالرحمٰن صاحب کے ذاتی کتب خانے دیوان صاحب مدراس میں محفوظ ہے۔

مرزا علی بخت اظفری گورگانی:

نواب عمدۃ الامرا کے دور حکومت میں مرزا علی بخت اظفری گورگانی بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ میر تقی میرؔ کے خاص شاگردوں میں شامل تھے۔ نواب عمدۃ الامراء کے دور 1788ء میں اظفریؔ قلعہ معلی سے لکھنو پہنچے۔ یہاں سات سال کے قیام کے بعد 1797ء میں ارکاٹ آئے۔ اس موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے یوسف کوکن عمری لکھتے ہیں۔

> He became the student of Meer Taqi Meer in Urdu poetry, and learnt archery from Nawab Asifuddowlah, the ruler of Lucknow (1775-1797 A.D). He then decided (1190-1212 A.D) to come down to Madras and started alone from Lucknow.(11)

مرزا اظفریؔ 1758/1172ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ اصل نام محمد ظہیر الدین علی بخش تھا۔ ان کی پرورش اور ابتدائی تعلیم و تربیت شہزادوں کی طرح ہوئی۔ مغل حکمران شاہ عالم کے ہم جد اور ہم عصر تھے۔ افضل الدین اقبال

تذکرہ گلزارِ اعظم کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ اظفری شہنشاہ عالمگیر کی پوتی نواب عفت آرا بیگم کے نواسے تھے۔ اظفری بہت ذہین تھے۔علم وادب سے گہرا لگاؤ رہا۔ اظفری کی ذہانت اور علمیت نے مختلف زبانوں عربی، فارسی، اردو، ترکی اور انگریزی سیکھنے کی طرف مائل کیا۔ ان زبانوں کے علاوہ کئی علوم وفنون میں بھی غیر معمولی مہارت حاصل کر لی تھی۔ اظفری جب ارکاٹ آئے تو یہاں بھی درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا اور ارکاٹ کے بڑے شعراء نادرؔ، فاروقؔ اور مجرؔ نے استفادہ حاصل کیا۔

اظفری فارسی، اردو اور ترکی کے صاحب دیوان شاعر تھے۔ اردو میں دو دیوان مرتب کئے لیکن زمانے کی ناقدری سے ایک قدیم دیوان نایاب ہے۔ جدید دیوان محفوظ ہے جس میں ایک سو بارہ غزلیات درج ہیں۔ یہ دیوان 1939ء میں مدراس یونی ورسٹی سے شائع ہو چکا ہے۔ (12) دراصل یہ دوسرا دیوان دوست احباب کے اصرار پر مرتب کیا تھا۔ ''واقعات اظفری'' اظفری کی اہم تصنیف ہے۔ اس کا اردو ترجمہ 1937ء میں مدراس سے شائع ہوا ہے۔ چنانچہ ''واقعات اظفری'' میں لکھتے ہیں۔

''اس دیار کے بعض چھوٹے بڑے احباب اور عزیزوں نے جو اردو زبان کو محبوب رکھتے ہیں مگر اس کی بول چال میں غلطیاں کرتے ہیں مجھ سے بہت اصرار کیا کہ ایک ایسا دیوان مرتب کیا جائے جس میں اس زبان کے استعارے کنایے اصطلاحیں اور یگانگی الفاظ کا کافی ذخیرہ ہو۔ اس لئے میں نے اس دیوان کی ترتیب شروع کر دی۔'' (13)

اس کتاب میں اظفری نے دہلی کے حکمرانوں کے چند اہم واقعات اور اپنی سیر وسیاحت کے حالات قلم بند کئے ہیں۔ یہ کتاب ایک طرح سے ان کی سوانح بھی ہے اور سفر نامہ بھی۔ اس کی تالیف 1796/1211ء تک جاری رہی (14)۔ اس کے مطالعہ سے مغلیہ سلطنت کے زوال کے اسباب وعلل کا پتہ چلتا ہے اور قلعہ معلی کے حالات کا نقشہ اُبھر کر سامنے آتا ہے۔ اس کتاب کی ایک اور اہم خصوصیت ریاست کرناٹک کے سماجی وتہذیبی حالات ہیں۔ اظفری کی دوسری تصانیف میں ''محبوب القلوب، نصاب ترکی، ترکی چغتائی، تنکری تاری، نسخہ سانحات، عروض زادہ اور فوائد الاطفال'' وغیرہ شامل ہیں۔

اظفری نے ارکاٹ میں تقریباً 22 برس گذارے لیکن اس کے باوجود خود کو کبھی اہل ارکاٹ نہیں مانا بلکہ خود کو ''اردو زبان کا وارث'' سمجھتے تھے، اور اپنا تعلق دہلی سے بتاتے ہیں۔ شعر ملاحظہ ہو

یارو! ہے اظفر اردو کی زبان کا وارث
اہل دہلی ہے وہ باشندہ مدراس نہیں
سنو شعر اظفریؔ اردو کا اہل مدراس
تم اردو بیچ اسے بولو نہ بولو
یہ شعر و شاعری جو سنی اظفر کی تم
شاعر ہے یہاں بھلا کوئی اس آن بان کا (15)

اظفریؔ اپنے استاد میر تقی میر کو نواب عمدۃ الامرا کی وساطت سے ارکاٹ بلانا چاہتے تھے لیکن نواب کی بے وقت موت نے ان کے ارادوں پر پانی پھیر دیا۔ اظفریؔ نے قیام ارکاٹ کے دوران اہم کارنامے انجام دیئے۔ خصوصاً ان کی زبان دہلی کا اثر مدراس میں عام ہونے لگا۔ یہاں کے درباری شعراء آگاہ، نامیؔ، معجزؔ کی دکنی شعر گوئی پر بھی قلعہ معلی کی زبان کا اثر واضح نظر آتا ہے۔

محمد اسلم خاں شایاںؔ:

شایاںؔ ارکاٹ میں پیدا ہوئے۔ تاریخ ولادت کا پتہ نہیں چلتا ہے لیکن ان کا انتقال 1234 ہجری میں ہوا۔ والد کا نام قاضی احمد ناظمی تھا۔ انہوں نے شایاں کے بچپن ہی میں ارکاٹ سے مدراس ہجرت کی اور یہیں شایاں کی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس وقت کی مشہور شخصیات مولانا باقر آگاہؔ اور سید شاہ عبدالقادر مہربان فخریؔ سے شایاںؔ فیض یاب ہوئے۔ بہت جلد عربی اور فارسی میں اچھی مہارت حاصل کر لی۔ شایاںؔ والا جاہ کے دربار سے وابستہ ہوئے۔ یہاں انہیں قابلیت کی بناء پر مختلف خدمات جیسے داروغہ باغات، امین دارالضرب وحکومت، تحصیلداری جاگیرات، نیاز حرمین شریفین وغیرہ عہدوں پر مامور کیا گیا۔ شایاں نے ان مختلف عہدوں پر فائز ہوتے ہوئے بھی اپنے ادبی مشغلہ کو قائم رکھا اور مختلف موضوعات پر اظہار خیال فرمایا۔ شایاں کی تصانیف میں مسائل تعلیم، شرح منہاج القوم وقایع حیدری، عبدالمصادر گلدستہ مناقب، مثنوی ظفر نامہ، گداز دل وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

سید شاہ قدر عالم:

سید شاہ قدر عالم کے والد سید شاہ بدر عالم (1206-1119) تھے۔ اپنے آباواجداد کے ساتھ ارکاٹ سے

ترچناپلی میں قیام کیا۔ دکن کے اس خوشگوار ماحول میں سید شاہ قدر عالم کی پیدائش ہوئی۔ بنیادی تعلیم کا درس قادریہ سلسلہ کے چشم و چراغ سید یداللہ شطاری سے حاصل کیا۔ تاریخ پیدائش کا علم نہیں ہے۔ یوسف کوکن عمری اپنی تصنیف میں سید شاہ قدر عالم سے متعلق لکھتے ہیں۔

Syed Shah Qadr-e-Alam was great Scholar and magestic; and he was initiated into the Qadriya order by Syed Yadullah Shuttari, the author of Siraj-us-Salikeen (pp516x15); died on 2nd Rabiussani 1233 A.H. Qadr-e-Alam completed several works in Persian and Urdu.(16)

قدر عالم کی اُردو اور فارسی تصانیف اس طرح ہیں۔

1۔ شجرہ طیبہ قادریہ
2۔ عقاید العرفان فی شرح صفتہ الایمان
3۔ حقائق الجواہرین
4۔ جواہر المانی ارشاد بہادر خانی (اُردو)
5۔ امواج البحرانی (یہ کتاب اُردو اور فارسی زبان میں لکھی گئی ہے)
6۔ شجرہ شطاریہ
7۔ ارشاد المعانی درتنازولات رحمانی (اُردو)

راجہ مکھن لال بہادر خرد:

راجہ مکھن لال 1177ھ میں وینکٹ گری میں پیدا ہوئے۔ مکھن لال کے والد منشی رائے دولت رام تھے۔ مکھن لال اپنے والد کے ہمراہ بچپن ہی میں اپنے آبائی وطن سے حیدرآباد چلے آئے اور یہاں فارسی کی ابتدائی تعلیم کے ساتھ ساتھ دوسرے علوم و فن بھی سیکھنے لگے۔ خصوصاً فن تاریخ گوئی میں کامل دست گاہ حاصل کرلی تھی۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد مکھن لال ارکاٹ پہنچے اور نواب امیر الامرا بہادر کے دربار سے منسلک ہوئے۔ منشی کی حیثیت سے اپنی خدمات انجام دیں۔ یہاں مکھن لال کو ملک العلماء عبدالعلی بحر العلوم اور مولوی محمد غوث شرف الملک بہادر سے فیض پاکر اپنے فن کو ابھارنے اور نکھانے کا سنہرا موقع نصیب ہوا۔ مکھن لال نے نواب والا جاہ کی

خواہش پر مسجد والا جاہ کی سنگ بنیاد کی قطعہ تاریخ لکھی جو آج بھی مسجد کے محراب کی پیشانی پر کندہ ہے۔ (17)
نواب عظیم الدولہ کے تخت نشین ہونے کے بعد مکھن لال کو ''راجہ'' اور ''بہادر'' کا خطاب عطا ہوا۔ مکھن لال اپنی آخر عمر تک نوابین ارکاٹ کے دربار سے منسلک رہے اور 24 شوال 1825/1241ء میں انتقال کر گئے۔

حکیم غلام علی موسیٰ رضا خاں رائق:

رائق بمقام محمد پور، ارکاٹ میں 1180ھ میں پیدا ہوئے۔ جب ارکاٹ پر حیدر علی خاں کا حملہ ہوا تو غلام علی موسیٰ رضا خاں رائق کے پڑدادا حکیم رکن الدین اور دادا حکیم باقر حسین خاں نے کچھ مدت کے لئے نیلور میں سکونت اختیار کی۔ یہاں رائق نے فارسی اور عربی کی بنیادی تعلیم سید امیر الدین علی (1208 A.D) سے حاصل کی۔ اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے رائق ارکاٹ پہنچے اور بغرض اصلاح کے لئے مولوی باقر آگاہ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ نواب عمدۃ الامراء کے دربار میں بحیثیت منشی خدمات انجام دیتے رہے۔ رائق فن طب سے بھی واقف تھے۔ یہ فن انھیں ورثہ میں ملا تھا۔ اسی فن میں انہیں شہرت دوام عطا ہوئی۔ چنانچہ عظیم الدولہ کے عہد میں رائق نے مستقل طور پر طب کو ذریعہ معاش بنایا۔ اس طرح قرب و جوار کے علاقوں میں مشہور ہو گئے۔ عظیم الدولہ، رائق کے فن سے بے حد متاثر ہوئے اور انھیں ''حکیم باقر حسین خان'' کا خطاب دیا جو کہ رائق کے دادا کا نام تھا۔

رائق نہ صرف ایک اچھے طبیب تھے بلکہ ایک اچھے شاعر، اور انشا پرداز بھی تھے۔ ان کے کلام میں ایک دیوان ''دیوان رائق'' اور ایک تذکرہ '' گلدستہ کرناٹک'' شامل ہے۔ تذکرہ '' گلدستہ کرناٹک'' کے بارے میں یوسف کوکن لکھتے ہیں۔

> "Guldasta-e-Carnatic (pp.162x17) is a brief summary of the lives of poets who lived in Carnatic. He began collecting the necessary material in 1210 H, but stopped the work for about twenty give years and then undertook it at the request of Nawab Azamjah. An original copy is found in Kutub Khana-e-Mufeed Aam Ahl-i-Islam Walajah Road Madras."(18)

'' گلدستہ کرناٹک'' کرناٹک کے شعراء کا تذکرہ ہے۔ یہ تذکرہ ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے جس میں شعراء کے حالات کے ساتھ ساتھ یہاں کے ادبی و سیاسی ماحول کی عکاسی نظر آتی ہے۔ رائق نے 1210ھ سے اس عظیم کارنامہ کے لئے مواد اکھٹا کرنا شروع کیا لیکن کچھ ناسازگار حالات کی وجہ سے تقریباً 25 برس تک یہ

کام ملتوی رہا۔ دوبارہ نواب اعظم جاہ کی فرمائش پر کام شروع کیا۔ یوسف کوکن کی اطلاع کے بموجب اس تذکرہ کا قلمی نسخہ کتب خانہ مفید عام اہل اسلام مدراس میں محفوظ ہے۔

یوسف کوکن نے اپنی کتاب میں اس تذکرہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے رائق کے فارسی کلام کا نمونہ بھی درج کیا ہے۔ اشعار ملاحظہ ہو۔

شکر خدا کہ از مدد بخت روزگار
آمد دوبارہ شاہد ص مقصود درکنار
آن صورتی کہ جلوہ نما بود در خیال
باشکل خوب آمدہ در رنگ اعتبار
یعنی بعصر خویش کہ نواب کام بخش
بودہ چوجہ اعظم خود بسکہ نامدار
توفیق یافت تاکہ بسا زد بشوق دل
از بہر کعبہ سلم خوش طرح خوش نگار
تیار کردہ سلم و ارسال کعبہ ساخت
باہمہی کارشاسان روزگار

سید محمد خیر الدین فائق:

سید محمد خیر الدین فائق 1188ھ میں بمقام مدراس پیدا ہوئے۔ ان کے والد سید معصوم خاں امامی تھے۔ ابتداء میں فائق نے حافظ حسین سے عربی سیکھی۔ بعد میں مولانا باقر آگاہ سے تعلیم حاصل کی۔ فائق کا آگاہ کے خاص شاگردوں میں ہوتا ہے۔ فائق کو اپنے استاد سے بے حد انسیت تھی اور ان کا عقیدت واحترام کرتے ہیں۔ مثلاً فائق کا ایک فارسی شعر ملاحظہ ہو۔

بہ پیش حضرت آگاہ در سخن فائق
بہ چشم خویش گذارد اضطرار انگشت (19)

فائق نے آگاہ کے فیض وتربیت سے صنایع وبدایع علم عروض ونکات میں مہارت حاصل کرلی۔ 1232ھ

میں فائق ترک وطن کر کے حیدر آباد چلے آئے اور یہاں راجہ چندولال کے دربار سے منسلک رہے اور ہر ماہ پانچ سو روپیہ کا وظیفہ پاتے رہے۔

فائق کے کلام میں ایک فارسی دیوان اور ایک خطوط کا مجموعہ ''انشائے فائق'' کا پتہ چلتا ہے لیکن گردش ایام نے ان کے کلام کو نایاب کر دیا۔

مولوی تراب علی نامیؔ:

تراب علی نامیؔ 1779/1193ء میں خیر آباد میں پیدا ہوئے۔ تراب علی نے بنیادی تعلیم کا آغاز اپنے وطن عزیز ہی میں کیا۔ ثانوی تعلیم مکمل کرنے کے بعد روزگار کی تلاش میں کلکتہ پہنچے اور انگریزی سرکار میں ملازم ہوئے۔ چنانچہ افضل الدین اقبال تذکرہ ''گلزار اعظم'' کے حوالے سے لکھتے ہیں۔ اقتباس

> ''تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد تراب علی نامیؔ نے شاعری کی طرف توجہ کی اور مرزا حسین قتیل متوفی 1824/1240ء سے تلمذ اختیار کیا۔ آخر تلاش معاش میں کلکتہ گئے اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت اختیار کی۔ چند سال وہیں مقیم رہے۔'' (20)

1813ء میں تراب علی فورٹ سینٹ جارج کالج مدراس اور شعبہ عربی، فارسی اور ہندوستانی (اُردو) کے صدر شعبہ کی حیثیت سے متمکن رہے۔ اس کالج میں مستشرقین کو عربی، فارسی اور ہندوستانی (اُردو) کی تعلیم دیتے رہے۔ اور ساتھ ہی تصنیف و تالیف کا کام بھی کرتے رہے۔ عربی و فارسی میں مختلف موضوعات پر کتابیں لکھیں، جیسے منطق میں ''دارالمنظوم'' نحو میں ''وسیط النحو'' رسالہ حکایت چند، ایران و عرب اور عراق کا سفرنامہ۔ اس کے علاوہ منطق کی کئی کتابوں پر حواشی بھی لکھے۔

شاہ حسین حقیقت نے 1801ء میں ''خریزنۃ الامثال'' کتاب لکھی۔ اس میں عربی امثال کا اردو ترجمہ کیا گیا۔ افضل الدین اقبال لکھتے ہیں کہ یہ ترجمہ تراب علی نامیؔ نے ہی کیا اور یہ کتاب 1854ء میں مطبع مصطفائی لکھنو سے شائع ہوئی (21) لیکن اس کی کوئی دلیل نہیں پیش کی۔

تراب علی کو شاعری سے خاص دلچسپی رہی۔ شاعری میں عمدہ مضامین باندھتے تھے۔ تذکرہ شعرائے دکن کے مولف عبدالجبار ملکاپوری لکھتے ہیں کہ

''ناؔمی شاعری سے خاص دلچسپی رکھتے تھے، جو کچھ موزوں کرتے

تھے خوب ومرغوب ہوتا تھا۔'' (22)

لیکن افسوس کہ تراب علی کا کوئی کلام شائع نہیں ہوا اور نہ ہی ان کا کلام محفوظ ہے۔ کامل یقین نہیں لیکن مختلف محققین کا خیال ہے کہ ان کا کلام غیر ممالک کی کسی لائبریری میں محفوظ ہو۔ تذکرہ'' تاریخ شعراء اردو'' میں ناؔمی کے دو اشعار ملتے ہیں۔

آتشِ عشق سے نامی کا جگر جلتا ہے
آپ ہنس ہنس کے یہ کہتے ہیں کوئی آ دیکھے
واہ کیا خوب مثل ٹھیک بندھی ہے اس دم
گھر کسی کا جلے اور کوئی تماشا دیکھے (23)

مولوی شرف الدین محمد ناصؔر

شرف الدین محمد ناصر ارکاٹ میں پیدا ہوئے۔ سنہ پیدائش 1198ھ ہے۔ اصل نام صفی الدین محمد ناصر تھا۔ بطور تخلص ناصؔر استعمال کرتے تھے۔ ان کے والد قادر علی خاں بہادر تھے، جو ریاست تلنگانہ کے ضلع کھمم کے تعلقہ دار تھے۔ ناصؔر ارکاٹ کی ممتاز شخصیت مولانا باقر آ گاہ کے چچازاد بھائی تھے۔ ان ہی کے پاس ناصؔر نے اپنی ابتدائی تعلیم مکمل کی۔ ناصر کم عمری ہی سے شعر گوئی کی طرف مائل رہے۔ کلام کی اصلاح آ گاہ اور اس کے بعد مجؔبر سے لیتے رہے لیکن مجؔبر کی زندگی نے بھی وفا نہ کی۔ ان کے انتقال کے بعد ناصؔر نے سید خیر الدین فائق سے اصلاح سخن لی۔

ناصؔر 14 برس کے تھے کہ ان کی شادی 27 رجب المرجب 1312ھ کو محمد شرف الملک بہادر کی دوسری صاحبزادی رقیہ بیگم سے ہوئی۔(24) انھیں یہ رشتہ ناپسند تھا جس کی وجہ سے انھوں نے والد کے ساتھ حیدرآباد میں قیام کیا۔ یہاں مولوی قطب الدین دہلوی سے فن طب سیکھنے لگے۔ جلد ہی مہارت حاصل کر لی اور مطب بھی شروع کر دی۔ یہاں کے امیروں اور افسروں سے ناصؔر کے گہرے دوستانہ تعلقات ہوئے۔ 1239ھ میں حیدرآباد میں موجود والا جاہی سرکار کی جائیداد کا انتظام ناصؔر کے سپرد تھا، جس کی وجہ سے مستقل طور پر حیدرآباد ہی میں رہنے لگے۔ اور یہاں 1243ھ میں انتقال کیا۔ یوسف کوکن نے خانوادۂ قاضی بدرالدولہ میں ناصؔر کے

حالات زندگی پر تفصیل سے لکھا ہے۔ جب ناصر شادی کے بعد حیدر آباد میں رہنے لگے تو ان کی نجی زندگی میں دشواریاں بڑھ گئیں، جس سے ان کے سسر محمد شرف الملک بہادر سے اختلافات رہے۔ یوسف کوکن نے اس نجی چشمک پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

نواب اعظم جاہ سے بھی ناصر کے اچھے تعلقات رہے۔ نواب اعظم جاہ نے ناگور شریف کے سفر کے لئے شاہی پالکی کی تیاری کے لئے ناصر کی ضمانت پر ایک ساہوکار سے چھ سوستر ہون قرض لیا۔ جب نواب اعظم جاہ 21 جمادی الاول 1238ھ مطابق 3 فروری 1823ء کو ناگور کے لئے روانہ ہوئے تو اس سفر میں پورے قافلہ کا انتظام ناصر کے سپرد تھا۔ نواب صاحب 18 رمضان 1238ھ مطابق 29 مئی 1822ء کو مدراس واپس آئے۔ واپسی کے بعد ناصر نے نواب کو خط لکھ کر توجہ دلائی کہ ساہوکار کا قرض ادا نہیں کیا، ضمانت لے کر واپس کیا جائے، چنانچہ نواب اعظم نے یہ قرض ادا کر دیا۔

ناصر فارسی کے بہت اچھے شاعر تھے۔ اردو میں بھی طبع آزمائی کی لیکن ان کا کوئی کلام یادگار نہیں ہے۔ مولف خانوادۂ قاضی بدرالدولہ نے ناصر کے فارسی کلام کا نمونہ پیش کیا ہے۔

غلام عبدالقادر ناظرؔ:

ناظرؔ کا تعلق جنوبی ہند کی زرخیز زمین ارکاٹ سے تھا۔ ان کی پیدائش 17 جمادی الاولی 1200ھ کو ہوئی۔ اصل نام غلام عبدالقادر اور تخلص ناظر تھا۔ اس وقت کی تعلیمی روایت کے مطابق ناظر کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ بعد ازاں باقر آگاہ اور شرف الملک سے عربی اور فارسی سیکھی۔ ناظر بچپن ہی سے شاعری کا ذوق وشوق رکھتے تھے۔ آگاہ سے شاعری کی اصلاح لی۔ آگاہ کی وفات کے بعد اپنے والد غلام عبدالقادر مجبرؔ سے اصلاح لینے لگے۔

نواب عظیم الدولہ، مجبرؔ اور ان کی اولاد سے بے حد محبت کرتے تھے۔ ناظر کو بچپن ہی سے شاہی مراعات حاصل تھی۔ 1216ھ میں نواب عظیم الدولہ تخت پر متمکن ہوئے تو ناظر کو ماہوار معاوضہ تیس روپیہ پر منشی کے عہدے پر فائز کیا۔ اس کے علاوہ سرکاری کتب خانہ کا داروغہ اور میر سامان مقرر کیا۔ ناظر کی خدمت گذاری پر انہیں 17 ذی قعدہ 1219 ہجری میں ''قادر عظیم خاں بہادر'' اور منصب دو ہزاری مع پالکی و دوشالہ عنایت کیا اور ماہوار تنخواہ میں بھی اضافہ کیا۔

ناظر کے نواب اعظم جاہ سے بڑے گہرے مراسم تھے۔ ناظر، اعظم جاہ کے درباری شاعر بھی تھے۔ نواب

موصوف کے سفرِ ناگور میں ناظرؔ بھی ہمراہ تھے۔ ناظرؔ نے 1238ھ میں اس سفرنامہ کی روداد فارسی زبان میں لکھی اور اس کا نام ''بہارِ اعظم جاہی'' رکھا۔ یہ تاریخی نام ہے، جس سے سن تصنیف کا بھی علم ہوتا ہے۔ یوسف کوکن نے انگریزی میں اس سفرنامے کا ترجمہ کیا اور 1961ء میں شائع کیا۔

ناظرؔ کی دیگر تصانیف کی تفصیل اس طرح ہے۔

1۔ گلستانِ نسب: اس کتاب میں ناظرؔ نے اپنے خاندان کے حالات فارسی زبان میں لکھا ہے۔

2۔ روضہ دلکشا شرح یوسف زلیخا: یہ مولانا عبدالرحمٰن جامی کی مشہور مثنوی 'یوسف زلیخا' کی فارسی شرح ہے جو 1226 ہجری میں لکھی گئی۔

3۔ بہارِ اعظم جاہی: 1238 ہجری میں اعظم جاہ کے ساتھ ناگور کے سفر کے حالات کا تذکرہ ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ گورنمنٹ اورینٹل مینوسکرپٹس لائبریری مدراس میں محفوظ ہے۔

4۔ خلدستان شرح بوستان: یہ بوستانِ سعدی کی فارسی شرح ہے۔

5۔ شرح سکندرنامہ: یہ نظامی گنجوی کی کتاب سکندرنامہ کی شرح ہے۔

6۔ روضۃ النساء: فقہی مسائل کا ایک مختصر رسالہ ہے۔ (25)

اس کے علاوہ ناظرؔ نے اپنے والد کے دو دیوان'' گلدستہ اشعارِ معجزؔ'' اور دیوان'' مجموعہ اشعار ہندی'' کو مع مقدمہ مرتب کیا ہے۔ 4 شوال 1243ھ کو ناظرؔ کا انتقال ہوا اور میلا پور مدراس کے قبرستان میں سپرد خاک ہوئے۔

سید ابو سعید والاؔ:

سید ابو سعید والاؔ کی پیدائش رحمت آباد میں 1190ھ میں ہوئی۔ والاؔ نے عربی اور فارسی کی ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی، اس کے بعد ارکاٹ میں مولانا باقر آگاہؔ سے مشقِ سخن جاری رکھا۔ استاد کی فرمائش پر ہی اپنا تخلص ''والاؔ'' رکھا۔ آگاہؔ کے انتقال کے بعد والاؔ اپنے وطن رحمت آباد لوٹ آئے'' اُلٹے پھر آئے درِ کعبہ گر وا نہ ہوا''۔

مولوی شاہ رفیع قندھاریؒ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ چند سال کے قیام کے بعد 1836/1252ء میں دوبارہ ارکاٹ آئے۔ اس وقت نواب اعظم جاہ کی حکومت تھی۔ نواب نے والاؔ کو اپنے لڑکے غوث خاں اعظم کا استاد مقرر کیا۔ اور ان کی قابلیت کی بناء'' مشاعرہ اعظم'' کے میر مجلس بنائے گئے۔

والاؔ ایک پرگو اور قادر الکلام شاعر تھے۔ ان کا کلام ایک دیوان، قصائد وغزلیات، فارسی کتاب 'بحرِ عجم'، آئینہ

رحمت پر مشتمل ہے۔ نثر میں ایک رسالہ'' خواجہ رحمت اللہ نائب رسول کے حالات زندگی پر لکھا ہے۔
والاؔ کا انتقال 1264ہجری میں ہوا اور مسجد معمور متیال پیٹ میں سپرد خاک ہوئے۔

غلام محی الدین قادری شائق:

شائق نے ادبی دنیا میں شائق علی خاں شائق کے نام سے شہرت پائی۔ شائق، میراں محی الدین واقف بیجاپوری کے بڑے بھائی تھے جو مثنوی'' چندر بدن ومہیار'' (بستان عشق) کے خالق ہیں۔ ان کے والد کا نام شاہ احمد ابوتراب تھا۔ یہ بھی اچھے شاعر تھے اور عارف تخلص کرتے تھے۔ (ان کا مختصر ذکر باب اول میں بھی درج ہے۔)
شائق نے ابتداء میں اپنا کلام مولوی باقر آ گاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس کے بعد سید خیر الدین خاں فائق سے شرف تلمذ رہا۔ اس کے بارے میں یوسف کوکن لکھتے ہیں۔

> He submitted his poems in Persian for correction first to Moulana Baqir Agah and then to Syed Khairuddin Khan Faiq Imani (d.1242 A.H). Sometimes he consulted Abu Tayyab Wala alslo. For Urdu poem he consulted Mirza Ali Bakht Azfari and Mir Shah Husain Haqeeqat.(26)

شائق نے نواب اعظم جاہ کے یہاں ملازمت اختیار کی اور کچھ عرصہ تک سرکاری مدرس مقرر ہوئے۔ اعظم جاہ نے انہیں'' خاں بہادر'' کا خطاب عطا کیا۔ شائق کو نظم سے زیادہ نثر سے دلچسپی تھی۔ چنانچہ فارسی اور اردو تصانیف میں'' روضہ قدسیہ در احوال بزرگان'' (1236)، معراج البحرین (فارسی) اور اردو کلام پر مشتمل ایک دیوان'' دیوان شائق''، مثنوی'' رشک بہشت'' اور'' نگارستان'' اس کے علاوہ اردو میں ایک رسالہ'' چہل حدیث'' کا ترجمہ اور'' گلدستہ اعظم'' وغیرہ ہے۔
شائق کا انتقال کم عمری میں 1228ھ میں ہوا۔ ان کے بڑے بھائی واقف بیجاپور نے شائق کی وفات پر تاریخ قطعہ لکھی ہے۔

بیدل عصر حضرت شائق
قدس اللہ سرہ السامی
کام دل جست چوں بقرب الہ

کہ جہاں است جائے ناکامی
ہاتھم سال رحلش فرمود
رضتہ بجنات ہمدم جامی (27)
1249

محمد غوث شرف الملک:

شرف الملک 17 رمضان 1166ھ/ 1753ء کو ارکاٹ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام ناصر الدین محمد تھا۔ محمد غوث کے اجداد تبلیغ اسلام اور بحری تجارت کے لئے جنوبی ہند آئے تھے اور نسل در نسل تغلق، بہمنی، عادل شاہی، مغلیہ اور نوابین ارکاٹ کے دربار تک ملک اور قوم کے لئے اپنی خدمات انجام دیں۔ تاریخ اور تذکروں کی مختلف کتابوں میں محمد غوث کے اجداد کے کارناموں کا ذکر ملتا ہے۔

محمد غوث نے مولوی امین الدین احمد سے فقہ اور علم کلام مولوی ولی اللہ بہاری سے تصوف اور سلوک کا درس لیا۔ مولانا بحر العلوم فرنگی محلی سے منطق اور فلسفہ کی کتابیں پڑھیں۔ علم حاصل کرنے کا بے حد لگن تھا۔ اس سلسلے میں افضل الدین اقبال نے ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے۔ اقتباس دیکھئے:

> ''بیان کیا جاتا ہے جب مولوی محمد غوث شرف الملک حصول تعلیم کے لئے مولوی امین الدین احمد کے پاس رامناڈ پہنچے تو مولانا نے کہا کہ مجھے فرصت صرف اس وقت ہوتی ہے جب کہ گھر سے کچہری جاتا ہوں۔ اگر چاہو تو اس وقت درس لے لیا کرو۔ دوسرے روز جب مولانا امین الدین احمد دفتر روانہ ہوئے تو مولوی محمد غوث شرف الملک کتاب کھول کر میانہ کے ساتھ دوڑنے لگے۔ اب استاد نے کہا کہ مجھے امتحان شوق مقصود تھا، پھر بڑی توجہ کی۔'' (28)

شرف الملک نے تعلیم حاصل کرنے کے لئے زماں ومکاں کی فکر کئے بغیر اپنی راہ نکالی۔ ان کی اس دلچسپی کی بناء پر مولانا امین الدین احمد خوش ہوئے اور پوری توجہ کے ساتھ پڑھانے لگے۔ محمد غوث کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ چنانچہ نوابین ارکاٹ اور ان کے درمیان کئی قصے مشہور ہیں جس سے پڑھ کر حیرت بھی ہوتی ہے۔ جس کا تفصیلی ذکر

''خانوادہ قاضی بدرالدولہ'' حصہ دوم میں درج ہے۔انہیں موقع کی نزاکت کا اندازہ لگانے اور اپنے مقصد کو پانے کا ہنر بھی خوب آتا تھا۔

ایک دفعہ نواب عظیم الدولہ اور انگریزوں کے درمیان مباحثہ چھڑ گیا۔ نواب موصوف اس مباحثہ میں کامیاب ہونا چاہتے تھے۔جس کے حصول میں شرف الملک سے وعدہ کیا کہ اگر انگریزی کے اس مباحثہ میں کامیاب ہو جائیں تو ایک لاکھ روپیہ انعام دیا جائے گا۔ بہرحال اس مباحثہ میں نواب کی کامیابی ہوئی۔ جب ایفائے وعدہ کا وقت آیا تو شرف الملک نے موقع کو غنیمت جان کر ایک لاکھ انعام کے عوض میں'' قاموس'' کا نسخہ طلب کیا۔اقتباس دیکھئے:

> '' ہمیں ایک لاکھ روپیہ دینے کی ضرورت نہیں۔ قاموس' کا وہ نسخہ دے دیجئے جو سرکاری کتب خانے میں موجود ہے۔نواب عظیم الدولہ نے وہ نسخہ دے دیا۔''(29)

شرف الملک کے اوصاف سے متعلق نادر اپنے سفرنامہ'' مثنوی نادر'' میں لکھتے ہیں۔دو اشعار ملاحظہ ہو۔

ہے شرف الملک اور بھی اک امیر
میرے شبہ کا وہ میرسامان ہے
وہ ہے علم اور فضل میں بے نظیر
دیانت بدل اس پہ قربان ہے (30)

محمد شرف الملک 1216ھ مطابق 1801ء میں عظیم الدولہ کی تخت نشینی کے بعد میر دیوان بنائے گئے اور 1805ء میں'' شرف الملک شرف الدولہ غالب جنگ'' کے معزز خطاب سے نوازے گئے۔اس خطاب سے متعلق ڈاکٹر قطب النساء ہاشمی لکھتی ہیں۔

> '' مولوی محمد غوث گو یا عوام اور نواب عظیم الدولہ کے درمیان واسطہ بنے ہوئے تھے ...... اس لئے نواب عظیم الدولہ نے 17/ ذی قعدہ 1219ھ/1804ء کو اپنے ایک فرمان کے ذریعہ انہیں شرف الملک شرف الدولہ غالب جنگ کا خطاب دیا۔''(31)

شرف الملک اپنے وقت کے ممتاز اور جید عالم تھا۔ان کی تصانیف کی تعداد تقریباً بتیس (32) ہے۔جن

میں سے ایک اردو اور باقی عربی و فارسی کی ہیں۔ یہ کتابیں مختلف موضوعات جیسے تفسیر، حدیث، فقہ، فلسفہ، اور ادب پر مشتمل ہے۔ عربی اور فارسی کتابوں کی تفصیل اس طرح ہے۔

1۔ نثر المرجان فی رسم نظم القرآن: یہ سات جلدوں میں حیدرآباد سے شائع ہوئی، اس عربی تصنیف کو مولانا بحرالعلوم کی خواہش پر لکھا گیا۔

2۔ الفوائد الصغیہ شرح الفرائض الرحمیہ: یہ تصنیف شرف الملک نے اپنے دولڑکوں عبدالوہاب اور صبغتہ اللہ کی تربیت کے لیےلکھی، جو علم فرائض کی نظم الرحمہ کی شرح ہے۔

3۔ انجم الوقادفی شرح قصیدہ بانت سعاد

4۔ اشحات الاعجاز فی تحقیق الحقیقت والمجاز

5۔ محمد غوث کی اہم تالیف ''ترجمہ کیدانی'' ہے جو فقہ حنفی کی کتاب کا اردو ترجمہ ہے۔

نصیر الدین ہاشمی نے کتاب'' یورپ میں اردو مخطوطات'' میں ترجمہ کیدانی' کے دونسخوں کا ذکر کیا ہے، جس میں ایک نسخہ انڈیا آفس کے کتب خانہ میں اور دوسراان کے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے۔ انڈیا آفس کے نسخہ کی بیرونی حالت کے بارے میں لکھتے ہیں۔

'' دہلی کلکشن نمبر 1153، ورق 9، سائز 5x7، سطر 9، خط نستعلیق،
تاریخ کتابت کم ربیع الثانی 1244 ہجری، سنہ تصنیف نامعلوم۔ اس کے
مصنف مولوی محمد غوث شرف الملک مدارالمہام ارکاٹ ہیں۔''(32)

نصیر الدین ہاشمی نے'' ترجمہ کیدانی'' سے عبارت کا نمونہ بھی درج کیا ہے جو اس طرح ہے۔

'' جان تو بی شک بندہ جانچا گیا ہی درمیان اس کے کہ فرمان برداری
کرکے وہ اللہ برتر کین پس ثواب پاوے اور درمیان اس کے کہ نافرمانی
اوس کی پھر عذاب کیا وئی وہ اور جانچ اللہ کی موقوف ہے ساتھہ عمل شرح کے
اور ساتھہ عمل غیر شرح کے۔''

خاتمہ:

'' اور حاشیہ بدریہ کی سے اور کتاب متفق سے اور کشف سے اور

میزان اصل سے تمام ہوئی یہ کتاب مبارک اچھی کہ نام اس کا خلاصہ کیدانی ہے۔''(33)

بحرالعلوم فرنگی محلی:

بحرالعلوم ارکاٹ کے ایک عظیم عالم گذرے ہیں۔ان کی پیدائش 1142ھ/1729ء میں ہوئی۔ابتدائی تعلیم اور تربیت اپنے والد ملا نظام الدین فرنگی محلی کے زیر نگرانی میں ہوئی۔دوسرے علوم وفنون کا درس مولانا کمال الدین سہالوی سے حاصل کی۔بحرالعلوم نے ادبی دنیا میں بہت شہرت پائی اور اپنی علمی قابلیت کا لوہا منوایا۔ان کی شہرت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ انہیں نظام حیدرآباد،سلطان ٹیپو(کرناٹک)اور نواب ارکاٹ محمد علی والا جاہ نے اپنا مہمان بنانا چاہا۔تینوں نے بیک وقت بحرالعلوم کی خدمت میں دعوت نامہ بھیجا۔لیکن بحرالعلوم نے نواب ارکاٹ کی عرض داشت قبول کی۔اس لئے کہ وہ قصبہ گوپامو کے رہنے والے تھے۔24ذی الحجہ 1105ھ/1790ء میں بحرالعلوم نے اپنے افراد خاندان کے ساتھ ارکاٹ میں قیام کیا۔ان کی آمد پر نواب والا جاہ نے اپنے آپ کو سربلند اور فخر محسوس کیا۔ان کے استقبال کے لئے خود آگے بڑھ کر پالکی کو کندھا دیا اور پالکی سے نیچے اتار کر قدم بوسی کی،اس سے متعلق علیم صبا نویدی لکھتے ہیں۔

> ''ملا بحرالعلوم مدراس پہنچے تو نواب والا جاہ نے خود ان کی پالکی کو کندھا دیا اور آپ کو پالکی سے نیچے اُتار کر نہایت عزت واحترام سے قدم بوسی کی۔علامہ شبلی نعمانی نے اس قدر دانی کا ذکر''الندوہ''کے ایک پرچے میں کرتے ہوئے لکھا کہ تاریخ میں علماء کی عزت افزائی اور قدر دانی کی ایسی مثال کہیں بھی نہیں ملتی۔''(34)

مولانا بحرالعلوم اپنے دو فرزندوں مولوی عبدالاعلیٰ،مولوی عبدالرب اور ایک معتقد مولوی امام بخش(المتوفی 1227ھ)کے ساتھ بوہر سے ارکاٹ آئے تھے۔دربار کرناٹک سے ماہانہ ایک ہزار روپیہ وظیفہ مقرر ہوا تو بحرالعلوم ارکاٹ میں ہی تصنیف وتالیف کا کام شروع کیا۔تقریباً یہ سلسلہ اکیس برس تک چلتا رہا۔جب عمدۃ الامرا بہادر ممتاز تخت نشین ہوئے تو ان کی قسمت کے تارے چمک اُٹھے۔یہاں انہیں''ملک العلماء''کے خطاب سے سرفراز کیا گیا۔اس خطاب سے پہلے حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی نے''بحرالعلوم''کا خطاب دیا تھا۔ان خطابات

کے سلسلے میں ابوالحسین زید فاروقی لکھتے ہیں۔

''جب حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی نے آپ (عبدالعلی فرنگی محلی)

کی کتاب ''ارکان اربعۃ'' مطالعہ فرمائی جو فن فقہ میں ہے تو آپ کو بحر العلوم

کے خطاب سے یاد فرمایا۔ اگر چہ ملک العلماء کا خطاب ایک تخت نشین

والے (نواب عمدۃ الامراکرناٹک قدیم تمل ناڈو) کا عطا کردہ ہے اور

بحر العلوم کا خطاب ایک بوریہ نشین ولی کا ارشاد ہے۔لیکن جو مقبولیت ولی

کے ارشاد کو ہوئی وہ والی کے خطاب کو نہ ہوئی۔'' (35)

مولانا بحر العلوم کو دنیاوی ومذہبی تعلیم پر عبور حاصل تھا۔ روحانی مسائل کا حل نکالتے تھے۔ تاریخی کتابوں اور تذکروں میں بحر العلوم کے کئی روحانی وعلمی واقعات کا ذکر موجود ہے۔ انہوں نے عربی، فارسی اور اردو کی کئی کتابیں لکھیں۔ جیسے

1۔فواتح الرحموث 2۔شرح سلم العلوم 3۔رسائل الارکان 4۔تنویر المنار 5۔احوال قیامت 6۔الحاشیہ علی الصدر 7۔الحاشیہ علی حاشیہ میر زاہد 8۔شرح مثنوی مولانا روم تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ حافظ احمد خاں بہادر نے اس ضخیم شرح کو نقل کیا اور یہ قلمی نسخہ دیوان صاحب باغ مدراس کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔

بحر العلوم 12 رجب المرجب 1225 ہجری میں واصل بحق ہوئے اور مسجد والا جاہی کے احاطہ میں تدفین عمل میں آئی۔ ان کی وفات پر مولوی ارتضا علی خاں خوشنود نے قطعہ تاریخ وفات لکھی۔

چورفت از جہاں فاضیل نامور

کہ بودہ است کاشمی بین انجوم

خرد یافت تاریخ سال وفات

بہ زیر زمیں رفت گنج علوم (36)

منشی جگناتھ پرشاد عزت:

جگناتھ پرشاد عزت کی پیدائش نیلور میں ہوئی۔ ان کے والد کا نام صاحب رائے تھا۔ صاحب رائے نیلور کے نواب عبدالوہاب خاں بہادر شکوہ کل کے یہاں ملازم تھے۔ صاحب رائے فارسی زبان جانتے تھے۔ خود اپنے

بیٹے کو فارسی کی تعلیم دی۔ عزتؔ مزید اعلیٰ تعلیم کے لئے ارکاٹ آئے اور مختلف اساتذہ سے فیض یاب ہوئے۔ والد کے انتقال کے بعد عزتؔ نے ریاستی کتب خانہ کے صدر کی حیثیت سے ملازمت اختیار کی۔ اس ملازمت کے دوران ادیبوں سے ملاقات ہوتی رہی، ان ہی کی قربت و وساطت سے حوصلے بلند ہوئے تو فارسی میں کلام لکھنا شروع کیا، اور عزتؔ تخلص کرنے لگے۔ انھیں بڑے شاعروں کے ساتھ مشاعروں میں کلام سنانے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ ان کی نظمیں تذکرہ ''گلزار اعظم'' اور تذکرہ ''صبح وطن'' میں درج ہیں۔

سید شاہ حسین قادری مجرمؔ:

شاہ حسین قادری کی ولادت بمقام نیلور 1180ھ میں سید شاہ عبدالقادر کے گھر ہوئی۔ ان کے اجداد کا تعلق بیجاپور سے تھا۔ سید درویش مجرمؔ ان کے نانا تھا جن کو بیجاپور میں بلند مقام حاصل تھا۔

مجرمؔ نے اپنے ماموں سید میراں قادری سے عربی اور فارسی سیکھی۔ سید میراں قادری مدرسہ نیلور میں استاد تھے۔ مجرمؔ تصوف کی تعلیم و تربیت اپنے والد کی زیر نگرانی میں حاصل کی۔ اس کے بعد والد نے انہیں اپنا جانشین بنا کر ارکاٹ بھیجا۔ انھوں نے یہاں تبلیغ و ہدایت کا درس دیا۔ مجرمؔ کے ایک مرید شرف العمرا بہادر کے نواسے تھے۔ ان کے ذریعہ دربار ارکاٹ تک رسائی حاصل کی۔ نواب عظیم الدولہ نے انہیں ماہانہ وظیفہ مقرر کیا۔ دربار ارکاٹ سے کچھ عرصہ تک وابستہ رہنے کے بعد رشد و ہدایت اور تصوف پر اپنی توجہ مرکوز کردی اور اسی میں مصروف رہے۔ قلندری و درویشی میں بیس سال گزار دیئے اور آخر کار 5 رذی الحجہ 1250 ہجری کو انتقال ہوا۔ ان ہی کے خانقاہ میں تدفین ہوئی جہاں وہ اپنے مریدوں کو تعلیم دیا کرتے تھے۔ نواب اشرف العمرا بہادر نے مجرمؔ کی مزار پر گنبد تعمیر کروائی۔

مجرمؔ کی شاعری کا راست موضوع تصوف اور روحانیت سے ہے۔ ان کے پوتے سید شاہ حسین قادری شطاری نے مجرمؔ کے دیوان کو 1350 ہجری میں مدراس سے شائع کیا۔

سید برہان خاں ہنڈی:

برہان خاں ہنڈی کا تعلق بیجاپور کے سید گھرانے سے تھا۔ برہان خاں کی پیدائش نظر نگر ترچنا پلی میں ہوئی۔

جب کہ انہوں نے تعلیم شہرت یافتہ شاعر زمانہ میر غلام حسین جواد سے حاصل کی اور شاعری میں ان ہی سے اصلاح لینے لگے۔ ان کے کلام کی اہم خصوصیت ان کا طرز تحریر ہے، جو مرزا عبدالقادر بیدلؔ کے طرز تحریر پر ہے۔ واجد علی شاہ نے انہیں 'نواب' کے معزز خطاب سے سرفراز کیا۔

برہان خاں ہنڈی کی مکمل پہلی کتاب ''تذکرہ واجدانی'' ہے۔ اس کتاب کو Govt. Oriental Manuscript Library, Madras نے 1957ء میں شائع کیا۔ برہان خاں نے ''نعرہ حیدری'' بھی قلمبند کیا۔ اس کے علاوہ ''نشاد ابے نظیر'' اور ''طوطی نامہ'' لکھی جس کے اصل نسخے ابھی تک دستیاب نہیں ہوئے ہیں۔ ان کے خطوط ''واقعات برہانی'' کے نام سے شائع ہوئے۔

برہان خاں ہنڈی کچھ عرصہ تک خاندان نوائط کے یہاں ملازم رہے۔ پھر بعد میں نواب حسام الملک (وفات 1244 ہجری) نواب محمد علی والا جاہ کے چوتھے لڑکے سے ملاقات ہوئی۔ رقبت بڑھی تو حسام الملک نے کرناٹک کی تاریخ لکھنے کی فرمائش کی۔ برہان خاں ہنڈی نے ''توزک والا جاہی'' کے نام سے کتاب کا پہلا حصہ 1174 ہجری میں مکمل کیا۔ اس کتاب کو ایک مقدمہ اور دو دفتر میں تقسیم کرنا چاہا۔ چنانچہ خاتمہ میں لکھتے ہیں۔

''خاتمہ کتاب کہ انتہاے دو منزل دو دفتر مقرر بود در ھمین یک منزل مناسب آسودگی و اندیشید، ان شاءاللہ المستعاں بفرصت چندے ھمیں اسپ است وھیں میدان وھیں گوی است وھیں چوگان، بالفعل از طے کردیدن این قدر مسافت بعید کہ نظر بر آفات وعوارضات راہ ھمت با مردی ایں آبلہ پا است بقول کسی یست (37)

شکر حق نیم سفر شہ بہ لبے رنج و محن
آفرین یاد برین ھمت مردانہ من

(توزک والا جاہی ۴۰۶)

اسد علی مودودی:

اسد علی مودودی کا اصل نام عبیداللہ تھا۔ ان کی ولادت شیرا خاں کے گھر 1212ھ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم

عربی اور فارسی میں ہوئی۔تصنیف وتالیف کے لئے عربی کوذریعہ اظہار بنایا۔مودودی کی ذہانت اورفکر ولیاقت بے مثال تھی۔موصوف کی مندرجہ ذیل عربی تصانیف قابل ذکر ہیں۔

1۔ تذکرہ المحدثین: اس کی تکمیل 1235 ہجری میں ہوئی جبکہ اس وقت ان کی عمر 25 سال کی تھی۔اس کا قلمی نسخہ مدرسہ محمدی مدراس کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

2۔ شرح سلم العلم: اس کا ایک نامکمل نسخہ مدرسہ محمدی مدراس کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔

3۔ تذکرہ فی علم النحو۔

4۔ توضیح المیزان۔

5۔ مقدمہ تفریق العلم۔

6۔ الفصل الاول فی التصورات وفیہ فصول الفصل الثانی فی التصدیقات، وغیرہ جیسی اہم کتابیں لکھی ہیں۔مودودی کا انتقال 25 ذی الحجہ 1243 ہجری کو کوریال میں ہوا۔اور تدفین بھی وہیں عمل میں آئی۔

مولوی محمد علی ماہلی حسن:

محمد علی ماہلی کی ولادت شیخ علی کے گھر ہوئی۔ان کا خاندان عربی اور فارسی کی علمی خدمات میں مثالی تصور کیا جاتا تھا۔اسی علمی خدمات کی بناء پر ماہلی کی میں ہی منجانب شاہ جونپور نے انہیں جاگیر عطا کی تھی۔مولوی محمد حسن علی بنارس میں فارسی تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے منتقل ہوئے اور وہاں سراج الدین علی خاں آرزو اور شیخ علی حزیں سے تعلیم حاصل کی۔اس کے علاوہ بنارس میں مختلف اسلامی علوم مختلف علماء سے حاصل کئے۔تعلیم مکمل کرنے کے بعد روزگار کی تلاش میں کلکتہ گئے۔1232 ہجری میں ارکاٹ آئے اور یہاں مفتی کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے اور آخر کار 29 رجب 1258 ہجری کو انتقال ہوا۔

مولوی محمد حسن علی کو علم نجوم، مابعد طبیعات اور ریاضی پر قدرت حاصل تھی۔حسن تخلص کرتے تھے۔فارسی میں کلام دستیاب ہے۔ان کے اہم کارناموں میں ''تبصرۃ الحکیمہ'' ہے جو 1255 ہجری میں لکھی گئی۔اس میں مابعد طبیعاتی عنوان پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔دوسری اہم کتاب ''منتخب التحریر'' ہے، جس میں ریاضی کے اہم مسائل پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی۔ایک اور کتاب ''زبدۃ الجفر'' ہے، جس میں زیورسازی کے بارے میں لکھا گیا ہے۔

''مفتاح الکنوز اور فتاوی طاہری'' ان دو تصانیف کو حسن ماہلی کے فرزند محمد طاہر علی نے 1285 ہجری میں

ترتیب دے کر ایک مجموعہ کی شکل دی جس کا ایک قلمی نسخہ غلام محمد صاحب مرحوم مدراس کے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے۔

حفیظ احمد خاں مزمل الملک بہادر:

حفیظ احمد خاں مزمل کی ولادت قاضی شیخ محمد انصاری کے گھر ہوئی۔ تمام بھائیوں میں یہ سب سے بڑے تھے۔ ان کے آبا و اجداد کا تعلق دراصل شمالی افریقہ سے تھا۔ ان کی پیدائش نجیب آباد میں ہوئی، اور یہاں پر حفظ مکمل کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ عربی اور فارسی میں بھی کمال حاصل کیا۔ بحرالعلوم سے ریاضی، منطق، فلسفہ، تصوف و فقہ کی تعلیم حاصل کی لیکن حفیظ کی دلچسپی ریاضی میں بہت زیادہ رہی۔

1204 ہجری میں ایک کتاب ''زیدالحساب'' کے عنوان سے لکھی۔ اسلامیات پر ایک کتاب ''مراج الایمان'' لکھی۔ فارسی میں شرح مثنوی مولانا روم بھی تحریر کی اور ایک کتاب 'اعظم الحساب' ہے جو 'زیدۃ الحساب' میں چند ترمیمات کے بعد دوبارہ تحریر کی۔

شاہ غوث جامی ارکاٹی:

شاہ غوث نام اور جامی و غوثی تخلص کیا کرتے تھے۔ تاریخ پیدائش اور عمر کا علم نہیں۔ 1225ھ میں ارکاٹ میں فوت ہوئے۔ وہ ایک صوفی، واعظ اور شاعر تھے۔ نصیرالدین ہاشمی اپنے ایک مضمون میں غوث جامی کے سلسلے میں لکھتے ہیں۔

> ''ایک صوفی منش شخص تھے۔ کسی تذکرہ شعراء یا تذکرہ اولیاء میں ان کا حال درج نہیں ہے۔ چند باتیں اسی مثنوی سے معلوم ہوتی ہیں۔ ۱۲۲۵ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ مدراس کے ایک شاعر معلی نے تاریخ وفات بھی کہی تھی۔ ہمیشہ انبیاء کے قصص مطالعہ کرتے رہے۔ دوست اور احباب کے علاوہ معتقدین نے قصص انبیاء کو دکھنی زبان میں قلم بند کرنے پر اصرار کیا۔ اسی خواہش پر انھوں نے فارسی ''قصص الانبیاء'' سے ترجمہ کیا اور ریاض مسعود اس کا نام رکھا۔''(38)

شاہ غوث جامی ارکاٹی نے اپنی مثنوی ریاض مسعود میں اپنے وطن کا ذکر کیا ہے اور اپنی زبان کو دکھنی قرار دیا ہے۔اشعار دیکھئے۔

محمد پور کا غوثی اہن بارا کہتے ارکاٹ جس بلاے کو اظہار
زبان دکھنی میں مروارید اولیا عبارت فرس کی ہندی میں کھولیا

شاہ غوث جامی ارکاٹی کی تین تصانیف کا علم ہوتا ہے۔ذیل میں تصانیف کے نام ان کے مخزن درج کئے جاتے ہیں۔

1۔ ضیافت نامہ۔قصیدہ مخزونہ،ادارہ ادبیات اردو،مخطوطہ نمبر ۱۳۸

2۔ روضہ صفا عرف غوثیہ مخزونہ،ادارہ ادبیات اردو،مخطوطہ نمبر ۳۹۷

3۔ ریاض مسعود عرف قصص الانبیا مخزونہ،ادارہ ادبیات اردو،مخطوطہ نمبر ۱۳۲

شاہ غوث جامی ارکاٹی نے اپنی مثنوی روضہ صفا میں والدہ کا ذکر بھی کیا ہے اور اپنے بچوں کو دادی کی خدمت کرنے کی تلقین کی ہے۔جامی اپنی والدہ کو رابعہ عصر قرار دیتے ہیں۔اس سلسلے کے دو اشعار دیکھئے۔

سو وہ قوم میں رابعی عصر ہیں ادبی بیاں میں عابد دہر ہیں
وہ واصل ہے عابد ہے شب زندہ دار خدا کی تجلی انو پر ہزار

غوثی نے اپنی زبان کو دکھنی قرار دیا ہے۔شعر ملاحظہ ہو۔

کیا ہوں قریب الفہم اس سبب کہ ہر کوئی دکھنی پڑے روز و شب

مثنوی کی تاریخ تصنیف بھی شاعر نے آخر میں بیان کی ہے۔

اگیارہ ہور کسی اُپر آٹ سال وہ روضہ بچہ گن کر نکال
کیا شہر رمضان میں اختتام ستاویسویں شب کی تھی جب کہ شام

شاہ غوث جامی ارکاٹی نے تین حصوں میں قصص الانبیاء ریاض مسعود کے نام سے لکھی ہے۔اس کا ایک نسخہ کتب خانہ سالار جنگ میں موجود ہے اور ایک نسخہ نصیر الدین ہاشمی کے کتب خانہ میں موجود تھا اور ایک نسخہ کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو میں موجود ہے۔ادارہ ادبیات اردو میں یہ مخطوطہ نمبر ۹۱۰، ۹۱۱ اور ۹۱۲ پر درج ہے۔ریاض

مسعود کی پہلی جلد یا دفتر اول میں تخلیق آدمؑ سے ایوب علیہ السلام کے واقعات اور قصے بیان کئے ہیں، جب کہ ریاض مسعود کے تیسرے دفتر میں آنخضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علی وسلم کی حیات مبارکہ کا بیان کیا ہے۔ جامیؔ نے ریاض مسعود کے تینوں ہی دفتر (جلدیں) ۱۱۹۱ھ میں لکھی ہے۔ ریاض مسعود، مثنوی کا تاریخی نام ہے۔ علاوہ ازیں مثنوی کے آخر میں خود شاعر نے تاریخ تصنیف قلمبند کی ہے۔

برس ہجری اگیارا سو یک انو   بھرے پر یو بنیا ہے نسخہ نو
ہے نام اس کا سنو جو ریاض مسعود   ہے تاریخ اس اسم کی بیچ مشہور
ریاض مسعود میں تاریخ ظاہر   اگیارا سو یک انو یک نادر

شاہ غوث جامی ارکاٹی نے مثنوی لکھتے ہوئے اس بات کی بھی وضاحت کی ہے کہ اس کا ماخذ فارسی قصص الانبیاء ہے اور اُس نے اپنے احباب اور دوستوں کی فرمایش پر دکھنی میں اس کو لکھا ہے۔

تو غوثی انبیاء کا ذکر اکثر   زبان سے اپنی کرتا تھا نکو تر
بنج مجھ کوں ہو کے سب اہل محفل   جو رکھتے تھے محبت دل سوں کامل
زبان دکھنی میں اس کو نظم ہو بول   جو آئے فہم میں ہر اک کے تیں بول
مجھے تحریص سوں ان کے ہوا شوق   رہا میں چین یک تل لے ہوا ذوق
قصص جو انبیاء کا فارسی ہے   نظر قرآن سوں جیوں آرہی ہے
سو اُس کا ترجمہ کرتا ہوں میں اب   مری تو طبع کر جولاں یا رب

نادرؔ:

’’مثنوی نادر‘‘ کے خالق نادرؔ کے حالات زندگی سے دنیائے ادب ناواقف ہے۔ نادرؔ ارکاٹ کا شاعر ہے۔ ان کے والد ارکاٹ کے نواب عظیم الدولہ بہادر کے استاد تھے۔ انہیں شاہی سرپرستی حاصل تھی لیکن المیہ یہ ہے کہ ارکاٹ پر لکھی گئی کسی بھی تاریخ ادب میں ان کا نام ونشان نہیں ملتا لیکن نادرؔ کی مثنوی کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ دربار ارکاٹ سے وابستہ تھے۔ اس سلسلے کے چند اشعار ملاحظہ ہو۔

اگرچہ تھے کئی شہہ کے استاد اور   یہہ اور ہی تھا کچھ میرے والد کا طور

اسی واسطے ان سے رحمت مآب — نہایت ادب کرتے تھے بے حساب
جو کئی بار آ میرے والد کے گھر — عنایت سے باہم کو کئے شاد تر
جو استاد زادے ہیں اب دوسرے — عنایت سے شبہ کے ہیں سب بھرے

نادرؔ دربار ارکاٹ کا شاعر تھا جسے دربار میں قرب شاہی حاصل تھا لیکن اس درباری شاعر کی زندگی اور ادبی کارنامے محفوظ نہیں۔نصیر الدین ہاشمی نے ''مدراس میں اردو'' میں اور قطب النساء ہاشمی نے ''تین مسافر'' میں نادرؔ کی دو مثنویوں کی نشاندہی کی ہے۔ایک مثنوی ''رشکِ قمرومہ جبین'' اور دوسری مثنوی ''مثنوی نادر'' سفرنامہ نا گور شریف ہے۔ان کی تصانیف کے بارے میں نصیر الدین ہاشمی لکھتے ہیں۔

''اس کے دو مثنویوں کا پتہ چلتا ہے۔ایک مثنوی رشکِ قمرومہ جبین سے موسوم ہے اور دوسری مثنوی ایک سفرنامہ ہے جو نواب صاحب ارکاٹ کا سفرنامہ ہے۔اس مثنوی کو ۱۲۷۵ھ میں مرتب کیا ہے۔''(39)

قطب النساء ہاشمی اپنی کتاب ''تین مسافر'' میں نادرؔ کے حالات زندگی اور ان کی تصانیف کے بارے میں تفصیل سے لکھتی ہیں۔اقتباس دیکھئے۔

''نادرؔ تخلص ہے۔نام ولدیت،مولد اور سال ولادت ووفات معلوم نہ ہو سکے۔نواب عظیم الدولہ بہادر رحمت مآب نواب کرناٹک (۱۲۱۶ تا ۱۲۲۴ھ) کے عہد کے شاعر اور آپ کے سرکار میں ملازم تھا۔فن شاعری میں شاہزادہ مرزا علی بخت اظفری تیمور گورگانی سے تلمذ تھا۔۱۲۲۹ھم ۱۸۱۳ء میں نواب عظیم الدولہ کے زمانہ حکومت میں نادرؔ نے ایک مثنوی رشکِ قمرومہ جبین لکھی تھی۔اس میں نواب موصوف کی بیگم صاحبہ اور آپ کے دونوں فرزند نواب اعظم جاہ بہادر رضوان مآب نواب عظیم جاہ بہادر غفران مآب کی تعریف کی اور اپنی ملازمت وخستہ حالی کا اظہار کر کے نواب صاحب اور بیگم صاحبہ سے شاہانہ امداد طلب کی تھی۔''(40)

نادرؔ کے والد اور دادا دونوں دربار ارکاٹ میں ملازم تھے۔نادر کے والد کو پالکی کا اعزاز حاصل تھا۔شاعر بنڈی خانہ داروغہ تھا۔نادر نے اسی دربار کے مشہور ومعروف شاعر اظفری سے سخن گوئی کی اصلاح لی اور ان ہی کو اپنا

استاد مانتے تھے۔

پر اُن میں تھے شاعر عجب اظفری		تھی ملک سخن کی جن سے خسروی
وہی شاعر کا میری اُستاد ہے		اوسی کا مجھے فیض امداد ہے(41)

نادرؔ نے اپنی پہلی مثنوی ''رشکِ قمر ومہ جبین'' نواب عظیم الدولہ کے زمانہ میں لکھی تو دوسری مثنوی ''مثنوی نادر'' نواب اعظم جاہ کے عہد حکومت میں لکھی جو ایک سفرنامہ ہے اور 1238ھ م 1823ء میں لکھا ہے۔ اردو کا پہلا منظوم سفرنامہ بھی ہے اور اس کی ہیئت مثنوی کی ہے۔ والی ارکاٹ نواب اعظم جاہ کے سفرِ ناگور شریف کی روداد اس مثنوی میں بیان کی گئی ہے۔ ناگور جنوبی ہند کی مشہور زیارت گاہ ہے جہاں شاہ الحمید عبدالقادر گنج سوائی المتوفی ۹۷۶ھ مدفون ہیں۔ نواب اعظم جاہ نے 1238ھ میں 21 جمادی الاول تا 18 رمضان اس زیارت گاہ کا شاندار سفر کیا تھا۔ چنانچہ قطب النساء ہاشمی لکھتی ہیں۔

''نواب اعظم جاہ نے یہ سفر بہت شاہ وشوکت اور تزک و احتشام کے ساتھ کیا تھا۔ نواب کے ساتھ ان کے بھائی و پرنس عظیم جاہ، ان کی والدہ حضرت نواب بیگم، معزز درباری تھے۔ اس سفر میں نواب کے ساتھ بیس ہزار اشخاص رفیق سفر تھے۔ اس میں انگریزوں کا ایک فوجی دستہ بھی شامل تھا۔ ہزاروں بنڈیاں، اونٹ، گھوڑے، ہاتھی، پالکیاں بھی ساتھ تھیں۔''(42)

نواب اعظم جاہ والی ارکاٹ کا سفرنامہ ہے لیکن اس میں اس وقت کے اکثر مشاہیر کی خصوصیات اور سماجی و معاشی کیفیات بھی محفوظ ہو گئی ہیں۔ مصنف نے نواب کے امراء و وزراء ممتاز الامراء اعظم الملک حفیظ اللہ خاں (جو نواب اعظم کے مصاحب خاص مشیر راز اور میر سامان تھے)، شرف الملک، معتمد جنگ، درباری شاعر عبدالحمید خاں، وجیہ اللہ خاں اور قادر حسین کا الگ الگ مفصل تذکرہ کیا ہے۔ اس کے بعد نادرؔ نے اس عہد کے عالموں، مشائخوں اور طبیبوں کی خصوصیات بیان کی ہیں۔ ان شخصیتوں کے تذکرے کے بعد نواب اعظم جاہ کے ذی شاہ قصر اور باغ ہمایوں محل کی تعریف کی ہے۔ نواب اعظم جاہ کے سفرِ ناگور کا اصل مقصد بزرگانِ دین کی درگاہوں کی زیارت اور نذر و نیاز پیش کرنا ہے۔ چنانچہ شاعر اس سفر میں نواب کے ہمراہ تھا۔ اس لئے اس نے چشم دید واقعات کو قلمبند کر کے اس عہد کی تاریخ و تمدن کا اجمالی خاکہ پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر زورؔ اس کے متعلق لکھتے ہیں۔

> ''مصنف بھی اس سفر میں نواب کے ہمراہ تھا اور یہ سفرنامہ منظوم کررہا تھا۔ اس مطالعے سے اس زمانے کے شہر مدراس اور جنوبی ہند کی معاشرت اور سیاست کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے۔ گویا یہ سفرنامہ ایک طرح کا تاریخی ذخیرہ ہے۔''(43)

نادرؔ کے علاوہ اعظم جاہ کے درباری شاعر مولوی غلام عبدالقادر ناظر نے فارسی میں اس سفر کا بیان کیا ہے۔ ناظرؔ نے 1238ھ میں ہی اپنا سفرنامہ مکمل کیا اور اس کا نام ''بہار اعظم جاہی'' رکھا۔ یہ دراصل تاریخی نام ہے جس سے سن تصنیف کا بھی علم ہوتا ہے۔ ناظرؔ کے اس سفرنامہ کو پروفیسر محمد یوسف کوکن نے انگریزی میں ترجمہ کیا ہے اور 1961ء میں شائع کیا۔

....

....

حوالے:

1۔ محمد ہاشم علی ''خلاصت الرویت اور اس کا مصنف''، مضمون مشمولہ ہاشم شناسی مرتبہ حامد اکمل 2019ء ص 93، 94

2۔ دکنی ادب کی تاریخ میں شاہ امین الدین علی اعلیٰ اور ان کے خلفا کا حصہ'' ص 511۔1974ء

3۔ سید شاہ محمد حق نما ''خزانہ عبادت''، مخطوطہ فقہ حنفی نمبر 866 مخزونہ اورینٹل مینوسکرپٹ لائبریری تارنا کہ، حیدرآباد

4۔ یوسف کوکن عمری ''خانوادۂ وقاضی بدرالدولہ'' ص 194 جلد اول

5۔ افضل الدین اقبال ''مدراس میں اردو ادب کی نشوونما'' ص 175 جلد اول 1979ء

6۔ یوسف کوکن عمری ''خانوادۂ وقاضی بدرالدولہ'' ص 201

7۔ ایضاً ص 212

8۔ سید محی الدین قادری زورؔ ''اردو مخطوطات ادارہ ادبیات اردو'' جلد اول، ص 259۔1984 شک 1905ء

9۔ یوسف کوکن عمری ''خانوادۂ وقاضی بدرالدولہ'' ص 214 جلد اول

10۔ Arabic and Persian in Carnatic (1710-1960) By Muhammad Yousuf Kokan, Madras 1974. p.252

11۔ ایضاً ص246

12۔ افضل الدین اقبال ”مدراس میں اردو ادب کی نشو ونما“ ص180 جلد اول

13۔ ایضاً ص180

14۔ ایضاً ص181

15۔ ایضاً ص180

16۔ Arabic and Persian in Carnatic (1710-1960) By Muhammad Yousuf Kokan, Madras 1974. p.257

17۔ علیم صبا نویدی ”ٹمل ناڈو کے صاحب تصنیف علماء“ ص59۔1996ء

18۔ Arabic and Persian in Carnatic (1710-1960) By Muhammad Yousuf Kokan, Madras 1974. p.27

19۔ ذاکرہ غوث ”مولانا باقر آگاہ ویلوی۔شخصیت اور فن۔ ص576

20۔ افضل الدین اقبال ”مدراس میں اردو ادب کی نشو ونما“ ص227 جلد اول

21۔ ایضاً ص231

22۔ عبدالجبار ملکاپوری ”تذکرہ شعرائے دکن“ حصہ دوم،ص1119

23۔ افضل الدین اقبال ”مدراس میں اردو ادب کی نشو ونما“ ص232 جلد اول

24۔ یوسف کوکن عمری ”خانوادۂ قاضی بدرالدولہ“ ص242 حصہ اول

25۔ ایضاً، ص226

26۔ Arabic and Persian in Carnatic (1710-1960) By Muhammad Yousuf Kokan, Madras 1974. p.387, 388

27۔ امتیاز فاطمہ ”واقف بیجاپوری کی مثنوی چندر بدن و مہیار کی تدوین وتنقید“ ص10، غیر مطبوعہ مقالہ برائے ایم۔فل، یونی ورسٹی آف حیدر آباد

28۔ افضل الدین اقبال ''مدراس میں اردو ادب کی نشو ونما'' ص138 جلد اول

29۔ یوسف کوکن عمری'' خانوادۂ قاضی بدر الدولہ'' ص160 حصہ اول

30۔ قطب النساء ہاشمی'' تین مسافر'' ص54۔1966ء

31۔ ایضاً، ص55

32۔ نصیر الدین ہاشمی'' یورپ میں دکنی مخطوطات'' ص467

33۔ ایضاً، ص468

34۔ علیم صبا نویدی'' ٹمل ناڈو کے صاحب تصنیف علماء'' ص40

35۔ کاوشؔ بدری'' قدیم تامل ناڈو میں عربی و فارسی ادبیات کی چار سو سالہ تاریخ'' ترتیب پروفیسر فیضان اللہ فاروقی، ص79، جلد اول، اپریل رجون 1926 سے 2004ء تک

36۔ علم صبا نویدی'' نواب والا جاہ اور حضرت بحر العلوم عبد العلی فرنگی محلی'' ص47۔1995ء

37۔ Arabic and Persian in Carnatic (1710-1960) By Muhammad Yousuf Kokan, p.325

38۔ نصیر الدین ہاشمی'' قدیم اردو کے دو قصص انبیاء'' مضمون مشمولہ دکھنی (قدیم اردو) کے چند تحقیقی مضامین 1963ء۔ص62

39۔ نصیر الدین ہاشمی'' مدراس میں اردو'' ص85

40۔ قطب النساء ہاشمی'' تین مسافر'' ص8

41۔ کندن لال کندن'' جنوبی و شمالی ہند کی تاریخی مثنویاں'' ص116

42۔ ڈاکٹر قطب النساء ہاشمی'' تین مسافر'' ص22

43۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زور، تذکرہ اردو مخطوطات جلد اول، ص142

....

تیسرا باب

مختصر تاریخ ارکاٹ اور ارکاٹ میں اردو شاعری کی روایت (عہد نامیؔ تک)

حصہ (الف) تاریخ ارکاٹ

حصہ (ب) ارکاٹ میں اردو شاعری کی روایت
(عہد نامیؔ تک)

حصہ (الف)

تاریخ ارکاٹ

تاریخ دکن کے صفحہ قرطاس پر کرناٹک ایک اہم ریاست ہے۔(یہاں مراد قدیم کرناٹک ہے) جس کا دائرہ جنوبی دکن میں دریائے تنگبھدرا کے نیچے مشرق سے مغرب تک پھیلا ہوا ہے۔(1) قدیم کرناٹک کی تاریخ صدیوں پرانی ہے۔ یہاں ہندو راجاؤں کی حکومت تھی۔ان کے عروج و زوال کے نقوش تاریخ کے صفحات میں روشن ہیں۔تیسری صدی قبل مسیح سے تیرہویں صدی عیسوی تک جنوبی ہند میں دراوڑیوں نے عظیم سلطنتیں قائم کیں، اور اپنی زبان، تہذیب و ثقافت کو پروان چڑھایا، جس کی تصدیق کتبات، سکے اور آثار قدیمہ کے نشانات سے ہوتی ہے۔ان سلطنتوں میں کرشنا گوداوری کے آندھرا شات واہن (شالی واہن) کی عظیم سلطنت تھی (جس نے تیسری صدی قبل مسیح میں اقتدار حاصل کیا اور لگ بھگ ساڑھے چار سو سال دکن پر حکومت کی لیکن اس طویل دور کی تاریخ آج بھی گوشہ گمنامی میں ہے۔) کانچی کے پلوا خاندان (اس سلطنت کے حدود کانچی سے لیکر وینگی ناڈو تک پھیل گئے تھے اور کرنول، اننت پور، کڑپہ، بلاری وغیرہ پر بھی ان کا تصرف رہا ہے۔) داتابی (بادامی ضلع بیجاپور) کے چالوکیہ خاندان (کم وبیش ایک سو سال تک جنوبی ہند کے سیاہ و سفید کا مالک بنا رہا۔) اس کے بعد کاکتیا خاندان (1000۔1323) کا عہد شروع ہوتا ہے (ان کی راجدھانی ہمنکنڈہ رہی، بعد میں ورنگل منتقل ہوئی)۔1303ء میں علاء الدین خلجی کی فوجوں نے اس دور عافیت کا خاتمہ کر دیا۔ دہلی کی اس مہم کو اگرچہ کامیابی نصیب نہ ہو سکی لیکن اس سے ان ریشہ دوانیوں کا سلسلہ شروع ہوا جو 1323ء میں محمد تغلق کے ہاتھوں سلطنت ورنگل کے زوال پر ختم ہوا۔اور دیکھتے ہی دیکھتے سلطنت دہلی کے حدود معبر (کرناٹک) تک وسیع ہو گئے۔(2) نصیر الدین ہاشمی لکھتے ہیں کہ علاء الدین خلجی کے سپہ سالار ملک کافور نے جنوبی ہند پر 1309ء میں حملے کئے۔ یہ اسلامی لشکر کنڑ علاقہ سے گزرتا ہوا سینٹ بندرامیشور (راس کماری) تک جا پہنچا۔(3) اس طرح علاء الدین خلجی کی فتوحاتِ دکن کا آغاز جو 1294ء سے ہوا، حیدر علی خاں اور ٹیپو سلطان کی سلطنت کے خاتمے تک قائم رہا۔(4) اس طویل عرصہ میں کئی سلطنتیں جیسے تنجور کے چولا، مدورا کے پانڈیا خاندان، کنڈاویڈو کے ریڈی حکمران، راجمندری کے ریڈی، دیورکنڈہ

کے ویلما، وجیانگر کے رائے (وینگی ناڈو سے ترچناپلی تک اس کا پرچم لہراتا تھا۔ جنوبی ہند کی تمام ریاستیں اس کی مطیع وفرمانبردار تھیں، گویا عملاً جنوبی ہند کا آمر بن گیا ہو) اور گلبرگہ کے بہمنی دکن کی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتی ہیں، یکے بعد دیگرے قائم ہوئیں اور قصہ پارینہ بن گئیں۔ ان سلطنتوں کے جنگی معرکوں، سیاسی اتار چڑھاؤ اور بحری تعلقات نے کرناٹک کے پڑوسی ملک اور بیرون ممالک سے کبھی شکست و فتح تو کبھی دوستانہ تعلقات قائم رہے، جس کے نتیجے میں یہاں کی عوامی زبان وادب، تہذیب وتمدن میں ترقی ہوتی رہی۔ انقلاب زمانہ نے سماجی زندگی ومعاشرت کو بھی متاثر کیا۔ "تمل ناڈو" دراوڑی باشندوں، مختلف مذاہب اور رسم ورواج کا مرکز رہا۔

سرزمین جنوبی ہند عرب سیاحوں، تاجروں، مورخوں کے لئے ہمیشہ زرخیز ثابت ہوئی، اور سب سے بڑھ کر انگریزوں کے لئے یہ علاقے کارآمد ثابت ہوئے۔ انہیں تجارتی کوٹھی قائم کر کے اپنی حکومت کو مضبوط ومستحکم بنانے کا اہم موقع ہاتھ آیا۔ دوست دار دشمن رہے۔

نہیں معلوم کس کس کا لہو پانی ہوا ہوگا

قدیم کرناٹک کا رقبہ جغرافیائی حدود سے، بہت وسیع تھا۔ اس میں تلنگانہ، آندھرا، کرناٹک اور کیرالا کے بہت سے علاقے شامل تھے۔ 1956ء میں ہندوستان کے مختلف صوبوں کی لسانی بنیادوں پر از سر نو تقسیم عمل میں آئی تو موجودہ ریاست مدراس (5) (کرناٹک) کو ایک علیحدہ ریاست کے طور جانا گیا۔ 1969ء میں دوبارہ ریاستی حکومت نے اسے "تمل ناڈو" سے موسوم کیا، جسے آج چینائی بھی کہا جاتا ہے۔

The Madras presidency comprising most of southern India, was created in the 18th century and was ra— directly by the British. After the Indepence of India, the Telugu, Kannada "TULU" and "MALAYALAM" parts of Madras State were separated from Madras State in 1956. It was renamed as TAMILNADU in 1969 by the state government.(6)

نصیر الدین ہاشمی اپنی تصنیف 'مدراس میں اردو' میں تفصیل سے گریز کرتے ہوئے احاطہ مدراس کا جائزہ اس طرح کرتے ہیں، جس سے مدراس کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔

"آج اگر احاطہ مدراس کہا جائے تو اس سے ایک بہت وسیع وعریض حصہ ملک مراد ہوتا ہے۔ کرناٹک، آندھرا، تمل علاقہ، ملیبار، میسور وغیرہ

سب احاطہ مدراس میں شامل ہے۔ احاطہ مدراس کی یہ وسعت دوایک صدی
پہلے کے سیاسی حالات کا ایک خاص نتیجہ ہے۔ اس پر تفصیل سے بحث کرنا
ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ مدراس سے ہماری مراد صرف اس حصہ
ملک سے ہے جو مغلیہ عہد میں صوبہ کرناٹک سے موسوم تھا۔'' (7)

اس اقتباس سے مدراس کے قدیم نام اور اس کے جغرافیائی حدود سے واقفیت ہوتی ہے۔ یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ یہ نام موجودہ مدراس کا نام چیناپٹن اس زمانے سے موسوم ہے جبکہ بہمنی سلطنت اور وجیانگر سلطنت زندہ و تابندہ تھیں۔ کچھ عرصہ ان دو سلطنتوں میں ہمیشہ جنگ و جدل کا بازار گرم رہا۔ 1524ء میں بہمنی سلطنت ختم ہوئی جس کے نتیجے میں پانچ خود مختار حکومتوں کا قیام عمل میں آیا۔ یہ حکومتیں متحد ہو کر وجئے نگر پر حملہ آور ہوئیں، اور آخر کار وجئے نگر کے راجہ رام راج مہاراج کو 1565ء میں شکست ہوئی اور اس کا قتل کر دیا گیا۔ سلطنت کے حصے بخرے ہو کر چھوٹی چھوٹی ریاستوں انا گندی، ادھونی، میسور اور مجرو غیرہ قائم ہو گئیں۔ (8) 972ھ/1565ء میں وجئے نگر سلطنت کا خاتمہ ہوا تو عادل شاہی اور قطب شاہی سلطنتوں نے ان علاقوں کو آپس میں تقسیم کر لیا۔ جو علاقہ عادل شاہی حدود میں تھا وہ بیجاپوری کرناٹک اور جو قطب شاہی کے حصے میں تھے وہ حیدر آباد کرناٹک کہلائے۔ محمد یوسف کوکن لکھتے ہیں۔

> At the beginning of the 15th century the whole country (Karnataka) had come under the rule of the kings of Vijayanagar. But in the anarchy that followed the overthrow of the Vijayanagar empire by the Muslims in 1565 A.D the Hindu Nayaks of Madura, Tanjore and Karchi made themselves independent only in their turn to become tributaries to the Qutub Shahi kings of Golkonda and Adil Shahi kings of Bijapur, who divided the Carnatic between them. Both the parts were respectively called the Hyderabadi and Bijapuri Carnatic. Each of them was further subdivided into Balaghat (uplands) and Payeen Ghat (lowlands).(9)

اسی زمانے میں انگریزوں کی عقابی نظریں کالے سائے کی طرح لگی ہوئی تھیں۔ قلی قطب شاہ کے عہد میں سورت میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے لئے تجارتی کوٹھی بنائی تھی۔ چند سال بعد محمد قطب شاہ کے صوبہ دار کی اجازت سے

چیناپٹن میں کچھ زمین خریدی اور ایک کوٹھی تعمیر کی، جس کے چاروں طرف بعد میں مدراس شہر آباد ہوا۔(10) 1565ء میں وجئے نگر کے خاتمہ کے بعد کرناٹک کے علاقے مذکورہ بالاحکومتوں کے قبضے میں رہے اور آخر کار مغل حکمرانوں کے ہاتھوں ریزہ ریزہ ہو کر اپنی سلطنتوں سے دست بردار ہو گئیں۔عتیق انورصدیقی کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

> ''سولہویں صدی کے وسط میں وجئے نگر کے حاکم اور دکن کے سلطان کے درمیان زبردست جنگ ہوئی جس میں وجئے نگر حکومت ختم ہوگئی اور دکن کے سلطان آخر کار مغل بادشاہ کے زیر سایہ آ گئے ۔(11)

اس اقتباس سے وجئے نگر سلطنت کے خاتمہ اور سلطان عالم گیر کی فتح پر روشنی پڑتی ہے۔وجئے نگر کے خاتمہ کے بعد عالم گیر نے 1686ء میں عادل شاہی اور 1687ء میں قطب شاہی سلطنتوں کا خاتمہ کرنے کے بعد جنوبی ہند کے علاقے پائین گھاٹ اور بالا گھاٹ پر اپنا تسلط قائم کرلیا۔ان علاقوں کے انتظام وانصرام کے لئے اپنے دو جنرل مقرر کئے۔ 1687ء میں جنرل قاسم خاں کو کرناٹک بالا گھاٹ کا صوبہ دار بنایا۔ اس علاقے کے تحت سدھوٹ، گنجی کوٹہ، گرم کنڈہ، کھمم، بلاری، اننت پور اور مغربی علاقے کنارا، کوچین، ملیبار وغیرہ شامل تھے۔ دوسرے جنرل ذوالفقار خاں تھے۔اس کے حوصلے بلند تھے اور ان کے ارادوں کو وسعت ملی۔انہوں نے پائین گھاٹ پر 1691ء میں قبضہ کرلیا۔ پائین گھاٹ کے احاطہ میں گنٹور، نلور، چنگل پیٹ، مدراس، بارہ محل، سیلم، کوئمبتور اور ویلور وغیرہ شامل تھے۔ذوالفقار خاں نے ارکاٹ کو اپنا قائم مقام بنایا اور یہاں سے نوابین ارکاٹ کا سلسلہ شروع ہوا۔

ارکاٹ کا قیام

1691ء میں نواب ذوالفقار خاں نے قیام کرناٹک کے دوران پالارندی کے کنارے جنگل کٹوا کر عارضی قیام گاہ بنایا جو آہستہ آہستہ خیموں اور جھونپڑوں کی شکل میں تبدیل ہوا، پھر روز بہ روز ترقی کرتا گیا۔یہ خام اور کچے جھونپڑیاں مٹی کے پختہ اور مضبوط عمارات کی شکل میں ظاہر ہوئے۔یہ علاقہ ''ارکاٹ'' کے نام سے مشہور ہوا۔تمل زبان میں ''ار'' کے معنی ''ندی'' اور ''کاٹ'' کا مفہوم ''جنگل'' ہے۔چونکہ یہ ندی کے کنارے جنگل کی کٹائی کر کے خیمے نصب کئے گئے تھے۔اس لئے یہ علاقہ ''ارکاٹ'' کے نام سے استمرار رہا۔اور ارکاٹ'' دارالنور محمد پور'' کے نام

سے بھی جانا گیا ہے۔ شہر ارکاٹ کی اہمیت اس وقت واضح ہوئی جب اسے صوبہ ''سیرا'' (12) کے ذیلی صوبے بالاگھاٹ اور پائین گھاٹ کا صدر مقام بنایا گیا۔ یہ دو گھاٹ ''سیرا'' کی ماتحتی سے آزاد ہوکر ارکاٹ میں ضم ہوگئے۔ کچھ مدت بعد سعادت اللہ خاں نے پائین گھاٹ کے انتظام کی ذمہ داری لی۔ اس صوبہ کا صدر مقام ارکاٹ سے ''جنجی'' قرار دیا۔ لیکن اس علاقہ کی ناخوشگوار فضاء اور ماحول نے قبول نہ کیا، جس کی وجہ سے دوبارہ ارکاٹ ہی کو صدر مقام بنایا گیا۔ یہ مقام مدراس سے تقریباً تیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہیں کے صوبہ دار آگے چل کر نوابین ارکاٹ کہلائے۔ اس سلطنت کا سنگِ بنیاد نواب ذوالفقار خاں نصرت جنگ نے رکھا۔ اس باب میں نوابین ارکاٹ کے عہد کو سمجھنے کے لئے علحدہ طور پر جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے، جس سے ارکاٹ کی سیاسی اور ادبی تاریخ واضح ہوجائے۔

1۔ نواب ذوالفقار خاں نصرت جنگ 1692 تا 1703ء

ذوالفقار خاں کا اصل نام محمد اسمٰعیل تھا۔ اس کے والد نواب اسد خاں آصف الدولہ تھے، جو اورنگ زیب عالم گیر کے وزیر اور وکیل مطلق کے عہدہ پر فائز تھے۔ بعد میں اسد خاں کو بڑھاپے کا عذر کر کے گوشہ نشین کردیا گیا اور اس کی تلافی کے لئے اُن کے بیٹے ذوالفقار خاں کو میر بخشی گری اور صوبہ داری دکن کے ساتھ نائب وکیل مطلق کا عہدہ بھی دے دیا گیا۔ ذوالفقار خاں کو بہادر شاہ نے حیدرآباد کی فتح کے بعد دکن کے چھ صوبوں کو ایک صوبہ قرار دے کر ان کی ولایت ذوالفقار خاں کو عطا کردی۔ منعم خاں وزیر نے اتنا بڑا ملک ایک شخص کے تصرف میں دینا خلاف مصلحت قرار دے کر خاندیس اور برار پائین گھاٹ کا علاقہ اس کی ولایت سے الگ کرلیا لیکن اس کے باوجود اورنگ آباد، بیدر، حیدرآباد اور بیجاپور کے چار زبردست صوبے جو پورنا ندی سے لیکر راس کماری تک پورے جنوبی ہند پر پھیلے ہوئے تھے ذوالفقار کی نگرانی میں رہے۔ (13) ذوالفقار خاں کا اہم کارنامہ قلعہ جنجی کی فتح ہے، جس کے بعد انھیں ''نصرت جنگ'' کے شاندار خطاب سے نوازا گیا۔ یہ قلعہ مراٹھوں کے زیر اقتدار تھا۔ تقریباً نصف صدی کے بعد ذوالفقار خاں نے 1698ء میں یہ قلعہ طویل محاصرے کے بعد فتح کیا اور اسی کو اپنا دارالحکومت بنایا۔ مصنف ''ماثر الامرا'' کے بیان کے حوالے سے افضل الدین اقبال لکھتے ہیں کہ یہ قلعہ سات مستحکم قلعوں پر مشتمل تھا۔ اس قلعہ کے ساتھ اس کے قرب و جوار کے ایک سو چھوٹے بڑے قلعے بھی نصرت جنگ نے فتح کئے۔ (14) نصیر الدین ہاشمی مغل شہنشاہ عالم گیر کے حملہ سے متعلق لکھتے ہیں۔

''1000ء کے اواخر میں ملک کرناٹک عادل شاہی، قطب شاہی اور سیواجی کے راج میں منقسم تھا۔ جب اول الذکر سلطنتوں پر عالم گیر کا قبضہ ہو گیا تو مغلیہ فوج کرناٹک کی طرف متوجہ ہوئی۔ اسد خاں کی نیابت میں حملہ ہوا اور نصرت جنگ ادھر متوجہ ہوا۔ (1103ء) کئی سال تک مغلیہ فوج ادھر متوجہ رہی۔ آخر 1025ھ میں قلعہ چنجی فتح ہوا۔ اس طرح ملک کرناٹک مغلیہ قلمرو کا جز بن گیا۔'' (15)

نواب ذوالفقار خاں نصرت جنگ (1692 تا 1703ء) سے ارکاٹ کی تاریخ کا آغاز ہوتا ہے۔ اس نے نہایت ہی قلیل مدت میں سارے جنوبی ہند کو مغلیہ سلطنت کا مطیع و باج گذار بنالیا۔ 1703ء میں اورنگ زیب نے انہیں دہلی واپس طلب کرلیا، جس کی وجہ سے ارکاٹ کے باقاعدہ انتظام وانصرام کے لئے افغان فوجی سردار داؤد خاں پنی کا تقرر عمل میں آیا۔ یہ افغانی سردار اسی زمانے میں ذوالفقار خاں کے ماتحت کرناٹک بیجاپور اور کرناٹک حیدرآباد کا فوجدار تھا۔ (16) دہلی کے تخت کے لئے جہاندار شاہ کو گرفتار کرنے کے بعد جہاندار شاہ کا سر قلم کر دیا گیا اور 17 محرم کو نیا بادشاہ فرخ سیر اپنے دارالسلطنت میں اس شان کے ساتھ داخل ہوا کہ آگے آگے وہ تھا اور اس کے پیچھے پیچھے ایک ہاتھی پر جہاندار شاہ کا سر رکھا ہوا تھا۔ دوسرے ہاتھی پر لاش رکھی تھی اور اس کی دم سے سابق وزیر ذوالفقار خاں کی لاش بندھی ہوئی لٹک رہی تھی اور ایک پالکی میں 90 برس کا بوڑھا اسد خاں موجود تھا۔ (17) یہ خاندان جو اس طرح تباہ و برباد ہوا، امرائے سلطنت میں معزز ترین خاندان مانا جاتا تھا۔ اسد خاں، یمین الدولہ آصف خاں کا داماد شاہجہاں کا ہمزلف اور عالمگیر بادشاہ کا حقیقی خالو تھا۔ ذوالفقار خاں عالمگیر کا سگا خالہ زاد بھائی تھا اور امیر الامراشائستہ خاں کی بیٹی اسد خاں سے بیاہی گئی تھی جو عالمگیر کی ماموں زاد بہن بھی تھی۔

اٹھارہویں صدی عیسوی میں نوابان ارکاٹ نے دکنی شعر و ادب کی سرپرستی اور نشوونما میں اہم حصہ ادا کیا۔ ذوالفقار ایک اولوالعزم جنرل اور دلیر و دور اندیش حکمران ہونے کے ساتھ ساتھ ادب سے بھی دلچسپی رکھتا تھا۔ اس نے ارکاٹ کی حکمرانی کے قلیل عرصے میں اہل علم کی قدر دانی کی۔ اس زمانے میں بیجاپور اور گولکنڈہ کے شعراء ہی نہیں بلکہ ایران و عرب کے ممتاز علماء، مشائخین اور شعراء بھی ارکاٹ میں پناہ لینے لگے۔ ذوالفقار خاں نے ان اہل فن کی نہ صرف ادبی طور پر سرپرستی کی بلکہ انہیں خوان نعمت سے بھی سرفراز کیا۔ ذوالفقار خاں فراخ دل تھا۔ جب فارسی کے شاعر ناصر علی سرہندی (1696ء) نواب ذوالفقار خاں کے دربار سے وابستہ رہے اور نواب کی شان میں

ایک مدحیہ قصیدہ پیش کیا،جس کا مطلع ہے۔

ای شان حیدری زجبین تو آشکار

نامتو در بزوکند کار ذوالفقار

نواب مطلع سنتے ہی خوش ہوئے اور ناصر علی سرہندی کو ایک لاکھ رقم سے سرفراز فرمایا اور سونے کی زنجیر فیل بھی عطا کی۔ ان کے علاوہ اس عہد میں ایک صوفی بزرگ سید شاہ حمید الدین اولیاء جو امین الدین علی اعلیٰ کے مرید و خلیفہ تھے۔(18) دہلی سے بیجی آئے جو شہر ارکاٹ سے چند میل پر آباد ہے۔ ان ہی کے روحانی فیض و برکت سے بیجی میں اسلام پھیلا۔

بیجاپور سے ارکاٹ پہنچنے والے شعراء میں قابل ذکر اور خاص اہمیت کے حامل شاعر ہاشمی بیجاپوری ہے۔ ہاشمی علی عادل شاہ ثانی کے دور حکومت (1656 تا 1672ء) میں موجود تھا۔ عالم گیر کی فتح کے بعد نواب ذوالفقار خاں کے دربار میں حاضری دی اور نواب کی مدح میں ایک قصیدہ پیش کیا۔ دیوان ہاشمی کتب خانہ سالار جنگ حیدرآباد میں محفوظ ہے۔ اس دیوان کے آخر میں ایک بہ عنوان'' قصیدہ'' ملتا ہے جو 60 اشعار پر مشتمل ہے۔ یہی قصیدہ کتب خانہ سالار جنگ کی ایک قلمی بیاض میں بہ عنوان'' قصیدہ سرس ہائے ہاشمی راست'' ملتا ہے۔ اس میں اشعار کی تعداد 55 ہے۔

2۔ نواب داؤد خاں پنی (1703 تا--17ء)

داؤد خاں پنی، نواب ذوالفقار خاں کا جانشین تھا۔ اس کے والد خضر خاں پنی جو بیجاپور کی سرکار میں ملازم تھے، 1678ء میں عالم گیر نے انہیں چار ہزاری منصب سے نوازا تھا۔ داؤد خاں پنی نے 1703ء میں ارکاٹ کی صوبیداری سنبھالی اور 1706ء میں عالم گیر کے حکم پر فورٹ سینٹ جارج کی ناکہ بندی کی (19)۔ 1707ء میں ایک عظیم سانحہ در پیش ہوا، جس نے مغلیہ سلطنت کے پرخچے اڑادیئے۔ یہ سانحہ اورنگ زیب کی وفات کا تھا۔

'' اورنگ زیب کے انتقال کے بعد اس کے کمزور اور نکمے جانشین سلطنت دہلی کو سنبھال نہ سکے اور ملک میں افراتفری پھیل گئی۔ ان حالات میں دکن کے صوبہ دار نظام الملک نے ایک خود مختار سلطنت کا ڈول ڈالا (1724ء)۔ اس وقت صوبہ دکن سلطنت ہند کے سب صوبوں سے

بڑا اور شاید سب سے زیادہ اہم تھا اور اس میں دریائے تاپتی سے لے کر تقریباً سارا جنوبی ہند شامل تھا۔ آصف جاہی حکمران اور پیشوا ہم عصر اور حریف تھے۔ ان کے درمیان ایک مدت تک معرکہ آرائیاں ہوتی رہیں۔''(20)

اس اقتباس سے ہندوستان کی سیاسی ہلچل کا پورا منظر ابھر کر سامنے آتا ہے۔ اورنگ زیب کی وفات سے امور حکومت میں ایک انقلاب سا برپا ہو گیا، مغلیہ سلطنت کی بنیادیں کمزور ہو گئیں۔ اس کے مقابل میں مرہٹوں کی طاقت میں اضافہ ہوا اور ان کے حملوں میں شدت پیدا ہوئی۔ عبدالمجید صدیقی کا بیان ہے۔ اقتباس دیکھئے۔

'' شہنشاہ اورنگ زیب کے انتقال کے بعد جب جنوب میں شہنشاہیت کی طنابیں ڈھیلی ہو گئیں تو سیرا کی گورنری بھی منتشر ہو گئی کیونکہ اول تو اس پر مرہٹوں کی یورشیں ہونے لگیں اور اس کے بعد نواب حیدر علی خاں والی میسور نے شمال میں بڑھ کر سیرا پر قبضہ کر لیا۔''(21)

مقام سیرا مرہٹوں کے چنگل سے نکل کر نواب حیدر علی خاں کے قبضہ میں آ گیا۔ ادھر ارکاٹ میں داؤد خاں پنی کی حکمرانی قائم رہی۔ 1710ء میں بہادر شاہ نے داؤد خاں پنی کو دہلی واپس لوٹنے کا حکم دیا۔ ان کی کوئی اولاد نہ تھی جس کی وجہ سے داؤد خاں پنی نے اپنے دیوان نواب سعادت اللہ خاں کو ارکاٹ کی حکمرانی سونپی۔ بالآخر داؤد خاں پنی ایک جنگ میں مارے گئے۔

3۔ نواب سعادت اللہ خاں (1710ء تا 1734ء)

1710ء میں نواب سعادت اللہ خاں کو صوبہ ارکاٹ کا جانشین مقرر کیا گیا۔ ان کا تعلق خاندان نوائط سے ہے۔ ان ہی سے ارکاٹ میں خاندان نوائط کی بنیاد پڑی۔

نوائط کی تشریح: بحیرہ روم کے عرب بحریوں میں جہاز چلانے والے کے لئے نوتی کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ لفظ نوائط لاطینی لفظ Naution ہے۔ فرنچ لفظ Nauttique اور انگریزی میں Navy، نیوی گیشن Navigation، نیول Naval، ناٹیکل Nautical وغیرہ سے مشتق ہے۔ مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں۔

'' ابتدائے اسلام سے عرب و عجم کے سینکڑوں خاندان ہندوستان

میں آ کر آباد ہوئے جن کے کارنامے چہرۂ تاریخ کے خط وخال ہیں۔ ان ہی میں نوائط کا خاندان ہے، جو آج سے سینکڑوں برس پہلے ہندوستان آیا اور بڑی کامیابی کے ساتھ مدراس اور دکن کے حصوں میں پھلا پھولا۔ آج بھی یہ خاندان امتیاز کے ساتھ قائم ہے اور اس کی یادگاریں ان ممالک (مقامات) میں ہر جگہ خاص نام ونمود رکھتی ہیں۔(22)

اس خاندان کو نائط حضرت جعفر طیار کے پوتے وابط کی نسبت سے کہا جاتا ہے(23)۔ کثرت استعمال سے واؤ 'نون' سے بدل گئی۔ شمس العلماء نواب عزیز جنگ اپنی معرکۃ الآرا تصنیف'' تاریخ النوائط'' میں رقم کرتے ہیں۔

'' نائط زبان عربی میں رگِ پشت کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ بدیں وجہ کہ اس خاندان کا باہمی اتفاق حد سے زیادہ تھا۔ غالباً اس لئے عربوں نے اس خاندان کو اس نام سے موسوم کیا۔ بعض اہل لغت نے اس لفظ کو تائے قرشت کے ساتھ نوتی اور اس کی جمع نواتی صحیح خیال کیا ہے، جس کے معنی ملاحوں کے ہیں۔ ملاباری زبان میں نوایت کے معنی حاکم اور خداوند کے ہیں۔''(24)

مولانا سلیمان ندوی اپنی معرکۃ الآرا تصنیف'' عربوں کی جہاز رانی'' میں فرماتے ہیں۔

'' انگریزی کا لفظ 'نیوی' نوایت سے لیا گیا ہے کیونکہ اس خاندان کے افراد فن جہاز رانی کے ماہر تھے اور پرتگیزیوں سے قبل سمندری تجارت کی باگ ان کے ہاتھ میں تھی۔''(25)

اہل نوائط کے متعلق یوسف کوکن عمری کا کہنا ہے کہ

'' تاریخ میں ایسا کوئی عالیشان خاندان نظر نہیں آتا جو اس طرح سترہ پشتوں سے اپنی علمی قدر ومنزلت کو قائم رکھتے ہوئے دین وعلم کی زریں خدمت کرتا چلا جارہا ہو۔''(26)

ان ہی خصوصیات کے پیش نظر جب ارکاٹ کے نوابین کے عہد حکومت کا جائزہ لیں تو اس خاندان کی برتری

اور امتیاز اور خداداد صلاحیتوں کا علم ہوتا ہے۔

حسن الدین احمد اپنے مضمون ''اہل نائط کا مستقبل'' میں وکیل احمد سکندر پوری کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

''ہندوستان کا کوئی حصہ ایسا نہ ہوگا جس میں اس خاندان کے افراد
کم وبیش نہ بستے ہوں۔ ہر زمانہ اور ہر حکومت میں اس خاندان کے افراد
نامآور رہے ہیں۔ اس قوم کے بعض خانوادے فضائل علم میں ممتاز اور علوم
مختلفہ میں صاحب تصنیف گزرے ہیں۔''(27)

اسی خاندان سے تعلق رکھنے والے محمود خاں نے مدینہ منورہ سے ہجرت کر کے احمد آباد، گجرات میں قیام کیا۔ کچھ عرصہ بعد یہاں سے کوکن میں سکونت اختیار کی۔ یہاں محمود خاں کے گھر 17 / جمادی الاول 1061ھ مطابق 1650ء کو ایک لڑکے کی ولادت ہوئی اور اس کا نام سعید کوئی رکھا گیا۔ والد کے زیر سایہ اس نومولود بچے کی پرورش ہوئی۔ سعید کوئی بچپن ہی سے ذہین تھے۔ ان میں بہادری اور دلیری کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ سن شعور میں ان ہی فطری خصوصیات اور اعلیٰ قابلیت نے انہیں عالمگیر کے لشکر میں جگہ عطا کی اور ''سعادت اللہ خاں'' کے خطاب سے امتیاز حاصل ہوا۔ مولف ''تاریخ النوائط'' لکھتے ہیں کہ

''نواب سعادت اللہ خاں اپنے حقیقی بھائی غلام علی کے ساتھ شہنشاہ
عالمگیر کے لشکر میں وارد ہوئے۔ نواب داؤد خاں پنی کے حسن توسط سے
ابتداءً آپ کا تعلق منصب داران شاہی کے زمرہ سے ہوا اور پھر آپ کی
مجسم قابلیت اور شہنشاہ عالمگیر کی مردم شناسی اور حفیظ منزلت نے آپ کو
خطاب سعادت اللہ خاں سے امتیاز بخشا۔''(28)

نواب سعادت اللہ خاں کا اہم کارنامہ قلعہ جنجی کو دوبارہ فتح کرنا ہے۔ یہ قلعہ 1109ھ میں ذوالفقار خاں نے فتح کیا تھا لیکن یہ قلعہ بہت جلد مراہٹوں کے زیر اقتدار آ گیا تھا۔ لیکن 1125ھ میں نواب سعادت اللہ خاں نے طویل محاصرہ کے بعد بازیافت کیا اور اس کا نام ''نصرت گڑھ'' رکھا۔ سابق نواب ذوالفقار خاں کے بسائے ہوئے شہر ارکاٹ کے بجائے جنجی کو اپنی راجدھانی بنایا لیکن اس کی فضا راس نہ آئی۔ دوبارہ ارکاٹ ہی کو اپنا پایہ تخت بنایا۔ چنانچہ عبدالمجید صدیقی لکھتے ہیں۔

''داؤد خاں نے اپنی طرف سے پائین گھاٹ کے انتظام کے لئے

> سعادت اللہ خاں کو مقرر کیا تھا۔ اس ذیلی صوبے کا صدر مقام جنجی قرار دیا گیا تھا۔ لیکن اس کی آب و ہوا ناخوشگوار ہونے کی وجہ سے اس کو چھوڑ کر ارکاٹ اختیار کیا گیا۔'' (29)

سعادت اللہ خاں ایک لائق اور زبردست حکمران گذرا۔ اس نے تقریباً چوبیس برس تک کرناٹک پر حکمرانی کی۔ اس عرصہ میں میسور اور ترچناپلی کے راجاؤں کو شکست دے کر سلطنت کے حدود مضبوط و مستحکم کر لئے۔ سعادت اللہ خاں فطری طور پر امن پرست تھا۔ ہر ممکنہ کوشش کی کہ ساری بغاوتیں ختم کرے تاکہ کرناٹک میں امن و امان کا نظم و نسق قائم رہے۔ نواب کی نیک نامی، دریا دلی اور ملک کی خوش حالی کی بناء پر اطراف و اکناف کے قصبوں سے بیرون ملکوں سے اہل علم و کمال اکھٹا ہونے لگے تو ان کی سرپرستی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ خاص طور سے بیجاپور اور گلبرگہ سے علماء و شعراء ارکاٹ اور ویلور میں آکر بس گئے جن میں حضرت سید علی حسینی قادری صبغۃ اللہی، حضرت عبدالقادر میر ان شاہ ولی اللہ گلبرگہ کے قاضی القضاۃ محمد عبداللہ اور شیخ احمد سوانح نگار، دہلی کے شیخ محمد امین اور افضل خاں لذتی، پنجاب کے مورخ منشی جسونت رائے منشی، ہمدان سے قزلباش خاں اُمید وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

نواب موصوف کو شعر و ادب سے بڑی رغبت تھی۔ ان کے عہد میں اردو اور فارسی کے مشہور شعراء موجود تھے۔ اسی عہد کے مورخ جسونت رائے منشی اپنی تصنیف'' تاریخ سعید نامہ'' میں نواب موصوف کی شاعری اور اس عہد کے شعر و ادب کی محفل کا جائزہ لیا ہے۔ اقتباس دیکھئے۔

> '' نواب سعادت اللہ خاں کو شعر و سخن سے بڑی دلچسپی تھی۔ ان کے دربار میں فارسی اور دکنی کے باکمال شعراء جمع ہو گئے تھے۔ ان کے دربار میں نہ صرف مشاعرے ہوتے بلکہ عرب، ایران اور ہندوستان خصوصاً بیجاپور اور گولکنڈہ کے قدیم شعراء جیسے غواصی، وجہی اور نصرتی وغیرہ کے کلام پر مباحثے ہوتے ان کی تصانیف کا ذکر رہا کرتا، ان کی شاعری پر تنقید ہوتی۔'' (30)

نواب سعادت اللہ خاں کے طویل دور حکومت میں شعر و ادب کی پُر نور محفلوں میں بحث و مباحثے اور تنقیدوں سرگرم رہی۔ اس طرح شہر ارکاٹ شعر و ادب کا مرکز بنا۔ اگر چہ اس کا زیادہ تر وقت سلطنت کی بنیادوں کو مضبوط بنانے میں صرف ہوا۔ تاہم اس نے علم و ادب کی ترقی سے دلچسپی۔ اس عہد میں اولیاء و صوفیائے اکرام کی کثرت

تھے۔ارکاٹ میں تین سو ساٹھ مشائخین کے مکانات تھے اور ارکاٹ ''چھوٹا شاہ جہاں آباد'' کہلانے لگا۔

1734ء میں نواب سعادت اللہ خاں کا انتقال ہوا۔ ارکاٹ کی ایک مسجد میں صحن میں تدفین عمل میں آئی۔ مقبرے پر خوبصورت ونفیس گنبد بنایا گیا، جو آج بھی بہتر اور مضبوط دکھائی دیتا ہے۔مقبرہ پر قطعہ تاریخ وفات درج ہے۔

خاں	اللہ	سعادت	رحمت	ابر
ولی	زمانہ	بدورِیں	او	آنکہ
ہاتف	او	وفات	سال	گفت
علی	زبندگی	جنت	یافت	(31)

4۔ نواب علی دوست خاں

سعادت اللہ خاں کے انتقال کے بعد اس کے بھتیجے علی دوست خاں کو ارکاٹ کی صوبیداری عطا کی گئی۔ سعادت اللہ خاں کی کوئی اولاد نہیں تھی۔اگرچہ کہ اپنے تایا سے کرناٹک کی وسیع سلطنت ورثے میں ملی تھی لیکن اس کے زمانے نظامت میں پونا کے مرہٹہ سردار بھونسلے نے ارکاٹ پر (1740ء) حملہ کیا۔اس جنگ میں علی دوست کے ساتھ ان کے فرزند صفدر علی خاں اور داماد چندا صاحب بھی شامل تھے لیکن نواب علی دوست کو شکست ہوئی اور جنگ میں مارے گئے۔چندا صاحب میدان جنگ چھوڑ کر ترچنا پلی کی طرف فرار ہوئے،صفدر علی خاں ویلور میں قلعہ بند کر دیئے گئے۔بعد میں صفدر علی خاں ایک معاہدہ کے مطابق مرہٹا فوج کو بھاری رقم ادا کر کے ارکاٹ کے جانشین مقرر ہوئے۔عزیز جنگ ولا،نواب علی دوست خان کے بارے میں لکھتے ہیں۔

> ''علی دوست خاں نے اس قدر خوبصورتی کے ساتھ ریاست کا انتظام کیا اور درباریوں کے ساتھ ان کا برتاؤ ایسا عمدہ تھا کہ مخالفین کے دلوں میں بھی ان کی محبت پیدا ہوگئی۔آپ کے انتظام ریاست میں نہایت نیک نام رہے۔محمد حسین خاں طاہر ناظمی آپ کے دیوان تھے۔آخر جب حاکم پونا نے وصول پیشکش کے لئے ارکاٹ پر چڑھائی کی تو آپ نہایت استقلال کے ساتھ اس کے مقابل ہوئے اور اسی لڑائی میں آپ کو شہادت کا مرتبہ

حاصل ہوا۔‘‘(32)

علی دوست خاں کا دورِ حکومت پانچ سال رہا۔ اس مختصر مدت میں مرہٹا فوج سے جنگ وجدل سرگرم رہی۔ علی دوست بھی اپنے تایا کی طرح امن پرست اور خوش حالی کا دلدادہ تھا۔ اس نے جنگ کے منحوس سائے کو اپنی ریاست سے دور رکھا اور عوام میں خوش حالی کا خاص خیال رکھا۔ اس دور میں بھی ادب کو فروغ حاصل ہوا۔ حضرت سید شاہ حمید الدین اولیاء، نواب ذوالفقار خاں کے عہد میں دہلی سے کانچی آئے تھے اور یہیں اپنی آخری سانس لی۔ اس وقت کے ایک اور شاعر زین العابدین تھے۔ دیوان تخلّص کرتے تھے۔

زین العابدین، علی دوست خاں کے داماد تھے۔ والد محمد جعفر اور والدہ مناصاحبہ تھیں جو کہ سعادت اللہ خاں کی بہن تھیں۔ زین العابدین ترونا ویلی کے جاگیر دار تھے۔ ان کے بڑے بھائی نواب محمد علی خاں جاگیر دار پلور اور دوسرے بھائی نواب حسین دوست خاں عرف چنداصاحب تھے جو کہ قلعہ نظرنگر، ترچنا پلی ان کی جاگیر داری میں شامل تھے۔ 1739ء میں مرہٹا فوج قلعہ نظرنگر پر حملہ آور ہوئی تو چنداصاحب اور زین العابدین نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ اور اسی جنگ میں زین العابدین شہید کر دیئے گئے اور چنداصاحب کو گرفتار کر کے ستارا میں نظر بند رکھا گیا۔

زین العابدین ایک دلیر حکمراں ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے شاعر بھی تھے۔ 1732ء میں فارسی دیوان ’’عرضۂ دیوان‘‘ کے نام سے تین حصوں میں ترتیب دیا۔ ا: در مکتوبات مراسلہ، ۲: در رقعات مصنوعہ، ۳: در محذوفات متنوعہ اور خاتمہ در مسودات مختصلہ۔ یوسف کوکن عمری نے Arabic and Persian in Carnatic میں ان کے فارسی کلام کو درج کیا ہے۔ افضل الدین اقبال نے اپنی تصنیف ’’مدراس میں اردو ادب کی نشوونما‘‘ میں دیوانؔ سے مرثیہ کے دو اشعار بطورِ نمونہ کلام دیئے ہیں، جو کتب خانہ سالار جنگ کی بیاض ’’رقعات امام اللہ حسینی‘‘ (ادب نثر فارسی) مخطوطہ نمبر 144 میں محفوظ ہے۔ نصیر الدین ہاشمی نے ’’مدراس میں اردو‘‘ میں دیوانؔ کے اردو کلام مرثیہ کا نمونہ دیا ہے جو حسب ذیل ہے۔

کربلا جب مقتل شہزادہ اکمل ہوا
خاک اس کا ہر زمین و آسمان افضل ہوا
ظلمت غم کیوں نہ ہوئے ہر دو عالم کوں محیط
آفتاب دین کوں مغرب عرصۂ کربل ہوا

زخم غم ہر شئے پر جاری آج ہیگا حشر لگ
زخم خنجر اس گلے نازک پہ جب ہیکل ہوا
ہر دو عالم کے انکھیاں سوں لہو بھرے نالے چلے
دل گل اس ماتم سوں ہر یک نین میں حل ہوا
نیں رہیا طاقت انکھیاں میں رونے شہ کے غم بدل
روئے جو رنجوں ہو ہر دم شہاں کے درد سوں
رنگ عصیاں پاک کرنے اسکوں غم صیغل ہوا
ہر بن موز خم غم ہے تن اوپر دیوان کے
اس زخم کے درد سوں ہر دم بدم ہیکل ہوا (33)

5۔ نواب صفدر علی خاں (1740 تا 1742ء)

صفدر علی خاں نے والد علی دوست خاں کے انتقال کے بعد مرہٹا فوج کو کثیر رقم ادا کر کے از سرِ نو انتظام حکومت قائم کی۔ محمد حسین طاہر نائطی کو دیوانی منصب سے علحدہ کر کے میر اسد اللہ خاں کو اپنا دیوان مقرر کیا، جس کی وجہ سے حکومت میں بد نظمی پھیل گئی۔ چنانچہ 1742ء میں ان کے برادر نسبتی مرتضیٰ خاں جاگیردار ویلور نے انہیں زہر دیکر مار ڈالا اور خود ارکاٹ کی نظامت پر مامور ہوئے۔ لیکن فوج اور عوام ان کے خلاف تھے۔ بہر حال چھ ماہ سے زیادہ حکومت نہ کر سکے اور آخر کار ارکاٹ سے فرار ہو گئے (34)۔ خاندان نوائط میں صفدر علی خاں نہایت کمزور حکمران ثابت ہوا۔ ان کے انتظامی امور آزمائشوں کی نذر ہو گئے۔ صفدر علی خاں کی فوج میں دو ملازم اہم ہیں جو والی میسور فتح علی نایک کے فرزند تھے۔ اقتباس ملاحظہ ہو۔

> ” حیدر علی خاں کے والد فتح علی نایک کے انتقال کے بعد سید سالاری بطریق میراث ان کے فرزندوں شہباز خاں اور حیدر علی کو ملی۔ یہ دونوں بھائی اپنی بہادری اور ذہانت کی بنا پر سپہداری کے خطاب سے ممتاز ہوئے۔ لیکن دو سال میں ہی ان دونوں بھائیوں نے بعض ناخوش گوار حالات کی بناء پر یہاں سے مستعفی ہو کر ارکاٹ کے نواب صفدر علی خاں کی

فوج میں ملازمت اختیار کر لی۔ نیز کارنامہ حیدری کے مطابق 1742ء میں
نواب صفدر علی خاں کی شہادت کے بعد ان دونوں بھائیوں کو معزول کیا گیا
تو وہ وزیر میسور کو خط لکھ کر یہاں چلے آئے۔''(35)

اس اقتباس سے میسور اور ارکاٹ کے حالات سے واقفیت ہوتی ہے۔ ارکاٹ میں پھیلی افراتفری اور بدانتظامی کو دور کرنے کے لئے نظام الملک آصف جاہ اول نے ارکاٹ کا دورہ کیا۔ محمد نجم الغنی خاں لکھتے ہیں کہ نظام الملک ملک کرناٹک کے انتظام کے لئے آئے تو وہاں کے قلعدار و فوجدار سلام کو آئے اور وہ خدمات ان پر بحال رہیں(36) اور آصف جاہ نے نواب صفدر علی خاں کے کم سن لڑکے محمد سعید کو نائب بنایا اور سعادت اللہ خاں ثانی کا خطاب عطا کیا۔

6۔ نواب سعادت اللہ خاں ثانی

نظام الملک آصف جاہ اول نے نواب صفدر علی خاں کے نو عمر لڑکے محمد سعید کو سعادت اللہ خاں ثانی کا خطاب عطا کر کے ولی عہد ناظم ارکاٹ مقرر کیا، ان کی کم عمری کی وجہ سے دربار کے ایک وفادار امیر خواجہ عبداللہ خاں کو ذمہ داری دی۔ لیکن اس کی حیات نے وفا نہ کی۔ تقرر کے ایک سال بعد وفات پائی۔ سن 1744ء میں آصف جاہ کے وفادار انوارالدین خاں والا جاہ کو محمد سعید کا نگران اور عارضی طور پر ارکاٹ کی حکمرانی عطا کی گئی۔ اسی سال کسی تقریب میں افغان فوجدار ابدال خاں نے سازش کے ذریعہ محمد سعید کو شہید کر دیا۔ اس طرح نوائط خاندان کا آخری چشم و چراغ گل ہو گیا، جس کی وجہ سے انوارالدین خاں مستقل طور پر ارکاٹ کے نائب مقرر ہوئے۔

ارکاٹ میں خاندان نوائط کی نواب سعادت اللہ خاں (1710ء) سے نواب سعادت اللہ خاں ثانی (1744ء) تک اپنی خدمات عالیہ سے سیاسی اور ادبی لحاظ سے ترقی کی راہیں طے کی۔ 1744ء سے ارکاٹ میں ایک نئے خاندان'' خاندان والا جاہی یا خاندان انواری'' کی بنیاد پڑتی ہے۔ اس خاندان کا بانی نواب انوارالدین خاں ارکاٹ کا ناظم تھا، جس نے 1744ء میں اپنی خود مختاری کا اعلان کر کے ایک نئے راج کی بنیاد ڈالی۔

7۔ انوارالدین خاں والا جاہ (1744 تا 1755ء)

آباواجداد:

خاندان فاروقی قنوج سے عہد اکبری 1548ء میں اتر پردیش کے ضلع گوپامو میں آکر آباد ہوا۔ اس خاندان کے مورث اعلیٰ شیخ سلیمان تیسری صدی ہجری کے آغاز میں ایک بڑے لشکر کے ساتھ کابل پر چڑھائی کی اور اپنی حکومت قائم کی۔ ان ہی کی اولاد میں سلطان شہاب الدین المعروف بہ ''فرخ عادل شاہ'' نے کابل پر عادلانہ حکومت کرکے'عادل' کا لقب پایا۔ چنگیز خاں کے حملوں کی زد میں اس حکومت کا خاتمہ ہوا۔ فرخ عادل شاہ کے پوتے شیخ شعیب اپنے باقیماندہ افراد خاندان کے ساتھ ہندوستان آئے اور ملتان میں آباد ہوگئے۔ عرصہ کے بعد اس خاندان کے کچھ افراد بدایوں (یوپی) آگئے اور قنوج میں سکونت پذیر ہوئے۔ مغلیہ عہد کے ابتدائی زمانے میں ایک بزرگ اپنے اہل خاندان کے ساتھ گوپامو آکر آباد ہوگئے اور بڑی شہرت پائی۔ ان میں علماء، امرا بھی ہوئے۔ چنانچہ ان ہی میں سے شاہ جہانی عہد میں حاجی محمد انوارالدین نے اپنی بہادری سے اعلیٰ مرتبہ حاصل کیا۔ یہی حاجی محمد انوارالدین خاں کے فرزند محمد جان جہاں خاں تھے، جسے عالمگیر نے حاجی محمد انوارالدین خاں کی اپنے لئے خدمت جلیلہ کی وجہ سے عالمگیری عہد میں دو ہزاری ذات و دو ہزار سوار کے منصب پر فائز کیا۔ محمد ابرار حسین لکھتے ہیں۔

> ''عالمگیری عہد میں'دو ہزاری ذات و دو ہزار سوار' کے منصب پر فائز ہوئے۔ حضرت ممدوح الصدر بعد فراغ حج بیت اللہ و زیارت روضہ مطہر جب واپس ہوئے تو حسب الطلب شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر بمقام اورنگ آباد حاضر ہوئے جہاں شہنشاہ کا قیام تھا۔ مدینہ طیبہ میں حاضری کے زمانے میں خلیفۃ المسلمین کی طرف سے رسول اللہ صلعم کے روضہ مطہر کی جلیل القدر خدمت فراشی کی عزت نصیب ہوئی۔ فرامین سلاطین آل بزبان ترکی کی بابت خدمت فراشی اس وقت تک خاندان میں محفوظ ہیں۔ جو اَب کتب خانہ فاروقی کی ملکیت ہیں۔ اورنگ آباد ہی میں حضرت ممدوح نے بہ تاریخ 5 رمضان المبارک 1110ھ (1699ء) مختصر علالت کے بعد انتقال فرمایا۔ کچھ عرصہ تک نعش مبارک وہیں سپرد خاک رہی۔ اس کے بعد

حسب وصیت نعش اقدس اورنگ آباد (دکن) سے گوپا مولائی جا کر'' احاطہ مسجد معظم'' میں جہاں ایک مختصر سا خاندان قبرستان ہے سپرد خاک کی گئی۔ یہ مسجد اور قبرستان نواب صاحبؒ کے محل کے سامنے ہے۔ اس محل کا اب نشان بھی نہیں ہے بلکہ اس وسیع رقبہ میں اب کھیت ہے۔'' (37)

1699ء میں مختصر علالت سے انتقال کے بعد ان کے بیٹے محمد جان جہاں خاں کو عالمگیر نے تعزیتی فرمان روانہ کیا اور والد کی جاگیرداری منصب سے سرفراز فرما کر انوارالدین خاں والا جاہ کے نام سے یاد کیا۔ اور دربار شاہی کا بھی حکم دیا۔ اقتباس ملاحظہ ہو۔

'' شرافت و نجابت مرتبت ورفوت منزلت۔ خانہ زاد یک رنگ فدوی خاص الخاص بافرہنگ لائق الاحسانات والالطافات محمد خان جہاں...... دریں آوان...... خبر ارتحال فسوی خاص بالاختصاص شیخ اقدس حاجی محمد انوار الدین خاں بہادر ملال خاطر شد۔ کہ مرد خدا ترس و دیندار بود...... مارا از خود راضی داشت۔ خدا ئیش بیامرزد...... باید کہ آں زبدۂ خانہ زاداں راضی برضائے الٰہی باشد...... وخوار ابحضور اشرف واعلےٰ برساند۔'' (38)

انوارالدین خاں والا جاہ بہت جلد اپنی ذہانت وشجاعت اور محنت شاقہ سے مقبول ہوئے۔ انہیں نہ صرف عہد عالمگیری میں امتیازات ملے بلکہ دیگر مغل بادشاہوں نے بھی انعامات سے ممتاز فرمایا۔ عالم گیری نے انہیں 'خاں بہادر' محمد قطب الدین بہادر شاہ اول نے 'شہامت جنگ' اور محمد شاہ نے 'سراج الدولہ' کے خطاب سے مخاطب فرما کر آصف جاہ اول کے ماتحتی میں حیدرآباد کی صوبیداری پر مامور کیا (39)۔ ارکاٹ کے اس حکمران کو دکن کی تاریخ میں ممتاز حیثیت حاصل ہے۔ پائیں گھاٹ کے تمام علاقے اس کے مطیع وفرمانبردار تھے۔

انوارالدین خاں والا جاہ کا دورِ حکومت نہایت پُر آشوب رہا ہے۔ اس زمانے میں ساحل کارومنڈل پر مدراس اور پنڈیچری کے علاقوں میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کی تجارتی کوٹھیاں قائم ہوئیں اور نواب انوارالدین خاں کی تائید حاصل کرنے میں کامیاب رہے۔ یہ تعلقات تاریخ ہندوستان میں اہم ہیں کیونکہ یہیں سے انگریزوں نے اپنے قدم مضبوطی سے جمائے۔ اقتباس درج ہے۔

'' انگریزوں اور آصف جاہی خاندان کے تعلقات غالباً اس وقت

قائم ہوئے جب کہ آصف جاہ ارکاٹ آئے ہوئے تھے(1744) اور انہوں نے انگریز ایلچیوں کوشرف بار یابی بخشا۔اس روز سے مدراس کے انگریز اپنے آپ کودولت آصفیہ کے گویا زیر حمایت سمجھنے لگے تھے۔لیکن ڈیو پلے کی حکمت عملی کے سامنے ان کی پیش نہ گئی۔آصف جاہ اول کے انتقال کے بعد تخت وتاج کے لئے رسہ کشی شروع ہوئی تو فرانسیسیوں نے مظفر جنگ کا اور انگریزوں نے نواب ناصر جنگ کا ساتھ دیا۔یہ پہلا واقعہ ہے کہ کسی یورپی طاقت نے ایک ہندوستانی امیر کے خلاف دوسرے کا ساتھ دیا۔اس کے بعد تو یہی ان کا وطیرہ ہو گیا۔''(40)

انوارالدین خاں کی انگریزوں سے دوستی ڈیو پلے کو ناپسند تھی جس کی تسکین کے لئے اس نے چنداصاحب کو مرہٹوں کی قید سے چھٹکارہ دلا کر انوارالدین خاں کے مقابل لا کھڑا کیا۔ادھر حیدرآباد میں آصف جاہ اول کی وفات کے بعد ان کے فرزند ناصر جنگ اور نواسے مظفر جنگ میں خانہ جنگی شروع ہو گئی تھی۔ناصر جنگ نے انوار الدین خاں کا ساتھ دیا۔مظفر جنگ اور چنداصاحب نے ڈیو پلے کے ساتھ مل کر انوارالدین خاں پر حملہ کیا۔یہ عظیم معرکہ بمقام آمبور پیش آیا۔نواب انوارالدین خاں 77 سال کی عمر میں بڑی جوانمردی سے مقابلہ کرتے ہوئے عین معرکہ کارزار میں شہید ہو گئے۔حسب وصیت لاش حیدرآباد لائی گئی اور ان کے پیرومرشد حضرت میراں سید شاہ ولی اللہ محمد قادری (متوفی 1157ھ) کے مزار پائین تدفین ہوئی۔

شاہ ولی اللہ قادری کا سلسلہ نسب سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ سے ملتا ہے۔یہ ارکاٹ کی نہایت عظیم ہستی صوفی منش تھے۔انہوں نے انوارالدین خاں کی پہلی فتح کے متعلق پیشن گوئی کی تھی جو صحیح ثابت ہوئی۔نصیرالدین ہاشمی لکھتے ہیں کہ''آپ کے مرید ومعتقد ہو گئے تھے''۔مزید لکھتے ہیں،شاہ ولی اللہ نے اپنے والد شاہ حبیب اللہ قادری کے ہمراہ حیدرآباد کے محلہ مستعد پورہ میں قیام کیا اور یہیں 1157ھ میں انتقال ہوا۔حیدرآباد میں باغ گوردھن کے قریب مزار ہے جس کا احاطہ سنگ سیاہ سے محمد علی خاں والا جاہ نے تعمیر کروایا۔(41)

انوارالدین خاں کے لڑکے نواب محفوظ خاں اور نواب نجیب اللہ خاں گرفتار ہوئے اور محمد علی خاں والا جاہ ترچناپلی پہنچنے کے بعد ناصر جنگ کی مدد سے ارکاٹ آئے اور 1751ء میں نواب ناصر جنگ نے انہیں ارکاٹ کی صوبہ داری عطا کی۔انوارالدین خاں کی زندگی سلطنت کی توسیع اور استحکام کی جدوجہد میں بسر ہوئی،جس کی وجہ

سے علم وادب، تہذیب وشائستگی کے فروغ کا سامان مہیا کرنے کا موقع ہاتھ نہ آیا۔

8۔ نواب محمد علی خاں والا جاہ (1749 تا 1795ء)

ناصر جنگ کی موجودگی میں (1751ء) محمد علی خاں والا جاہ ارکاٹ کے صوبیدار بنائے گئے۔ ابتداء میں فرانسیسیوں کو دکن کی سیاست میں بڑا دخل حاصل ہو گیا تھا۔ مظفر جنگ اور صلابت جنگ کی تخت نشینی کے وہی ذمہ دار ہیں (42)۔ جب ناصر جنگ تخت نشینی کے بعد حیدرآباد لوٹ رہے تھے تو کرنول کے جاگیر دار ہمت خاں نے انہیں قتل کر دیا اور مظفر جنگ کی حکمرانی کا اعلان کیا۔ ارکاٹ میں چندا صاحب ناظم بنائے گئے۔ کچھ عرصہ بعد مظفر جنگ کا قتل ہوا تو محمد علی خاں نے انگریزوں کی مدد سے دوبارہ ارکاٹ پر مکمل قبضہ کر لیا۔

1760ء میں نواب محمد علی خاں نے پانڈیچری کو فتح کیا تو مغل حکمراں شاہ عالم نے اس فتح پر اظہار خوشنودی فرما کر نواب موصوف کو'' امیر الہند والا جاہ'' کے خطاب سے سرفراز کیا۔ 1765ء میں'' معاہدہ الہ آباد'' کی رو سے نواب محمد علی خاں والا جاہ آصف جاہی سلطنت کے تابع نہ رہے (43)۔ بہر حال اپنی خدمات ادا کرتے ہوئے 1795ء میں وفات پائی اور شہر ترچنا پلی میں حضرت نطہر نگر اولیاء کے گنبد کے متصل سپرد خاک ہوئے۔

نواب محمد علی خاں والا جاہ کا عہد حکومت جنگ وحرفت کا پُر آشوب دور گزرا۔ یہ دور تاریخ کے صفحۂ قرطاس میں مختلف حیثیتوں سے اہم اور یادگار ہے، کیونکہ ارکاٹ کی حکمرانی کی بساط کئی بار پلٹتی رہی۔ انگریزوں نے انوار الدین خاں کے بعد محمد علی خاں والا جاہ کو بھی اپنے فریب میں لے لیا۔ دوبارہ ارکاٹ حاصل کرنے میں ان کی مدد کی اور ان ہی کے تسلط سے اپنے قدم مضبوطی سے جمائے اور اپنے مقصد کو کامیاب ہوتا دیکھ رہے تھے۔

اسی دوران ارکاٹ ادبی لحاظ سے بھی ترقی کرتا رہا۔ خاندان نوائط کی ادبی روش کو آگے بڑھاتے ہوئے علم و ادب کی سرپرستی کی۔ محمد علی خاں کو عمارتیں تعمیر کرنے کا شوق تھا۔ رفاہ عام کے کاموں میں بھی گہری دلچسپی لی۔ چنانچہ اس عہد میں بکثرت مساجد، مزارات پر گنبد اور مسافر خانے تعمیر کئے گئے۔ اس عہد کی چار عمارتیں اہم اور یادگار ہیں۔

1۔ مدرسہ والا جاہی (گوپامو) یہ مدرسہ عرصہ دراز تک قائم رہا، جس میں قرآن وحدیث کا درس دیا جاتا رہا۔

2۔ قبہ مزار حضرت مخدوم اعز الدینؒ

3۔ جامع مسجد۔ یہ مسجد نواب والا جاہ بہادر کے حکم پر تعمیر کی گئی۔

4۔ عیدگاہ۔ یہ عیدگاہ بستی کے باہر مغرب وشمال کے جانب واقع ہے۔

خاندان انوری میں برسر اقتدار آنے والے نوابوں میں محمد علی خاں والا جاہ سب سے زیادہ اہم ہیں۔ انہوں نے ارکاٹ کی تاریخ کی تشکیل، تہذیب ارکاٹ کے فروغ اور دکنی اردو ادب کے سلسلے میں جو کارنامے انجام دیئے ہیں اور فن تعمیری، شعراء وعلماء کی قدردانی وسرپرستی کی وہ سنہرے حروف میں لکھے جائیں گے۔ نوابین ارکاٹ، سلاطین گولکنڈہ اور سلاطین مغلیہ اور سلاطین عادل شاہی کے روش کو اپناتے ہوئے اپنی رعایا میں مذہبی امتیاز کو روا نہیں رکھا۔ وہ انتہائی رواداراور روشن خیال ثابت ہوئے اور اس سلسلے میں عمایدین سلطنت میں وہ طبقہ جو حکومت میں اثر ورسوخ رکھتا تھا، ان میں ہندو بھی شامل تھے۔ شاہی فوج میں ہندوؤں کی بھاری تعداد موجود تھی اور وہ انتہائی اہم اور ذمہ دار عہدوں پر فائز تھے۔ دیوانی خدمات، صوبائی دفتر کی اہلکاری اور وزارت کے اعلیٰ ترین عہدے اور جاگیریں بھی مختص تھیں۔ ان میں کاشی پرشاد فدویؔ اور مکھن لال خردؔ کو 'رائے' کا خطاب دے کر پیشکاری اور منشی گری کی خدمت تفویض کی۔ مکھن لال خردؔ فن قطعہ تاریخ میں مہارت رکھتے تھے۔ انہوں نے والا جاہ کی فرمائش پر مسجد والا جاہی کا تاریخی قطعہ تحریر کیا جو آج بھی اس مسجد کے محراب پر کندہ ہے (44)۔ اس عہد کے دیگر شعراء میں لکھنو کے مشہور عالم الملک العلماء بحر العلوم مولانا عبدالعلی فرنگی محلی، سید شاہ عبدالقادر مہربان فخری اورنگ آبادی، شیخ محمد مخدوم ساوی اور خواجہ سید رحمت اللہ وغیرہ مشہور ہیں۔ ان کے دربار سے وابستہ کئی بلند پایہ مقامی شاعروں میں ولی ویلوری، شاہ تراب چشتی، سید شاہ ابوالحسن قربی ویلوری، سید والا موسوی، شاہ عثمان خاں سرور، ملک الشعراء میر اسمٰعیل خاں ابجدی، سید شاہ عبداللطیف قادری ذوقی، امین الدین احمد خاں وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ امراء میں نواب حافظ محمد منور خاں، امیر الہند بہادر امیر اور محمد علی خاں والا جاہ بھی دکنی اور فارسی کے قادر الکلام شاعر تھے۔

9۔ نواب عمدۃ الامراء ممتازؔ (1795 تا 1801ء)

ولی عہد نواب عمدۃ الامراء غلام حسین خاں بہادر نے 1795ء میں والا جاہ کے انتقال کے بعد ارکاٹ کی مسند شاہی پر متمکن ہوئے۔ شاہ عالم ثانی نے نواب غلام حسین خاں بہادر کو بذریعہ فرمان ''ڈرِ دریائے خاندان مصنوی اور گوہر معاون بتار سعادت موسوی'' سے مخاطب فرمایا۔ اس کے علاوہ عمدۃ الامراء ''معین الملک اسد الدولہ ذوالفقار جنگ سید سالار'' کے خطاب سے نواز کر ہفت ہزاری ذات ہفت ہزار سوار کا منصب اور کرناٹک پائین

گھاٹ وبالا گھاٹ کی سند التمغا سے سرفراز کیا۔(45)

نواب عمدۃ الامراء کا زمانہ حکومت صرف چھ سال رہا لیکن کافی تذبذب اور جنگی معرکہ آرائی کا دور رہا۔ 1799ء میں چوتھی جنگ میسور میں ٹیپو سلطان کی شہادت ہوئی۔ اس کے بعد جنوبی ہند میں انگریزی حکومت کا تسلط قائم ہوگیا۔ 15 جولائی 1801ء کو نواب عمدۃ الامراء کا انتقال ہوا۔ ترچنا پلی میں والد والا جاہ کے پہلو میں تدفین عمل میں آئی۔ عمدۃ الامراء کی وصیت کے مطابق 18 جولائی 1801ء کو نواب علی حسین خاں تاج الامراء ماجد مسند نشین ہوئے۔ تاج الامراء نہایت ذہین اور صاحب ذوق عالم تھے۔ انگریزوں کی عائد کردہ شرائط کو ماننے سے انکار کردیا، جس کے نتیجے میں لارڈ ویلزلی کے حکم پر انھیں شاہی تخت سے بے دخل کرکے ان کے چچیرے بھائی نواب عبدالعلی خاں عظیم الدولہ کو جانشین بنایا گیا اوران کی خودمختاری کا اعلان کردیا گیا۔

یہ دور سیاسی وسماجی افراتفری کے ساتھ ساتھ مذہبی اختلافات سے بھی دوچار رہا۔ مولانا بحرالعلوم، مولوی محمد غوث شرف الملک اور مولوی باقر آگاہ کے درمیان مذہبی تنازعات ہوئے۔ نواب عمدۃ الامراء نے میانہ روی اختیار کی۔ دوقدمہ میں عملاً کوئی حصہ نہیں لیا۔ اس خاموشی کی وجہ سے ان کے درمیان بدگمانیاں بڑھنے لگیں۔ عمدۃ الامراء نے ان گوناگوں انتشار اور تناؤ کے باوجود ریاست کے نظم ونسق کو متوازن رکھا۔ اس دور میں علم وادب کو بہت فروغ ملا۔ کئی اہل علم دور دراز سے ارکاٹ کا رُخ کر رہے تھے۔ عمدۃ الامراء نے ان کی سرپرستی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، جس کے نتیجے میں ارکاٹ میں شعروادب کا سنہرا سورج طلوع ہوا اور وہیں دکنی ادب کے فروغ میں بلاشبہ چار چاند لگ گئے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نواب اپنی رعایا پروری، علم دوستی اور رواداری کے لئے مشہور ہوئے۔ چنانچہ دہلی سے حافظ فضل علی ممتازؔ، حکیم الدین خاں تجملؔ، مغل شہزادہ مرزا علی بخت بہادر، اظفری گورگانی وغیرہ ارکاٹ آئے۔ اظفری، میرؔ کے خاص شاگردوں میں سے تھے۔ عمدۃ الامراء نے اظفر کے ذریعہ میر تقی میر کو ارکاٹ آنے کی دعوت دی۔ ''نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی پرواہ'' میرؔ ارکاٹ آ نہ سکے۔ تاریخ کے مطالعہ سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ تاجدار وقت نے مقامی شاعر کو بھی اپنے دربار کا حصہ بنایا۔ ارکاٹ کے شاعر اعزالدین خاں نامیؔ کو ملک الشعراء تسلیم کیا اور ''مستقیم جنگ'' کے خطاب سے اعزاز بخشا۔ مولوی باقر آگاہؔ اور ملک الشعراء میر اسمٰعیل خاں ابجدی، عمدۃ الامراء کے اتالیق رہے۔ ارکاٹ کے دیگر اہم شاعروں میں معجز ارکاٹی، غوثی ارکاٹی، فرخ بخش ارکاٹی، سرشار، وغیرہ شامل ہیں۔ ان شعراء کی قدردانی اور سرپرستی کے ساتھ ساتھ دکنی ادب کے بھی گیسو سنوارے۔ خود عمدۃ الامراء اردو کے ایک زبردست عالم اور پُرگو شاعر تھے اور ممتازؔ تخلص کرتے تھے۔ ایک دیوان مرتب کیا۔ اس دیوان کے قلمی

نسخے ادارہ ادبیات اردو، کتب خانہ سالار جنگ اور اسٹیٹ لائبریری حیدر آباد میں محفوظ ہیں۔

10۔ نواب عظیم الدولہ (1801 تا 1819ء)

عمدۃ الامراء کے انتقال کے بعد تخت و تاج ان کے بیٹے نواب عظیم الدولہ کے حصے میں آئے۔ وہ فطرتاً امن پسند اور حسن پرست واقع ہوئے تھے۔ اس لئے ایسٹ انڈیا کمپنی اور عظیم الدولہ کے درمیان ایک معاہدہ طے ہوا جس کی رو سے سلطنت کا سارا مالیہ، فوجی و ملکی انتظام کمپنی کے تصرف میں آ گیا اور اس کے معاوضہ میں نواب عظیم الدولہ کو سالانہ بارہ لاکھ اور مالگزاری کا پانچواں حصہ دینا طے ہوا۔ اس طرح انگریزی اقتدار کو پھلنے پھولنے کا پورا پورا موقع ملا۔ نواب عظیم الدولہ سے ارکاٹ کی نوابی حکومت برائے نام رہی۔ کمپنی کی طرف سے بطور وظیفہ کچھ مالیہ فراہم ہوتا رہا۔ لیکن یہ مالیہ ناکافی رہا۔ اپنی فضول خرچیوں کی وجہ سے ہمیشہ کمپنی کے قرضدار رہے۔ تقریباً اٹھارہ سال تک انگریزوں کے خلاف کوئی سازش کئے بغیر خاموشی سے زندگی بسر کی۔ آخر کار 13 اگست 1819ء کو خرابی صحت کے سبب انتقال کر گئے۔ مسجد والا جاہی کے احاطہ میں تدفین عمل میں آئی۔

سیاسی اور سماجی انتشار کی وجہ سے ارکاٹ میں دکنی ادب اٹھارہویں صدی کے اواخر میں شاہی سرپرستی سے محروم رہا لیکن اس کے باوجود تخلیقی کام جاری رہا۔ مولوی باقر آگاہ، حکیم عظیم الدین تجلی، شاہ غوث جامی، غلام محی الدین، مجبر ارکاٹی اور مرزا ناظفری گورگانی وغیرہ اپنے عروج کمال پر تھے۔ مولوی محمد غوث خاں بہادر نواب عظیم الدولہ کے دیوان تھے۔ انہیں ''شرف الملک شرف الدولہ غالب جنگ'' کے معزز خطاب سے نوازا گیا تھا۔

11۔ اعظم جاہ (1820 تا 1825ء)

نواب عظیم الدولہ کی وفات کے چھ ماہ بعد ان کے بڑے صاحبزادے نواب منور الدین خاں اعظم جاہ بہادر کو جانشین بنایا گیا۔ کمپنی نے اس برائے نام حکمرانی کو ختم کرنا چاہا کیونکہ نواب عظیم الدولہ اور کمپنی کے درمیان کئے گئے معاہدہ میں کوئی نوابی موروثی حیثیت کا کوئی ذکر موجود نہ تھا۔ پھر بھی وظیفہ یاب نواب کی حیثیت سے اعظم جاہ مقیم رہے۔

احمد خاں اعظم الملک ان کے دیوان تھے۔ مولوی عبدالوہاب کو شرف الملک شرف الدولہ اور محمد غوث خاں بہادر کو غالب جنگ' کا خطاب دے کر میر سامانی کی خدمت پر مامور کیا۔ ان کے بڑے بھائی مولوی محمد صبغۃ اللہ کو

'بدرالدولہ' کا خطاب دے کر صدر الصدور کے عہدے پر فائز کیا گیا۔ اسی خاندان کے ایک اور معزز و معتبر شخص مولوی صفی الدین محمد ناصر کو 'خاں بہادر' کا خطاب دیا اور حیدرآباد کے ایجنٹ کی حیثیت سے اعزاز بخشا۔ ان کے علاوہ سید قائم نواز خاں کو ترچناپلی کی نظامت عطا کی گئی۔

اعظم جاہ دین دار شخصیت کے حامل تھے۔ ان کے اندر مذہبی پہلو نمایاں تھے۔ انہوں نے 1823ء میں ناگور، ترچناپلی اور ارکاٹ کی مختلف درگاہوں کی زیارت کی۔ اس سفر میں نواب اعظم کے ہمراہ غلام عبدالقادر ناظر بھی تھے۔ اعظم جاہ کے حکم کی تعمیل میں ناظر نے اس سفر کی تفصیلی روداد فارسی زبان میں 'بہار اعظم جاہی' قلمبند کی۔ نادر بھی اس عہد کے اہم شاعر گزرے ہیں۔ انھوں نے بھی اردو میں 'سفرنامہ اعظم جاہ' کے تاریخی نام سے مثنوی کی ہیئت میں لکھا۔ اس کا ایک قلمی نسخہ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد کی زینت ہے۔ ناظر کے فارسی سفرنامہ کا انگریزی زبان میں ترجمہ مدراس یونی ورسٹی کی جانب سے شائع ہوا ہے۔ نواب اعظم جاہ کے دربار سے یوں تو کئی شاعر وابستہ تھے، اس وقت نامیؔ اپنے عروج کمال پر تھے اور ان کا شمار ارکاٹ کے ممتاز اساتذہ میں ہونے لگا۔ قاضی بدرالدولہ اس دربار میں قاضی کے عہدے پر مامور تھے اور دیگر شعراء میں محمد غوث شرف الملک، قاضی بدرالدولہ، احمد خاں اعظم الملک، غلام عبدالقادر ناظر، مستقیم جنگ نامیؔ، مولوی حفیظ اللہ خاں، وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

12۔ نواب محمد غوث خاں اعظمؔ

1825ء میں اعظم جاہ رحلت فرما گئے تو اس وقت ولی عہد نواب محمد غوث خاں اعظم بہت کم عمر تھے۔ چنانچہ 1826ء میں ان کو ولی عہد کی حیثیت سے اختیارات حاصل تھے لیکن سلطنت کاروبار سے آزاد تھے۔ محمد غوث خاں سے متعلق نصیر الدین ہاشمی لکھتے ہیں۔

> '' اس زمانے میں روساء ارکاٹ سے حکومت کرناٹک متعلق نہیں تھی۔ بلکہ وہ کمپنی کے وظیفہ خوار تھے ...... اس طرح اعظم سلطنت کے کاروبار سے آزاد تھے۔ بچپن سے کوئی سرپرست نہیں تھا۔ اس لئے سن شعور میں مختلف اقسام کے شوق ہوتے گئے، کبھی تو رنگریزی کا شوق ہوا، اس کی سرپرستی کی گئی، کبھی پکوان سے دلچسپی ہوئی۔ صدہا اقسام کے کھانے ایجاد ہوئے، کبھی شعر گوئی سے دلچسپی رہی، زبردست مشاعرے ہوتے

رہے۔ کلام پر اعتراضات کئے جاتے اور مناظرہ ہوتا، غرض اعظم کے
زمانے میں فارسی شاعری کا خوب چرچا رہا۔'رسالہ اردو' میں مولانا محویؔ نے
اس کے متعلق پوری تفصیل بیان کردی ہے۔ اعظم کا سب سے بڑا کارنامہ
جو آج تک باقی ہے مدرسہ اعظم ہے جس نے اب محمڈن کالج کی صورت
اختیار کرلی ہے۔'' (46)

محمد غوث خاں کو امور خانہ داری کے ساتھ ساتھ شعر گوئی، محفل مشاعرہ اور کلام پر تنقیدی بحث وغیرہ سے دلچسپی رہی۔ اس طرح اس دور میں شعر و ادب کی خوب گرم بازاری رہی۔ اس وقت ارکاٹ کی عام بول چال کی زبان دکنی اردو رہی اور فارسی تحریری زبان تھی۔ بادشاہ کی اس غیر معمولی دلچسپی کا اثر عوام وخواص دونوں پر پڑا اور اس زبان اور اس کے ادب سے واقفیت، تہذیب و شائستگی کی علامت سمجھی جانے لگی۔ خصوصاً آگاہ کے شاگرد اپنے فن میں عروج کمال پر تھے۔ دوسری طرف شمالی ہند میں فصیح و خالص اردو زبان کا چرچا تھا۔ ناسخؔ، آتشؔ لکھنو میں، مومنؔ اور ذوقؔ دہلی میں شاعری کے روشن چراغ تھے۔ شمال کے شعراء جنوبی ماحول سے متاثر ہوئے اور دربار ارکاٹ سے رجوع ہونے لگے۔ اس طرح اردوئے معلا کا اثر جنوبی ہند کے شعراء پر ہونے لگا۔ یہاں کے شعراء فارسی اور دکنی اردو کے ڈگر سے نکل کر اردو کے رنگ میں رنگتے گئے۔ فارسی آمیز دکنی کے بجائے خالص اردو غالب ہونے لگی۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کے شعراء نے نثر سے زیادہ نظم نگاری کو اولیت دی۔ مذہبی کتابیں تخلیق و شائع ہونے لگیں اور بہت جلد اسی زمانے میں صحافت کا بھی رواج عام ہونے لگا۔ اس کے ساتھ ساتھ فنون لطیفہ اور تہذیب و تمدن کو فروغ پانے کا بھرپور موقع عطا ہوا۔ محمد غوث خاں اعظم جاہ خود اردو اور فارسی کے قابل ذکر شاعر و تذکرہ نویس تھے۔ ان کے دو فارسی تذکرے ''صبح وطن'' اور'' گلزار اعظم'' ہیں جو فارسی اور اردو کے شعراء کے حالات زندگی اور ان کے کلام پر مشتمل ہے۔

محمد غوث خاں اعظم جاہ کے بعد شعر وسخن کا بازار سرد پڑ گیا۔ شعراء کا ایک بڑا مجمع ارکاٹ کو خیر باد کہہ کر فرخندہ بنیاد حیدرآباد اور دیگر مقامات کو چلا گیا۔ ان میں حبیب اللہ ذکا، عبدالعلی والاؔ، عارف الدین رونقؔ، واصفؔ، راقم وغیرہ موجود تھے۔ مختصر یہ کہ 1744ء سے 1855ء تک والا جاہی حکمرانوں نے بڑی شان وشوکت اور تزک و احتشام کے ساتھ ارکاٹ پر عادلانہ حکومت کی اور اس کو ہمہ جہتی ترقی کا راستہ دکھایا لیکن 1855ء میں اس عظیم نوابین سلطنت کو ایسا زوال آیا کہ برسر اقتدار خاندان کا نام ونشان مٹ گیا۔ محمد غوث خاں اعظم جاہ کے انتقال کے

بعد نوابی سلسلہ اور اس کے اعزاز و مناصب بالکل ختم کر دیئے گئے۔ اعظم جاہ اور ان کے جانشینوں کو صرف شاہزادہ ارکاٹ کے لقب سے ملقب کیا گیا اور چند ہزار کا وظیفہ مقرر کر دیا گیا۔ اعظم جاہ کے دو بیٹے ظہیر الدولہ اور انتظام الملک یکے بعد دیگرے پرنس آف ارکاٹ کے لقب سے وظیفہ پاتے رہے۔ آخر الذکر پرنس انتظام الملک کے بیٹے منور خاں اور ان کے بیٹے سر محمد علی خاں بہادر پرنس آف ارکاٹ رہے۔

الغرض ارکاٹ جو کبھی وسیع رقبہ پر محیط کرناٹک کہلاتا تھا تاریخ کے اوراق میں اہم مقام و مرتبہ کا حامل ہے۔ مغل حکمرانوں کے وفادار اور صوبہ دار یہاں کے نواب کہلائے۔ اور اپنی خدمات عالیہ سے ہندوستان کی عظیم سلطنتوں کے ٹوٹنے و بکھرنے کے بعد شعراء کی سرپرستی میں گامزن رہے۔ اس طرح ارکاٹ میں دکنی ادب کو سینچا گیا، جس سے ادب میں گراں قدر اضافہ ہوا۔ اور ساتھ ہی ساتھ یہاں کی تہذیب و ثقافت کو بھی فروغ ملا۔

حوالے:

1۔ عبدالمجید صدیقی، مقدمہ تاریخ دکن، 1940ء حیدرآباد، ص104

2۔ ڈی راما نجاراؤ، زینت ساجدہ، تلگو ادب کی تاریخ، نومبر 1960ء حیدرآباد، ص16، 20، 28، 34

3۔ نصیرالدین ہاشمی، یورپ میں دکنی مخطوطات، 1932ء حیدرآباد، ص421

4۔ عبدالغفار شکیل، مضمون 'تاریخ ادب اردو کرناٹک، مشمولہ کرناٹک میں اردو کا آغاز و ارتقاء سنہ اشاعت 1994ء بنگلور اردو اکیڈمی، ص130

5۔ مدراس کے مختلف تاریخی نام تھے مثلاً چیناپٹنم، چینن پٹن اور چیناپٹن وغیرہ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مقامی رئیس راجہ وینکٹ پتی رایل کے دربار سے وابستہ ایک بہادر چینا نایک نے اپنی شجاعت و بہادری سے ویلور فتح کیا تھا۔ اسی مناسبت سے یہ علاقہ اسی راجہ کے نام کی نسبت سے مشہور ا۔ فارسی تذکروں اور قدیم تاریخی بیاضوں میں مدراس کا قدیم نام چیناپٹن ہی ملتا ہے۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو محمد ابرار حسین فاروقی ''ماثر دلاوری''

6۔ History of Tamil Nadu - Wikipedia Online

7۔ نصیرالدین ہاشمی، مدراس میں اردو، سنہ اشاعت 1938ء، ص9

8۔ Muhammed Yousuf Kokan 'Arabic and Persian in Carnatic' 1210 to 1960, published 1974, p.no.3

9۔ یوسف کوکن عمری'' خانوادۂ قاضی بدرالدولہ'' ص214 جلد اول

10۔ ڈی راما نجاراؤ، زینت ساجدہ، تلگو ادب کی تاریخ، ص51

11۔ عتیق انور صدیقی، ہندوستان۔ تاریخ وثقافت اور فنون لطیفہ' سنہ اشاعت 1993ء، ص47

12۔ عادل شاہی کرناٹک بالاگھاٹ کا صدر مقام بھی یہی تھا اور بیجاپور کا گورنر ندولہ خاں یہیں رہتا تھا۔ یہ مقام بنگلور سے شمالی جانب 75 میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ عبدالمجید صدیقی، تاریخ دکن، ص104

13۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، دکن کی سیاسی تاریخ، ص32

14۔ افضل الدین اقبال، مدراس میں اردو ادب کی نشوونما، ص72

15۔ نصیرالدین ہاشمی، مدراس میں اردو،ص12
16۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، دکن کی سیاسی تاریخ،ص48
17۔ ایضاً ص75
18۔ افضل الدین اقبال، مدراس میں اردوادب کی نشوونما،ص97،74
19۔ Madras in old times, p.no.358
20۔ ڈی رامانجاراؤ، زینت ساجدہ، تلگوادب کی تاریخ۔ص51
21۔ عبدالمجید صدیقی، مقدمہ تاریخ دکن،ص105
22۔ عزیز جنگ ولا، تاریخ النوائط، سنہ اشاعت 1976ء۔ص12
23۔ حضرت جعفرطیارؓ، حضرت علیؓ کے بھائی اور رسول ﷺ کے ابن عم تھے۔ ان کو طیار کا لقب عطا ہوا تھا۔ لوگ آپ کو حاجت مندوں کا باپ کہتے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ جناب رسالت مآب کے بعد حضرت جعفرؓ سے زیادہ قابل بزرگ کوئی نہیں تھا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ عزیز جنگ ولا، تاریخ النوائط۔
24۔ عزیز جنگ ولا، تاریخ النوائط،ص31
25۔ مولانا سلیمان ندوی، عربوں کی جہاز رانی،ص۔۔۔
26۔ یوسف کوکن عمری، خانوادہ قاضی بدرالدولہ،ص۔۔۔
27۔ حسن الدین احمد، ایم۔اے، مضمون 'اہل نائط کا مستقبل' مشمولہ کتاب تحفۃ المصنفین ' مرتبہ قمر خلیل نائطی، 1963 سنگاریڈی، اے پی۔ص201
28۔ عزیز جنگ ولا، تاریخ النوائط،ص31
29۔ عبدالمجید صدیقی، مقدمہ تاریخ دکن،ص105
30۔ افضل الدین اقبال، مدراس میں اردوادب کی نشوونما،ص88
31۔ ایضاً، ص87
32۔ عزیز جنگ ولا، تاریخ النوائط،ص364
33۔ نصیرالدین ہاشمی، مدراس میں اردو،ص134

34۔ افضل الدین اقبال، مدراس میں اردو ادب کی نشوونما، ص99
35۔ حبیب النساء بیگم، جواہرات میسور 1967ء میسور۔ ص3
36۔ محمد نجم الغنی خاں، تاریخ ریاست حیدرآباد دکن، ص128
37۔ محمد ابرار حسین فاروقی ''ماثر دلاوری'' ص27،28
38۔ ایضاً
39۔ ایضاً ص29
40۔ ڈی رامانجاراو، زینت ساجدہ، تلگو ادب کی تاریخ، ص51
41۔ نصیر الدین ہاشمی، کتب خانہ آصفیہ کے اردو مخطوطات 1961ء۔ ص228،229
42۔ ڈی رامانجاراو، زینت ساجدہ، تلگو ادب کی تاریخ، ص52
43۔ محمد ابرار حسین فاروقی ''ماثر دلاوری'' ص37
44۔ افضل الدین اقبال، مدراس میں اردو ادب کی نشوونما، ص113
45۔ محمد ابرار حسین فاروقی ''ماثر دلاوری'' ص38
46۔ نصیر الدین ہاشمی، مدراس میں اردو، ص64

حصہ (ب)

ارکاٹ میں اردو شاعری کی روایت

(عہد نامی تک)

”جنوبی ہند اجالوں کا دیس ہے، یہاں کی فضاؤں میں صدیوں تک صوفیوں کا سرمدی نغمہ گھلتا رہا اور ہدایت کے شمعیں جگمگاتی رہیں۔ اولیاء اور صوفیاء نے اسی زمین پر اخوت کے ابدی نقش چھوڑے صداقت کے امر گیت گائے اور عشق کا پرچار کیا“۔

سیدہ جعفر

دکنی اردو کی قدیم شکل ہے یہ قدیم شکل عام طور پر ان باشندوں میں رائج تھی جو دکن کے مستقل اور اصلی باشندے تھے یا ان مہاجرین کے اسلاف تھے جو عرب وایران سے آ کر آباد ہو کر سکونت اختیار کی، جنہوں نے آج سے کئی صدیوں پہلے مغربی ساحل سے ہوتے ہوئے جنوبی ہند میں آباد ہو گئے تھے۔ سلطنت وجیانگر کے بعد بہمنی حکومت کا آغاز ہوا یہی سردار جنوبی ہند میں پھلتے پھولتے رہے اور مشترکہ تہذیب اور متحدہ قومیت کی علامت بن گئے۔ اس سے متعلق ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

''وجیانگرم کی سلطنت کے قیام کے گیارہ سال بعد بہمنی حکومت (1347) عالم وجود میں آئی جس کے بانی وہ ترک سردار تھے جنہیں امیر ان صدہ کہا جاتا ہے۔ انہیں جنوبی ہند کے مفتوحہ علاقے کی نگرانی ملگزاری کی وصولی، قیام امن اور فوجی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے سلطنت دہلی کی طرف سے مامور کیا گیا تھا۔ موضعات ان کے تحت تھے اور ان کے بے شمار خاندان دکن کے طول وعرض میں آباد ہو گئے تھے یہی لوگ دراصل دکن کی متحدہ قومیت اور مشترکہ تہذیب کے بانی ہیں جس کو پندرھویں صدی اور اس کے بعد بڑا فروغ ہوا۔ چودھویں اور پندرھویں صدی میں جو لوگ اپنے آپ کو دکنی کہتے تھے وہ ان ہی کی اولاد تھے''(1)

جب ہندوستان کا جنوبی اور شمالی حصہ سیاسی طور پر جدا ہوا تو زبان بھی دو حصوں میں تقسیم ہوئی۔ ایک دکنی اردو اور دوسری شمالی اردو جسے بعد میں اردوئے معلا سے بھی جانا گیا۔ دکن میں جس زبان میں ادب تخلیق ہوا اسے دکنی ادب سے تعبیر کیا گیا اس تناظر میں سید محی الدین قادری زور لکھتے ہیں۔

''دکنی ادب اصل میں اردو کا وہ قدیم ادب ہے جو مغلوں کے اقتدار

دکن سے پہلے لکھا گیا ہے چونکہ اٹھارویں صدی سے پہلے ملک کے کسی خطے
میں اس زبان کو ادبی اغراض کے لئے استعمال نہیں کیا گیا تھا اور صرف
ہندوستان کے جنوبی علاقوں میں اس میں کتابیں اور طویل نظمیں اور غزلیں
لکھی گئی تھیں۔ اس لئے اس کو دکنی ادب کہا جاتا ہے"(2)

اس اقتباس سے صاف طور پر عیاں ہے کہ دکنی زبان دکن کے علاقوں میں ابھری اور ادبی طور پر اس کی خوب پذیرائی ہوئی۔ دکنی اردو کا قدیم ترین ادب اسی کو سمجھا جاتا ہے جو دکن کے مشہور علاقے گلبرگہ، بیدر، بیجاپور، گولکنڈہ اورنگ آباد اور ارکاٹ (کرناٹک) میں رائج تھا۔ یہاں کے ادیبوں اور شاعروں نے جو ادب تخلیق کیا تھا وہ آج بھی صدیاں گزر جانے کے باوجود خانگی وسرکاری کتب خانوں میں قلمی بیاضوں ومخطوطات کی شکل میں محفوظ ہے اور یہ ذخیرہ اب ترتیبی وتدوینی مراحل سے گذر کر منظر عام پر آرہا ہے۔

جنوبی ہند کا جو قدیم ادبی سرمایہ ہے وہ زیادہ تر مذہبی موضوعات پر مبنی ہے۔ جب اہم ارکاٹ کے دکنی ادب کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مذہبی ادب کا سنگ بنیاد دراصل یہیں رکھا گیا ہے۔ جنوبی ہند کا ایک اہم علاقہ ارکاٹ ہے یہاں کی تہذیب وتمدن اور علمی ادبی تاریخ کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔ یہاں کی ادبی تاریخ سنہرے حروف میں لکھنے کے قابل ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ شمالی ہند کے مقابل میں جنوبی علاقہ دکن میں تاریخی ومذہبی موضوعات پر اعلیٰ اور ضخیم کتابیں لکھی گئی ہیں۔ یہاں اردو شاعری کی جس صنف کو سب سے زیادہ فروغ ملا وہ صنف مثنوی ہے۔ ارکاٹ کی اردو شاعری کی روایت تقریباً دوسوسال کے عرصہ پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس عرصہ میں سرزمین ارکاٹ سے ایسے ذی فکر و ادیب ابھر آئے ہیں جو نہ صرف دکن میں بلکہ بیرونی علاقوں میں بھی مشہور ہوئے۔

ارکاٹ کی شعری روایت کا جائزہ لیتے ہوئے اس بات کا جاننا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کا باقاعدہ پہلا شاعر کون ہے؟ تاریخ کی کتابوں میں اس طرف کوئی اشارہ باضابطہ طور پر نہیں ملتا البتہ افضل الدین اقبال نے اپنی تصنیف "مدراس میں اردو ادب کی نشوونما" کے پہلے باب کے آخری حصہ میں بعنوان "کرناٹک میں دکنی زبان کے اولین نمونے" کے تحت نصرتی کا تذکرہ پہلے کیا ہے بعد از اں مومن، شاہ سلطان ثانی، شغلی بیجاپوری، مرتضیٰ گیانی اور صادق ارکاٹی کے حالات درج ہیں جبکہ علیم صبا نویدی نے اپنی تصنیف "تمل ناڈو کے مشاہیر ادب" اور "تمل ناڈو کے صاحب تصنیف علماء" اور دیگر تصانیف کی فہرست میں شاہ سلطان ثانی کا تذکرہ پہلے کیا ہے۔

عادل شاہی سلطنت کا مشہور شاعر ملک الشعراء نصرتی ہے۔ تذکرے اور تاریخ کی کتابیں اس بات کے شاہد

ہیں کہ نصرتی کرناٹک کا باشندہ ہے اور حاکم کرناٹک کے قرابداروں سے اس کا تعلق ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ مدت تک کرناٹک میں رہا پھر سیر کرتا ہوا بیجاپور پہنچا یہاں اس وقت علی عادل شاہ کا زمانہ اپنے شباب پر تھا۔ بار یاب ہوا، منصب عمدہ سے سرفراز ہوا۔ (3) ڈاکٹر جمیل جالبی کا بیان ہے کہ نصرتی خود کو اہل دکن سے الگ محسوس کرتا ہے (4) نصرتی کی ایک رباعی درجہ ذیل ہے جس میں نصرتی اہل دکن کی بے وفائی کا گلا کرتا ہے۔

یاراں دکن کس سوں وفائی نہ کریں
ہوئیں تو بلند بخت بھلائی نہ کریں
خوبی سوں تو میں ان کی کیا قطع نظر
اپکار ہے گھر پھر کو برائی نہ کریں

مزید ایک اور شعر دیکھئے جس میں نصرتی دکن کے شاعروں سے خود کو الگ کہتا ہے۔

دکھن کے شاعروں کی میں روش پر شعر بولیا نیں
ہوا کیا سب گذر گے یو دیکھو حاضر دو دفتر ہے

نصرتی کی تین تصانیف یادگار ہیں مثنوی گلشن عشق (1657) مثنوی علی نامہ (1665) اور دیوان نصرتی، اس دیوان میں ایک مثنوی تاریخ اسکندری شامل ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نصرتی کے کلام کی خصوصیت و انفرادیت کے بارے میں لکھتے ہیں۔ اقتباس

''نصرتی کے طرز کی یہی انفرادیت ہے کہ اس نے ہندی و فارسی دونوں کے ہنر کو ملا کر ایک نئی تخلیقی صورت بنائی اس عمل پر بیجاپوری اسلوب کو نئی توانائی اور قوت اظہار بخشی۔'' (5)

الغرض نصرتی دکنی ادب کا بلند پایہ شاعر ہے۔ اس کی یہ طویل مثنویاں دکنی ادب کی شہکار ہیں۔ نصیرالدین ہاشمی نصرتی اور عبدالمومن کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''سلطنت بہمنی کے زوال پر بیجاپور کی عادل شاہی اور گولکنڈہ کی قطب شاہی حدود میں کرناٹک کا بڑا حصہ شامل ہو گیا۔ یہاں کے شاعروں اور ادیبوں میں یقیناً کرناٹک کے باشندے بھی شامل تھے۔ چنانچہ نصرتی کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ کرناٹک کا باشندہ تھا۔ یقینی طور پر ہم جس

ارکاٹ کے شاعر کو پیش کرتے ہیں وہ مومنؔ ہے'' (مدارس میں اردو، ص 17)

کرناٹک کے قدیم شعراء میں عبدالمومن کا نام اہم ہے۔'اردوئے قدیم'' کے مصنف شمش اللہ قادری اور 'دکن میں اردو' کے مصنف نصیرالدین ہاشمی نے مومن کو چیناپٹن (مدراس) کا باشندہ اور فرقہ مہدویہ کا پیرو لکھا ہے۔ مومن کی ایک مثنوی ''اسرارعشق'' کا پتہ چلتا ہے جو 1092ھ (1682ء) میں لکھی گئی ہے۔ دکنی کی ایک ضخیم مثنوی ہے۔ یہ مثنوی چوبیس مقالات پر مشتمل ہے اور جملہ اشعار کی تعداد پانچ ہزار دوسو تیئیس (5223) ہے۔ اس مثنوی میں فرقہ مہدویہ کے بانی سید محمد جونپوری کے حالات زندگی کا بیان ہے۔ مزید اس میں تصوف کے نکات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مومن سید ابراہیم کے مرید تھے۔ شجرہ بیت کے سلسلہ کا نقشہ افضل الدین اقبال نے ''مدراس میں اردو ادب کی نشوونما'' میں دیا ہے جس میں سید محمد مہدی جونپوریؒ کی وساطت سے سید ابراہیمؒ سے جاملتا ہے۔

مومنؔ نے کلام میں عام بول چال کی زبان کا استعمال کیا ہے جو کہ اس عہد میں بولی، سمجھی جاتی تھی۔ تصوف کے نکات سے متعلق چند اشعار ملاحظہ ہو

تصور میں حقیقی ہور مجازی
جدا کوئی کیوں کرے یو عشق بازی
سبب تیرا ہے یو سب عشق بازی
سراسر کیا حقیقی کیا مجازی

....

خلفاء راشدین کے متعلق لکھتے ہیں

....

علیم راز و یار غار خاصہ — کہ تھا لائق پیغمبری آج
خلافت پا محمد مصطفٰی کا — نشاں محوا کیا ضورو جفا کا
منور صاحب نورین کامل — کہ تھا جس نور نور حق و پاک کردار
فضیلت جی خدا پیدا کیا تھا — علی شاہ مرداں کوں دیا تھا
انیس محرم وزوج بتول او — جیب قرۃ العین رسول ا و (16)

چنداور شعر ملاحظہ ہو

کھولتے تھے اگن میں تیر بازی — دکھاتے تھے فلک کو تیغ بازی
سمنداہ کا بلے صرصر سچی تھی — کبھی نگری کی بجلیاں کی پچی تھی
یوں ہور برق ملوی آگ کوں ناؤ — جلالت کا دکھا رہے سور کی بہاؤ
ارے توں ازل سوں شاہ کا جام — کیا تیرے طلب کا خوش سرانجام

شاہ سلطان ثانی (1018ھ م 1609ء) کرناٹک کے بڑے صوفی شاعر گذرے ہیں۔ ڈاکٹر زور نے انہیں کرنول کے قرب و جوار کا رہنے والا بتایا ہے۔ (7) محمد سخاوت مرزا لکھتے ہیں کہ حضرت شاہ سلطانؒ سلطاب عبداللہ قطب شاہ کے معاصر اور دور قطب شاہی کے پانچویں صاحب دیوان دکھنی شاعر تھے جن میں محمد قلی قطب شاہ، محمد قطب شاہ عبداللہ قطب شاہ ملک الشعراء غواصی اور شاہ سلطانؒ ہیں ایک جگہ اور لکھتے ہیں کہ ہمارا خیال ہے کہ شاہ صاحبؒ ایک وسیع المشرب اور بیجاپوری بزرگ تھے اور ان کے تعلقات نہ صرف بیجاپور بلکہ احمد نگر اور گولکنڈہ سے بھی تھے اور حلقہ پیری مریدی بہت وسیع تھا۔ (8) شاہ سلطان کی شہرت ایک غزل گو شاعر کی حیثیت سے ہے۔ اس سلسلے میں علیم صبانویدی لکھتے ہیں۔

''دکنی کے وہ اولین غزل گو شاعر ہیں جن کے کلام کی جنوبی ہند کے
متعدد علاقوں میں وسیع پیمانے پر پذیرائی ہوئی۔'' (9)

شاہ سلطان دکنی زبان پر بڑی مہارت رکھتے تھے۔ اس عہد میں محمد قلی قطب شاہ غواصیؔ، عبداللہ قطب شاہ، نصرتیؔ اور ہاشمیؔ بیجاپور وغیرہ جیسے بڑے بڑے شعراء کی شاعری عروج پر تھی۔ ان کی شاعری کا اثر شاہ سلطان کی شاعری پر بھی ہوا چند اشعار ملاحظہ ہو۔

تج لکھ پہ لٹ ہے یوں، جیوں مہ پرا بر پڑیا ہے
یا چاند غرب میں جیوں تھوڑا اتر پڑیا ہے
تج خاں رخ پو چشمت یا یوں ہے اسے شکر لب
دو باز آکے جھپٹے جوں زاغ ڈر پڑیا ہے
تج خاں اگل اے خوباں یوں ہے خیال رخ مل
سلطان کے صدا پر جیوں خوش سپر پڑیا ہے۔

ایک اور غزل کے کچھ شعر دیکھیے

مکھڑا ترا یو دیکھ پری سار آفتاب
ہر صبح آ کھڑا تیرے دربار آفتاب

ہر روز چڑسماپو تجھے دیکھ ہر خجل
پڑتا ہے جاستم فی البار آفتاب

ہر روز تجکوں دکھ سے سلطان حسن سن
پھرتا ہے تج اوپرتے اپس وار آفتاب

شاہ سلطان ثانی کے کلام کے مطالعہ سے ان کی شاعرانہ خوبیاں اور قادرالکلامی کا اندازہ ہوتا ہے ان کا یہ ضخیم دیوان تین ہزار پانچ سو اشعار پر مشتمل ہے۔ ان کی شعری صلاحیتوں اور ان کے عہد کا جائزہ لیتے ہوئے مولوی سخاوت مرزا لکھتے ہیں۔

''شاہ صاحب (شاہ سلطان) بڑے مستغنی الاوصاف تھے ایسے زمانے میں جب کہ سلطان محمد قلی قطب شاہ محمد قطب شاہ اور عبداللہ قطب شاہ جیسے دریادل ودرداں، علم وفضل موجود تھے اور ان کے جود وصفا کا سمندر موجیں مار رہا تھا۔ وجہی، غواصی، افضل اور دیگر شعرائے ایران ان سلاطین کی بحر بخشش سے نہال اور طب اللسان تھے۔ آپ کے ضخیم دیوان میں کوئی ایسا شعر نہیں ملا جو کسی سلطان وقت یا امیر کی شان میں کہا ہو۔ محمد قلی قطب شاہ، غواصی، وجہی اور شاہ سلطان اردو زبان کے معمار ہیں۔ الفاظ کی تراش وخراش جدت پسندی، تنوع مضامین اور قافیہ پیمائی میں کمال کر دیا ہے بلکہ شاہ سلطان تو دو قدم اور آگے بڑھ گئے ہیں۔'' (10)

اس اقتباس میں سخاوت مرزا نے شاہ سلطان کے زمانے کا جائزہ لیتے ہوئے دکنی اردو کے بڑے شاعروں کی فہرست میں ان کی شعری صلاحیتوں کی بناء پر ادب میں بلند مقام عطا کرنے کی کوشش کی ہے۔ شاہ سلطان کی تصانیف کلیات سلطان، دیوان سلطان، معراج نامہ منظوم (دکھنی) زنجیرہ شاہ سلطان (نثر دکھنی) دارالاسرار (نثر دکھنی) رسالہ وجودیہ (نثر دکھنی) متفرق کلام وغیرہ ہیں۔ فارسی نثر میں کشف الطریقین (تصوف) کشف الوجود

شرح دارالاسرار اہم ہیں۔

شاہ سلطان ثانی کے کئی مرید ہیں۔ یہاں ارکاٹ سے متعلق شاعروں کا جائزہ پیش کرنا مقصود ہے لہٰذا ارکاٹ سے تعلق رکھنے والے مریدوں میں شاہ مرتضٰی گیانی اور شاہ صادق ارکاٹی اہم ہیں۔

شاہ مرتضٰی گیانی ارکاٹ میں ایک بلند مرتبہ کے صوفی بزرگ تھے۔ ان کی حالات زندگی سے متعلق معلومات نہیں ملتیں۔ البتہ ان کی ایک مثنوی 'وصل نامہ' کا پتہ چلتا ہے۔ یہ مثنوی ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد میں محفوظ ہے۔ اس کا موضوع تصوف ہے جس میں وحدت الوجود کے مسائل کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ انسان یادالٰہی میں عشق مجازی سے بے نیاز ہو کر خدا سے لولگانا چاہتا ہے تو وہ کسی معتبر صوفی کا مرید بنے اور مرشد کے بتائے ہوئے نیک راستوں پر عمل کرے جس سے خدا کا عرفان حاصل ہو جائے۔

شاہ مرتضٰی کا ایک مکمل دکنی اردو دیوان ہے۔ افضل الدین اقبال اطلاع دیتے ہیں کہ یہ دیوان الحاج احمد خاں صاحب درویش حیدرآباد کے پاس محفوظ ہے اور مزید لکھتے ہیں۔ شاہ مرتضٰی نے اپنے دیوان کے ہر مقطع میں اپنے مرشد کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اسی طرح مثنوی 'وصل نامہ' میں بھی اپنے مرشد شاہ سلطان کا اکثر جگہ ذکر کرتے ہیں 'وصل نامہ' (وصال العاشقین) کا ایک شعر جس میں شاہ سلطان کا تذکرہ ہے ملاحظہ ہو۔

کتا ہوں سنو صفت مرشد کی   کہ دونو جہاں کے سو خورشید کی
کہ سلطان مرشد ہے روشن ضمیر   کیا عاشقوں میں سو مُجکوں امیر

ایک اور جگہ لکھتے ہیں

سلطان کے اوس بحر میں غوطہ نپٹ کھا مرتضٰی
لیا کر یوصوفی ذات کا رکھیا لقب منصور کا (11)

شغلی نے اپنے مرشد کی کہی ہوئی بعض غزلوں کی زمین بھی طبع آزمائی کی ہے۔

سلطان: معنیٰ من محیط ہو میں ہر اچھر میں ہوں

شغلی: شغلی میں شغل، من میں پرت میں، پرت میں ہوں (12)

شاہ عالم شغلی، عادل شاہی عہد کے ایک باکمال صوفی شاعر تھے۔ وہ اپنے مرشد شاہ سلطان ثانی کی دعوت پر مدراس آئے اور تھیجی پورم تعلقہ والی کنڈہ ضلع ترچنا پلی میں سکونت پائی اور یہیں رشد و ہدایت اور تبلیغ و اشاعت میں مشغول رہے۔ ان کی تصنیف میں دیوان شغلی، مثنوی پند نامہ، نظم وحدت، ایک قصیدہ اور ایک قطعہ وغیرہ شامل

ہیں۔

یہ امر واقع ہے کہ جب عادل شاہی حکومت کا خاتمہ ہوا تو ہاشمی بیجاپوری نے ارکاٹ میں پناہ لی اور نواب ذوالفقار علی خاں کے دربار میں حاضری دی اس کا اہم سبب ہاشمی بیجاپوری کی معاشی و مالی بدحالی رہی۔ ہاشمی بیجاپوری نے مثنوی ''یوسف زلیخا'' 1687ء میں لکھی اور ایک دیوان بھی مرتب کیا اس دیوان کے آخر میں بعنوان ''قصیدہ'' شامل ہے۔ اس قصیدہ کے جملہ ساٹھ اشعار ہیں۔ یہ دیوان حیدرآباد کے کتب خانہ سالار جنگ میں محفوظ ہے۔ (13) اسی کتب خانہ کے ایک قلمی بیاض میں یہی قصیدہ بعنوان ''قصیدہ سرس ہائے ہاشمی'' سرخی میں لکھا ہوا ہے۔ (14) اس قصیدہ میں کل پچپن اشعار ہیں۔ ذوالفقار خاں کی مدح میں لکھا گیا یہ قصیدہ دراصل قلعہ جنجی کی فتح کے موقع پر لکھا گیا ہے۔ نواب کے کامیاب لوٹنے کی خوشی میں استقبال کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ قصیدہ کے ابتدائی اشعار میں محل میں خوشی و مسرت کا سماں بیان کیا گیا ہے۔ ہاشمی نے یہ قصیدہ زنانی لب و لہجہ (ریختی) میں لکھا ہے جو ہاشمی کا خاصہ رہا ہے۔ اس قصیدہ کے ابتدائی اشعار میں خوشی کا سماں بندھا ہے۔ نواب کے جنگ سے کامیاب لوٹنے کی خوشی میں محل میں جشن منایا جا رہا ہے۔ ہر طرف عیش و عشرت اور خوشی کا ماحول ہے۔ جس میں عورتیں مسرت و خود آرائی کے لئے سنگار اور آرائش کے سامان کی خریداری کر رہی ہیں۔ دکن میں یہ دستور تھا کہ عورتیں خریداری کے لئے عام بازار نہیں جاتی تھیں۔ (محمد قلی قطب شاہ نے حیدرآباد میں چار مینار کے قریب ''لاڑ بازار'' بسایا تھا جو چوڑیوں اور سولہ سنگار کے سامان کے لئے مخصوص ہے۔ یہاں کی چوڑیاں آج بھی نہ صرف ہندوستان میں بلکہ بیرونی ممالک میں بھی مشہور ہیں۔) قصیدہ کے چند اشعار ملاحظہ ہو۔

آنے لگر سنکاتی (ساتھی) عالم کتا ہے سارا
آنکھیاں مریاں (مری) پھڑکتیاں پچ پچ ہے آنہارا
آنکھیاں بھی لب بھنواں بانہہ کچ مانڈی پڑ پھڑکی
اتنی کنتھا (پریشانی) ہوی مجہ ہنوز نیں بیچارا
پھولین کو آب دے کوئی کرنے درشہ چنناں
کوئی کارنجے بھرائے لاتے ہیں کوئی بھنورا
بکتا ہے یونچہ جوی آتا ہے گھر کا خاوند
بخیاں سوں (سے) بختور کے جھلکا ہے بھی ستارا

بنگڑیاں لے بنگڑ ہارے بیٹھے ہے گھر میں کل سوں
آتی گکر سنگاتی عطار لیائی (لائے) خوشبوے
پھول کوں آب دیوکوئی کرتے درست چمپاں
کوئی تنکوں لاؤ چکسا اٹکل سوں کہاں سر میں
کوئی بال پونچتے ہے کوئی لا اگر جلاتی
کوئی آمجے سنوار کڑ ی پنائی زیور
شیشے کلائکی کوئی مل زر کی کلاتی
چندریاں کئی رنگ رنگ لیا ہے ہر رنگارا
آیا ہے دیوڑھی پر پھول لیکو ہر پھولارا
کوئی کارنجے لہراتی لاتی ہیں کوئی فوارا
کوئی سر مجھے نہلاتے حمام کر دوبارا
عود سوز کوئی لاکردے عود کا مہکارا
کوئی آمجہ سنوارے کڑے پنہائے زیور
کوئی جھاڑتے بچھاتے بندتے ہیں کوئی
شیشے گلاب کے کوئی کوئی ارگجرے کانسے
ُسٹتے ہے ہاٹ پر کوئی خوشبویکادھکارا (15)

'بنگڑ' چوڑیوں کو کہا جاتا ہے، چندریاں، دپٹے ہیں، خوشبولی (عطر) چکسا، زیور کا ذکر ہاشمؔی نے ان اشعار میں کیا ہے۔ یہ تمام زیور اور مسالے خواتین بڑی خوشی سے استعمال کرتی ہیں۔ ان اشعار میں عورتوں کے سنگار کی یہ تفصیل ہندوستانی تہذیب کے لوازمات ہیں۔ ہندوستانی تہذیب میں سولہ سنگار کی بڑی معنویت ہے۔ چوڑی، چیزی، عطر، پھول، سکا، اگر، عود، زیور وغیرہ عناصر سنگار میں کبھی فراموش ہیں کئے جاسکتے۔ ہاشمؔی نے ان اشعار میں خواتین آرکاٹ کی حسن کارانہ صلاحیت اور جمالیاتی ذوق کو پیش کیا ہے۔

اس قصیدہ پر سیدہ جعفر اظہار خیال کرتے ہیں۔ اقتباس دیکھئے

''سترھویں صدی کی ابتدائی دہائیوں کے دکنی کلچر کے متعلق بہت سے امور ہمارے سامنے آتے ہیں۔ نسوانی

زندگی اور تہذیب کی ایسی بھرپور اور جامع عکاسی بہت کم شعراء کے کلام میں نظر آتی ہے۔ ہاشمی نے عورتوں کے سنگار اور محل میں خوشی کے موقع پر ان کی زیب وزینت کے طریقوں پر روشنی ڈالی ہے۔(16)''

ان اشعار کے بعد موسیقی کے آلات کا ذکر کیا گیا ہے۔ محل میں ڈھول، طنبورے، جنتر، دف، منڈیل چنگ، رباب اور دوتارا سازوں پر شادمانی کے نغمے گائے جا رہے ہیں۔

انبیال طنبورے جنتر دف دہول تال مندل
کوئی چنک (چنگ) رباب ہمیں لئے ہیں کوئی دوتارا
کانی پوکوئی یمن ہے کوئی لئی کلبھا لکا گانا
کوئی گائین پوربے ہور (اور) کوئی کانڑ کدارا
کئیں (کہے) ذوالفقار خاں نے گھاٹی سدم کی
اتریا
ارکاٹ میں گھر گھر کل سوں ہے یو پکارا
نوابِ آئے کرکے، تب منج لگے گا، سچ مچ
جھنگر بجیں جھنا جھن، دھوں دھوں بجے نقارا
کئیں سب نے اس نہیں کوں ہنوز سچ نہیں لگتا
دیکھو چھجے پوچڑ کرڈ نکا دہلی دھلار (17)

اس کے علاوہ اس قصیدہ میں مختلف کھانوں اور خشک میوہ کا مختصر ذکر ملتا ہے جبکہ ہاشمؔی نے مثنوی، یوسف زلیخا، میں پکوان میوا اور مختلف مشروبات کی طویل فہرست بیان کی ہے۔ ہاشمی نے 60 اشعار پر مشتمل اس مختصر قصیدہ میں آرکاٹ کی تہذیب وتمدن کو پیش کیا ہے۔ اس کے متعلق سیدہ جعفر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے لکھتی ہیں۔

''یہ امر تعجب خیز ہے کہ ایک ایسے شاعر کے یہاں جو بنیادی طور پر ریختی گو ہے اچھی قصیدہ نگاری کی مثالیں موجد ہیں۔ ہاشمی نے اس قصیدے میں اپنے عہدے کے تہذیبی مظاہر کی اچھی مصوری کی ہے۔''(18)

ہاشمی نے اس قصیدہ میں اپنے ممدوح کی خصوصیات کو بیان کرتے ہوئے قصیدہ کے آخر میں اپنا مدعا بیان کرتا ہے کہ کوئی ایک گاؤں اچھا سا مل جائے۔

ایسا سکہڑ چھیلا ذوالفقار خان
خرچے کندور خوش ہو آویوے زر سوسارا
کرپان کیان سومیزبان کئے نقش سوے بناوے
تنبول دان ان کے دہر بہونان سونے لے پیارا
اس وقت پر دلانا دو جگمیں فائدہ ہے
منصب کے باغ کنیں ہوئے دن بدن مہ ہارا
دنیائے دہنر سوزنولک کرتا رہے عیش وعشرت
سورج چندرھے جولک آسمان پر ستارا
یک کاؤن (گاؤں) ہاشمی کوئی چن کرسرس سادینا
مشغول ہو دعا مین جو دہے رہے کنارا (19)

ان اشعار میں ہاشمی اپنے ممدوح کی تعریف کرتا ہے اس کے اوصاف میں سکہڑ (نرم مزاج) چھبیلا (چمکدار شخصیت) جیسے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ ہاشمی کو اپنا مہربانی میزبان بنا کر ضیافت کھلایا ہے۔ سونے کا تنبول دان (پاندان) انعام میں حاصل کرنے کا خوش مند ہے۔ اور آخر میں مدعا بیان کرتا ہے کہ جس طرح سورج دنیا میں عیش وعشرت سے سورج چاند اور ستارے آسمان سے لگے ہیں اس طرح حکمرانی قائم رہے۔ ایک اعلیٰ گاؤں میں جاگیرداری کا خواہشمند ہے۔

اس قصیدہ کے مطالعہ سے اس عہد کی دکنی تہذیب وثقافت، عورتوں کی نفسیات ان کا سجنا سنورنا، عوام کا ذریعہ روزگار، موسیقی کے آلات کا ذکر وغیرہ سے واقفیت ہوتی ہے۔ اس قصیدے میں محل کی زیب وزینت کی بھرپور عکاسی کی گئی ہے۔ اہم بات یہ معلوم ہوتی ہیکہ ہاشمی اپنی تنگ دستی کے باعث زوال بیجاپور کے بعد ارکاٹ پہنچا اور نواب ارکاٹ سے انعام واکرام حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ اس قصیدہ کے مطالعہ کے بعد یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ زوال بیجاپور کے بعد یہاں کے شعراء کا سرپرست اور عام عوام کا سہارا بننے والے ارکاٹ کے نوابین ہیں۔

عادل شاہی دور میں شمالی ہندوستان سے سیاسی تعلقات بڑھے۔ لسانی وتمدنی لحاظ سے بھی قربت بڑھی۔ یہ تمام اثرات قدیم اردو کی ترقی کا مؤثر سبب ثابت ہوئے۔ عالمگیری عہد حکومت میں ارکاٹ شامل تھا صوفیا اور اہل علم کا اہم مرکز رہا۔ اس بناء پر بیجاپور کے عادل شاہیوں کے بعد یہ شہر دکنی یا قدیم اردو کا مرکز بنا۔

ہمدان کے مشہور شاعر قزلباش خاں امید عالمگیر کے عہد حکومت میں ہندوستان آئے اور دہلی میں بہادر شاہ ظفر کے دربار سے منسلک ہوئے۔ بہادر شاہ نے انہیں ہزاری منصب کا عہد اور' قزلباش خاں' کا خطاب عطا کیا تھا۔امید یہاں کچھ عرصہ تک رہ کر ریاس کے بعد کرناٹک کا رخ کیا۔ یہاں داروغہ کی حیثیت سے سلطنت ارکاٹ سے جڑے رہے۔1727ء میں آصف جاہ اول کی خدمت میں پہنچے۔ یہاں تقریباً نو برس قیام کیا۔1746ء میں دہلی میں انتقال ہوا۔

امید ایک اچھے شاعر تھے۔ ذریعہ روزگار کے لئے داروغہ کی ملازمت اختیار کی۔ اس کے ساتھ ساتھ شعر و شاعری سے بھی بڑی دلچسپی تھی۔ فارسی اور اردو میں شعر کہتے تھے۔امید میر تقی میر کے ہمعصر تھے۔ میر نے اپنے تذکرے میں امید کی تعریف کی اور اردو شعر لکھے ہیں ملاحظہ ہو۔

دردو دیوار سے اب محبت ہے
یار بن گھر میں عجب صحبت ہے
تیری آنکھوں کو دیکھ ڈرتا ہوں
الحفیظ الحفیظ کرتا ہوں (20)

ارکاٹ کے اہم شاعروں میں سید محمد والہؔ کا شمار ہوتا ہے۔ والد سید محمد باقر تھے جو خراسان کے رہنے والے تھے۔ والہؔ کی پیدائش یہیں ہوئی لیکن والہؔ عنفوان شباب میں اپنے وطن عزیز کو چھوڑ کر لاہور سے ہوتے ہوئے دہلی آئے۔ اس وقت دہلی میں شاہ عالم بہادر شاہ (1707ء تا1712ء) کی حکومت تھی۔ والہؔ ذہن اور کہنہ مشق شاعر تھے۔ ان کی قدر دانی کا دور شاہ عالم کے دربار سے شروع ہوا۔ جب شاہ عالم نے والہؔ کی علمیت اور خوش اخلاقی سے متاثر ہوئے تو انہیں شاہی منصب داروں میں شامل کرلیا۔ انہیں شعر وسخن کی وجہ سے بہت جلد مقبولیت حاصل ہوئی۔ یہاں تک کہ جب آصف جاہ اول سے والہؔ کی ملاقات ہوئی تو والہؔ نے اپنی غیر معمولی صلاحیتوں سے آصف جاہ اول کو بھی متاثر کیا۔ آصف جاہ نے والہؔ کو اپنے ساتھ حیدرآباد لائے اور سید نظام الدین کی لڑکی سے ان کا رشتہ طئے کر دیا۔1764ء میں آصف جاہ نے انہیں انوارالدین خاں کا رفیق کار بنایا اور گھن پور کی جا گیر عطا کی۔ انہوں نے ترچنا پلی کو مستقل طور پر اپنی قیام گاہ بنالی۔ اس سلسلے میں استاد محترم پروفیسر حبیب نثار صاحب لکھتے ہیں۔

نظام الملک آصف جاہ صوبیدار دکن سید محمد والہ کے علم وفضل سے
بے حد متاثر ہوئے اور انہیں اپنے ہمراہ کن لے آئے یہیں حیدرآباد میں

سید محمد والہ کی شادی عبداللہ قطب شاہ کے داماد سید نظام الدین سید احمد کی
نبیری سے انجام پائی۔ کچھ عرصہ حیدر آباد میں رہنے کے بعد سید محمد والہ
نواب انوارالدین خاں کے ساتھ ارکاٹ چلے گئے وہاں سے ترچنا پلی گئے
اور وہیں 1184 ہجری میں وفات پائی۔ (21)

والہؔ نے فارسی اور اردو میں متعدد رسالے اور کتابیں لکھیں۔ ان میں مثنوی ''طالب وموہنی'' اور ''رزاق باری'' مشہور تصانیف ہیں۔ مثنوی ''طالب وموہنی'' کو ڈاکٹر زورؔ نے 1957ء میں مرتب وشائع کیا ہے۔ یہ مثنوی 1737ء کے قریبی زمانے میں حیدر آباد میں لکھی گئی۔ اس میں بیان کیا گیا قصہ تاریخی شہر پرینڈہ (مہاراشٹرا) سے تعلق رکھتا ہے۔ موہنی ایک ہندو مہاجن کی بیٹی ہے اور طالب مسلمان نوجوان ہے اور ان دونوں کے عشق کی المناک داستان ہے۔ شمش اللہ قادری لکھتے ہیں کہ یہ مثنوی ابن نشاطا کی مثنوی ''پھول بن'' کے جواب میں لکھی گئی ہے(22) ڈاکٹر زورؔ کا بیان ہے کہ یہ دریائے عشق اور پھول بن کی درمیانی کڑی تھی جواب تک نظروں سے اوجھل تھی۔ اس کی اشاعت سے میر کی ''دریائے عشق'' کا سلسلہ ابن نشاطی کی ''پھول بن'' تک پہنچ جاتا ہے۔ (23) لہٰذا ان تین مثنویوں کے مطالعہ سے ارو کے لسانی ارتقاء کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ اس اعتبار سے یہ مثنوی طالب وموہنی اردو ادب میں اہمیت کے حامل ہے۔ دکنی کی دوسری مثنویوں کے مقابلے میں اس مثنوی کا مخصوص انداز بیان اور اسلوب منفرد و جداگانا ہے جو دکنی اور فارسی کو ملا کر کلا کر لکھا گیا ہے۔ یہ ایک ایسے دور میں لکھی گئی ہے جو شمالی ہند کی اردو کا اثر دکنی زبان پر پڑ رہا تھا۔ معیاری وخالص دکنی زوال پذیر ہو رہی تھی۔

والہؔ کی دوسری اہم تصنیف 'رزاق باری' ہے اس کتاب کا ایک نسخہ کتب خانہ سالار جنگ میں ہے جو ناقص الآخر ہے(24) دوسرا نسخہ انڈیا آفس لندن میں ہے(25) مثنوی سے چند اشعار ملاحظہ ہو۔

رزاق باری حق ہے جان — اس کا نو ربی پہچان
آل اولاد و یار اصحاب — قرآن بھیجا حق نے کتاب
فہم و خرد ہے دونوں عقل — افسانہ کیا ہے کہانی نقل

یہ تصنیف فارسی تعلیم حاصل کرنے والے طلب علموں کے لئے مفید ہے۔ تفصیل کے ساتھ فارسی الفاظ کے معنی اردو میں بیان کئے گئے ہیں۔

شیخ محمد امین اسرائیل مرزا بیدل کے شاگرد تھے۔ امین 1718ء میں ارکاٹ آئے اور نواب سعادت اللہ

خان کے ربار میں رسائی حاصل کی۔امین کو شاعری سے زیادہ نثر سے دلچسپی تھی۔ جب امین ارکاٹ آئے تو یہاں انہوں نے تصنیف و تالیف کے کاروبار شوق کو تقویت دی۔ سلسلے میں نواب سعادت اللہ خاں کے مراسلات اور فرامین کو ''گلشن سعادت'' کے نام سے ترتیب دیا۔ اس کے مطالعہ سے نواب سعادت اللہ کے عہد کے حالات او ران کے انتظام سلطنت سے متعلق معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ 1269ھ میں یہ تصنیف مطبع کشن راج مدراس سے شائع ہوچکی ہے۔(26) امین نثر سے بھی دلچسپی لی اور ایک کتاب'' مجمع الانشاء'' لکھی۔

شیخ محمد امین اسرائیلی کے ہمعصر اور نواب سعادت اللہ خاں کے عہد کے مشہور مورخ و سوانح نگار منشی لال جسونت رائے ہیں۔ انہوں نے فراسی میں'سعید نامہ' لکھی جو نواب اللہ خاں کے عہد کی ایک مبسوط تاریخ ہے اور جس میں نواب موصوف کی تعریف و توصیف میں عمدہ قصیدے بھی شامل ہیں۔ جسونت رائے نے اس تصنیف کو دو حصوں میں تکمیل کیا۔ یوسف کوکن نے اپنی تصنیف میں ان قصیدوں کا نمونہ کلام درج کیا ہے۔ ان کا انداز بیان نہایت خوش اسلوب ہے۔ اس کی ترتیب کے بارے میں لکھتے ہیں۔

> Munshi gladly continued his efforts in compling the remaning two parts of his book 'sayeed nama' and completed the stupendous work consisting of 401 pages in 1135 A.H 1722 A.D.(27)

نوابین ارکاٹ نے نہ صرف شعراء کی سرپرستی کی بلکہ دکنی ادب کو بھی فروغ دیا اور وہ خود بھی شعر و شاعری کرتے تھے۔ ان میں ایک اہم نام زین العابدین کا ہے محمد جعفر اور منا صاحبہ کے نور نظر تھے۔ منا صاحبہ نواب سعادت اللہ خاں کی بہن تھیں۔ زین العابدین کے بڑے بھائیوں میں محمد علی خاں پولور کے جاگیر دار اور حسین دوست خاں چندا صاحب تھے۔ خاں بہادر نواب علی دوست (1734ء تا 1740ء) کے داماد تھے۔ زین العابدین کو بھی شعر و شاعری سے خاص لگاؤ تھا اور دیوان تخلص کرتے تھے۔ انہوں نے 1732ء میں اپنا ایک دیوان'' عرضۂ دیوان'' کو تین حصوں میں

مرتب کیا۔ اردو اور فارسی دونوں میں طبع آزمائی کرتے تھے۔ یوسف کوکن نے اپنی تصنیف میں فارسی کلام کے حوالہ سے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ نمونے درج کئے ہیں۔ بطور نمونہ کلام مرثیہ کے شعار ملاحظہ ہو۔

کربلا جب مقتل شہزاد اکمل ہوا
خاک اس کا ہر زمین و آسمان افضل ہوا
ظلمت غم کیوں نہ ہوے ہر دو عالم کوں (کو) محیط
آفتاب دین کوں مغرب عرصۂ کربل ہوا
زخم غم ہر شئے اپر جاری آج ہیگا حشر تک
زخم خجر اس گلے نازک پہ جب ہیکل ہوا
ہر دو عالم کی آنکھیاں سول لہو بھرے نالے چلے
دل گل اس ماتم سوں ہر یک نین نین (میں) حل ہو
نیں رہیا (رہا) طاقت آنکھیاں میں رونے شد کے غم بدل

مزید دو شعر دیکھئے۔

روئے جو رنجوں ہو ہر دم شہاں کے دردسوں
رنگ عصیاں پاک کرنے اسکول غم میخل ہوا
ہر بن (پل) موزخم غم ہے تن اوپر دیوان کے
اس زخم کے دردسوں ہر دم بدم ہیکل ہوا (28)

ارکاٹ میں خاندان نوائط کے بعد 1774ء سے خاندان والا جاہی کا دور حکومت کا آغاز ہوتا ہے۔ اس دور میں ارکاٹ کی شاعری میں گرانقدر اضافہ ہوا۔ والا جاہی حکمراں کے عہد حکومت کو سنہرا دور کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کیونکہ یہاں ایک عرصہ تک شعر و سخن اور علم و فن کی محفلیں اپنے حسب و شباب پر تھی۔ شعراء کے کلام پر رائے مشوروں کے ساتھ ساتھ تنقید بھی کی جاتی تھی۔ ان کے دربار میں مشاعروں کا پابندی سے اہتمام ہوا کرتا تھا۔ ان مشاعروں میں وہاں موجود درباری اور دوسرے شعراء بڑھ چڑھ کر شریک ہوتے تھے اور اپنے کلام سے اہل محفل کا دل جیت لیا کرتے تھے۔ شعر پر داد بھی ملتی تھی اور تنقیدی آرائیں بھی ہوا کرتی تھیں۔ اسی زمانے میں مذہبی عقید تمند

حکمرانوں نے مدرسے اور مسجدوں کی تعمیرات سے دلچسپی لی۔ اہم بات یہ ہے کہ نہ صرف مسلمانوں کو جاگیریں عطا کی جاتی تھیں بلکہ ہندوؤں کو بھی اعلیٰ عہدوں، جاگیروں اور شاہی منصب سے بھی سرفراز کیا جاتا تھا۔ یہ گنگا جمنی تہذیب کی بہترین مثال ہے۔ ان غیر مسلم منصب داروں میں کاشی پشاد فدوی، لچھمن لالہ خرد، منشی جگناتھ پرشاد عزت وغیرہ بلند مرتبہ کے مالک رہیں اور یہ اچھے شاعر بھی تھے۔ نواب محمد علی والا جاہ نے لکھنؤ کے مشہور عالم ملک العلماء بحر العلوم مولانا عبدالعلی فرنگی محلی کو 1790ء میں اپنا مہمان کیا اور ان کی آمد پر شاندار استقبال کیا۔ بحر العلوم نے یہاں علم اسلامی کی ترویج کی اور رشد و ہدایت و اشاعت کے کام انجام دیئے۔ اگلے باب میں تفصیل سے جائزہ لیا گیا ہے اس لئے یہاں تفصیلی بیان سے گریز کیا جاتا ہے۔

اسی زمانے میں جنوبی ہند کے صوفیہ کرام اور اولیاء کرام میں شاہ ابوالحسن قربی ویلوری (1118ھ) اہمیت کے حامل ہیں۔ قربی کی جائے پیدائش بیجاپور ہے۔ یہ سن 1117ھ میں پیدا ہوئے۔ لیکن ان کا شمار ارکاٹ کے شاعروں میں بھی شامل ہے۔ اپنے والد سید شاہ عبداللطیف بیجاپوری سے تعلیم کا آغاز کیا۔ اس کے بعد محمد حسین بیجاپوری شیخ فخر الدین مہکری ناطقی بیجو داور محمد ساقی ارکاٹی کے آگے زانوئے تلمذ کیا۔ حضرت سید محمد مدراس (مرشد ملک الشعراء نصرتی) کے نبیرے سید علی محمد سے بیعت کی قربی کو فن شاعری کے سلسلے میں مہکری ناطقی بیجو سے قربت بڑھی۔ ان سے روحانی فیوض و برکات سیکھنے لگے۔ بعد ازاں حضرت شیخ مخدوم ساویؒ (1125ھ) کے دست مبارک سے فرقہ خلافت لیا اور پھر حضرت ساویؒ کے پیر و مرشد حضرت خواجہ رحمت اللہ نائب رسول اللہ (م 1195ھ) سے سلسلہ قادریہ، نقشبندیہ، چشتیہ و رفاعیہ میں بیعت و خلافت حاصل کی۔ ان کے مریدوں اور تلامذہ کی تعداد کافی وسیع ہے۔ ان میں اہم اور مقبول اردو کے پہلے نقاد محمد باقر آگاہ کا نام قابل ذکر ہے۔ نصیر الدین ہاشمی اجمالی طور پر جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں اقتباس ملاحظہ ہو۔

''شاہ ابوالحسن قربی کی پیدائش 1117ھ میں بیجاپور میں ہوئی مگر چار سال کے سن میں ویلور علاقہ مدراس آ گئے یہاں 1182ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ شاہ صاحب علوم ظاہری اور باطنی میں کافی دستگاہ رکھتے تھے، صاحب تصنیف تھے، شاعری سے شغف تھا۔ وہ اپنے زمانے کے عالم متبحر بھی تھے اور صوفی صافی بھی، قربی تخلص تھا۔ عربی، فارسی اور اردو میں طبع آزمائی کرتے تھے۔ آپ کے فیض باطنی سے مولانا باقر آگاہ نے استفادہ

کیا تھا۔"(29)

انہوں نے دکنی ادب میں اپنا قیمتی ادبی سرمایہ چھوڑا ہے۔ اکثر اپنی تصانیف کے ذریعہ اصلاح وہدایت کا کام انجام دیا چونکہ قربی کے عہد میں مذہبی اور معاشرتی اعتبار سے مسلمانوں میں بدعقیدگی اور بے شمار غیر اسلامی رسم ورواج عام ہو گئے تھے۔ اسی تدارک کے سلسلہ میں قرآن وسنت کی روشنی پھیلانے کے لئے قربی نے اردو اور فارسی میں تصانیف لکھیں۔ اردو میں "معراج نامہ، نمک نامہ، ہدایت نامہ، بدعت نامہ اور ایک دیوان فارسی میں میزان العقائد اور طحران ومتبد عان" وغیرہ ہیں۔

معراج نامہ، تقریباً 1500 اشعار پر محیط ہے۔ اس سے قبل بھی دکنی ادب میں معراج نامہ کئی لکھے گئے ہیں لیکن قربی ویلوری کے معراج نامہ کو اس لئے اہمیت حاصل ہے کہ یہ عبدالحق محدث دہلی کی مستند کتاب" معلاج النبوۃ" فارسی کا دکنی اردو میں ترجمہ کیا ہوا ہے جو 140 صفحات اور 127 ابواب پر مشتمل ہے۔

ہدایت نامہ: اس کتاب میں غیر شرعی احکام سے کنارہ کش ہونے کی ہدایت دی گئی ہے اور اس زمانے کے غیر ضروری رسم و رواج اور معاشرتی و ماحولیاتی برائیوں کی سخت مذمت کی گئی ہے۔ اس کے ابیات کی تعداد (1364) تیرہ سو چونسٹھ ہے۔

بدعت نامہ: اس مثنوی کے جملہ اشعار کی تعداد 81 ہے۔ اس مثنوی میں مسلمانوں کی بدعقیدگی اور غیر شرعی طور طریقوں کی مذمت کی گئی ہے۔ انہوں نے اپنے کلام میں صوفیانہ مسائل اور عشق مجازی کے جذبات کی ترجمان کی ہے اور اپنے کلام میں صوفیانہ رموز واسرار اور عارفانہ کلام کے ذریعہ فن تصوف کے اصطلاحات جیسے" وحدت الوجود" پر تفہیم خیال کیا ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر راہی فدا ہی لکھتے ہیں

"حضرت قربی کی شاعری کا متعدد حصہ تصوف کے معرکہ آراء دقیق مسائل پر مشتمل ہے۔ چنانچہ وحدت الوجود، عینیت وغیریت، حال وخال کے مضامین آپ کے اشعار میں بڑی عمدگی سے بیان کئے گئے ہیں۔"(30)

دیوان: 1151ھ میں قربی نے یہ دیوان مرتب کیا۔ ترویتی اور حیدرآباد سے اس کی اشاعت ہو چکی ہے۔ اس دیوان میں 86 غزلیں، دو مثنویاں، ایک مناجات، ایک مخمس، ایک قصیدہ، ایک برہنی اور ایک درسی موجود ہے۔

شاہ عثمان خان سرورآرکاٹ کے شعراء میں اپنا ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔ شاہ عثمان فطری شاعر تھے۔ بچپن

ہی سے شعر گوئی کی طرف مائل تھے۔ حالت جذب میں شعر کہتے تھے۔ لوگوں نے ان کے اشعار کو جمع کر کے دیوان مرتب کیا۔ (31) یہ چھٹے اشعار کا مختصر دیوان ہے۔ غزلوں کی تعداد ایک سو بارہ ہے اور یہ غزلیں ردیف وار ترتیب دی گئی ہیں مگر یہ دیوان نایاب ہے۔ شاہ عثمان خاں سرور کا کلام آسان اور عام فہم ہے۔ نصیر الدین ہاشمی کا خیال ہے کہ سرور کا کلام میر اور سودا کے کلام سے مشابہت رکھتا ہے۔ ان کی شاعری کا رنگ و مزاج ایک ہی ہے اقتباس دیکھئے۔

> ''سرور کا زمانہ آج تقریباً دوسو سال کا ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جبکہ دہلی میں شاعری کا نیا نیا آغاز ہوا تھا۔ میر اور سودا کی شاعری چمک رہی تھی۔ اگر ان لوگوں کے کلام سے سرور کے کلام کو ملا دیا جائے تو کچھ زیادہ فرق نظر نہ آئے گا۔ اس سے قیاس کر سکتے ہیں کہ اس زمانے میں جو زبان دہلی میں بولی جاتی تھی اور نظم و نثر کے لئے تحریری صورت میں آئی تھی وہی زبان دکن میں بھی تحریر کے لئے کام آتی تھی''۔(32)

چند اشعار ملاحظہ ہو۔

جز نام محمد کوئی ایسا نہ ہوا تھا
تعریف کرے جس کی خدا وند جہاں کا
آتی نہیں تحریر میں تجھ حسن کی خوبی
محتاج نہیں عشق میرے شرح و بیاں کا
آستین جسم سے کچھ کچھوڑ تو قیامت ہوئی
اب تلک نوح نے دیکھا نہیں (نہیں) طوفاں مرا

کس قدر شوق شہادت کا مجھے ہے قاتل
لاش دل دوش پو آہوں کے دہری رہتی ہے
دور صحبت سے رکھے اس کے خدا وند کریم
ہو کہ تنہا کرے پھر گلہ تنہائی

بوئے وفا کو گل کی طرح اے صبا میری
ٹوٹے کھوقفس بھی خدانا جدا کرے

ارکاٹ میں شاہ عثمان خاں سرورؔ کے ہمعصر ولی ویلوری ہیں۔ انہیں ''دکن کا دوسرا ولی'' کہا جاتا ہے۔ ولی دکنی اورنگ آبادی کے معاصر شاعر گذرے ہیں۔ ولی ویلوری کی اہم مثنویوں میں ''رتن پدم اور'' روضۃ الشہدا'' (1137ھ) ہے۔ مثنوی ''رتن پدم'' تقریباً چار ہزار ابیات میں لکھی گئی ہے۔ یہ مثنوی ملک میں جائسی کی ''پدماوت'' کا منظوم ترجمہ ہے۔ اس کا قصہ سرندیپ کی مہارانی اور چتور کے مہاراجہ رتن سین کے عشق کی داستان ہے۔

ولی ویلوری کی مثنوی ''روضۃ الشہداء'' کو بڑی مقبولیت حاصل ہے۔ اسی مثنوی سے ولی ویلوری کی شناخت اردو شاعری میں بلند مرتبہ کے حامل ہے۔ جامعہ عثمانیہ کے استاد سید محمد ایم۔ اے لکھتے ہیں کہ'' ولی دکنی کی'' روضۃ الشہدا'' چھپی تھی مگر اب کمیاب ہے (33)۔ یہ مثنوی پانچ ہزار پانچ سو ابیات کی طویل مثنوی ہے۔ یہ مثنوی بھی فارسی سے دکنی اردو میں ترجمہ کی گئی ہے۔ اس کا ماخذ ملا حسین واعظ کاشفی کی مثنوی ''روضۃ الشہداء'' ہے۔ ولی ویلوری کی اس مثنوی کو ''دہ مجلس'' بھی کہا جاتا ہے۔ اس مثنوی میں دس مجلسوں کا اہتمام کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر رشید موسوی نے لکھا ہے کہ مدراس میں جلسِ عزا میں آج بھی روضۃ الشہدا ہی پڑھی جاتی ہے۔ اس مثنوی میں اہل نبی کریم ﷺ کی جنگوں اور شہادتوں کی مکمل تاریخ بیان کی گئی ہے۔ اگر چہ یہ مذہبی ہے لیکن اس کے شاعرانہ نکات اور خصوصیات سے بے اعتنائی نہیں ہوسکتی۔ ارکاٹ کے ایک اور اہم شاعر عبداللطیف ذوقی ویلوری ہیں۔ صوفیانہ شاعری ان کے مزاج کا امتیاز ہے۔ اس زمانے میں انہوں نے زود گوئی میں اپنا سکہ منوایا تھا۔ افضل الدین اقبال مولانا عبدالحئی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ'' حضرت ذوقی کے نوکِ قلم سے تقریباً تین لاکھ سے زیادہ ابیات معرضِ تحریر میں آئے''۔

ذوقی ایک قادرالکلام شاعر تھے۔ انہوں نے علم فرائض حساب، بیان منطق اور تصوف وغیرہ موضوعات پر رسائل لکھے ہی۔ اس کے علاوہ دو تاریخی مثنویاں بھی لکھیں جو جنوبی ہند کی سیاسی و ثقافتی تاریخ کا منظر نامہ پیش کرتے ہیں۔ نواب عمدۃ الامراء اور امیر الامراذوقی سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ چنانچہ ذوقی کے حکم پر اور انہیں کے خواب کی تعمیل میں اس قلعہ پر چڑھائی کرنے کے لئے حوصلے بلند ہوئے۔ ذوقی نے ایک خواب دیکھا تھا کہ ''انہیں قلعہ تنجاور کی کنجیاں حوالے کی گئی ہیں'' اور اس خواب کی تعبیر بھی صحیح ثابت ہوئی۔ قلعہ تنجاور کی فتح کو موضوع بنا کر ذوقی نے مثنوی ''در بے بہا'' 1186ھ مطابق 1768ء میں لکھی ہے۔

ذوقی نے دوسری مثنوی محمد نجیب خاں شہید کے حالات زندگی کو موضوع بنا کر لکھا ہے۔ محمد نجیب خاں نواب

انوارالدین خاں کے رفیق کار اور مصاحب تھے۔ 1748ء کو آمبور گڈھ کی جگہ میں نواب انوارالدین اور محمد نجیب شہید کردیئے گئے تھے۔

''غوث نامہ'' ذوقی کی بہترین مثنوی ہے۔جس میں حضرت غوث اعظم دستگیرؒ کے کرامات کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ مثنوی ذوقی کے زود گوئی اور زود نویسی کی اچھی مثال ہے۔صرف دو دن کی قلیل مدت میں چار سو آٹھ ابیات لکھے ہیں۔اس کے علاوہ ایک قصیدہ 83 اشعار پر مشتمل ہے۔یہ قصیدہ ذوقی نے اپنے والد کی مشہور غزل سے متاثر ہوکر اسی زمین میں طبع آزمائی کی ہے۔غزل کا مطلع پیش ہے۔

یک رات میں گیا تھا زنداں کی انجمن میں
بولے کہ اے ہوائی یونکتہ رک تو من میں
قصیدہ کے تشبیب کا ایک شعر دیکھئے
آتے اوسرو قامت نازاں ہو جب چمن میں
برپا ہوئے قیامت پھولاں کی انجمن میں

ذوقی کثیر التصانیف ہیں۔انہوں نے مختلف موضوعات پر لکھا ہے جن میں چند تصانیف اس طرح ہیں۔تفسیر لطیفی۔لطائف لطیفی۔انشائے لطف الہی۔انشائے قادری ہدیۃ الاخبار،عشق نامہ،چمن محبت،چہار فصیل،چہل حدیث، احسن الاسلوب،مختصر المناظر نظم تذکرہ الاولیاء، تعدادالشہود، غرائب الغات، جامع العجائب، مفتاح الاسرار، مجموعہ رباعیات وغیرہ۔

نواب محمد علی والا جاہ کی دعوت پر مہربان فخری مدراس آئے۔نواب والا جاہ نے انہیں ویلور کے قصبہ ''جدوال'' کی جاگیر عنایت کی۔نواب موصوف کی وساطت سے نواب امیرالامراء سے بھی مہربان فخری کی قربت بڑھتی گئی۔نواب امیرالامراء بھی ان سے بے حد عقیدت و احترام رکھتے تھے۔

مہربان فخری دراصل فارسی کے شاعر تھے۔زیادہ تر انہوں نے تصوف کے موضوع پر اظہار خیال کیا ہے۔ ان کے یہاں تصوف محبوب موضوع رہا ہے۔ان کی پہلی تصنیف ''اصول الاصول'' ہے جس کو یوسف کوکن عمری نے معہ مقدمہ مرتب و شائع کیا ہے۔اس کتاب کا موضوع تصوف ہے۔فخری کی دوسری تصنیف ''مفتاح التعارف'' ہے جس میں تصوف سے متعلق مسائل کو بیان کیا گ یا ہے اور اکیس ابواب کے تحت ان مسائل پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

ارکاٹ کے شعراء میں اک معتبر نام سید امیر الدین علی کا ہے۔ سید امیر باقر آگاہ کے ہمعصر شاعر گزرے ہیں۔ سید امیر غلام محی الدین مجبؔر ارکاٹی المتوفی (1229ھ م1814ء) کے استاد تھے۔ سید امیر کی تاریخ پیدائش کا علم نہیں ہے۔ تاریخی کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سید امیر کئی برس تک مدراس میں رہے۔ پھر ادگیر میں قیام کے بعد دوبارہ مدراس (1208ھ م1793ء) کے لئے روانہ ہوئے لیکن افسوس کہ زندگی نے وفا نہ کی۔ سفر کے دوران صحت اچانک متاثر ہونے کی وجہ سے ٹائیڈ وپیٹ کے مقام پر اپنی آخری سانس لی اور اسی مقام پر تدفین عمل میں آئی۔

امین الدین احمد خاں ارکاٹ کے بلند پایہ عالم اور فقہ وکلام کے ماہر تھے۔ انہوں نے ''زبور'' کے ترجمہ شدہ ''سرور الصدور'' کو معربالزبور، کے نام سے ترجمہ کیا۔ دوسری تصنیف 'انجیل' کے ترجمہ کردہ 'فیض الجلیل' کو معرب الانجیل' کے عنوان سے ترجمہ کیا ہے۔ امین الدین احمد خاں کے دونوں تراجم کا مقصد مسلمان طبقہ کو دین اسلام کی حقیقت اور انہیں راہ مستقیم سے آگاہ کرانا تھا۔

امین کے ہمعصر شاعر اور نواب محمد علی خاں والا جاہ کے خلف الرشید نواب حافظ محمد منور خاں امیر الامراء بہادر امیرؔ ہیں۔ انہیں شعری وشاعری سے دلی لگاؤ تھا۔ امیرؔ تخلص کرتے تھے۔ افضل الدین اقبال نے اپنی کتاب میں ان کا ایک شعر نقل کیا ہے۔ جو اس طرح ہے۔

گر آرزو ہے تجھ کو بزرگی کی اے امیرؔ
دنیا کی رہ گزر میں بزرگوں کی چال چل

سید رحمت اللہ ارکاٹ کے بلند پایہ عالم تھے۔ ہمیشہ تفسیر وحدیث اور فرقہ کے موضوع پر بحث ومباحث کی مجلسوں سے منسلک رہتے اور اپنے مریدوں کو تصوف کے امور پر اظہار خیال فرماتے۔ اس زمانے میں ان کی مثنوی ''تنبیۃ النساء'' (رسالہ بدعت سخن) کو بہت شہرت ملی۔ اس مثنوی میں خواتین کو سماجی برائیوں سے دور رہنے کی ترغیب وتلقین کی گئی اور ان کی اصلاح فرماتے ہوئے اخلاق حسن کی تعلیم دی۔ سید رحمت اللہ کی اس مثنوی کا شمار بارویں صدی کی بہترین مثنویوں میں ہوتا ہے۔ اس مثنوی کی مقبولیت کے متعلق ڈاکٹر زور لکھتے ہیں۔

''یہ کتاب راقم الحروف کے بچپن میں بہت مقبول تھی۔ مسلمان عورتوں کی اصلاح کے لئے اس سے بہتر کوئی کتاب اردو میں نہیں لکھی گئی اور نہ اتنی مشہور ومقبول ہوئی۔'' (34)

اس مثنوی کو پندرہ باب میں تقسیم کیا گیا اور ہر باب کا عنوان فارسی زبان میں ہیں۔اس مثنوی کی اہم مقصد قرآنی آیتوں اور احادیث کے ذریعہ تشریح کرنا ہے۔

سید برہان خان ہانڈی ارکاٹ میں ایک مورخ کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔انہوں نے نواب والا جاہ کے حکم پر'' تزک والا جاہی'' (1198ھ م 1721ء) لکھی اور دسری کتاب'' گلدستہ کرناٹک''ہے۔یہ کتاب جنوبی ہند کے شعراء وادیبوں کا تذکرہ ہے جس سے اس دور کے شعراء اور ان کے کلام سے مستفید ہوسکتے ہیں۔یہ دونوں کتابیں موضوع و مواد کے لحاظ سے بہت اہم ہے اور تاریخ ارکاٹ کو سمجھنے میں ممد ومعاون ثابت ہوسکتی ہیں۔ان دو تصانیف کے علاوہ مجموعہ خطوط، رقعات، برہانی، انشائے برہانی، نعرہ حیدری، منشیات بے نظیر اور طوطی نامہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

تاج الامراء ماجد نواب عمدۃ الامراء کے فرزند تھے۔انہوں نے ارکاٹ کے انتظامی امور کو سیکھا۔ولیعہد ہونے کے باوجود ان کی طبعیت شمشیر وسنان کے بجائے لوح وقلم سے دوستی ہوگئی۔شعر وسخن کی طرف مائل ہوئے اور فن شاعری میں ملکہ بہم پہنچایا۔ان شاعرانہ خصوصیات وصلاحیت سے ارکاٹ میں بے حد مشہور ومعروف ہوئے۔تاج الامراء خداداد صلاحیتوں کے مالک تھے۔انہوں نے چار ہزار اشعار پر مشتمل ایک دیوان مرتب کیا۔ان کی موجودگی میں ادبی محفلیں، مذاکرات منعقد ہوا کرتیں۔اس میں تاج الامراء ماجد دوستوں کے کلام پر تنقید کرتے اور انہیں مفید مشوروں سے اصلاح بھی فرماتے تھے۔لیکن آخری سانس کا وقت معین ہے۔اللہ کو کیا منظور تھا کہ اٹھارہ برس کی عمر میں تاج الامراء اللہ کو پیارے ہوگئے۔

سرشار، نواب عمدۃ الامراء کے درباری شاعر تھے۔نصیر الدین ہاشمی کا بیان ہے کہ

'' سرشار کے نام سے ہم واقف ہیں اور نہ ان کی پیدائش اور وفات کے سنین کا علم ہے۔البتہ ان کی مثنوی سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ وہ عمدۃ الامراء (1210ھ تا 1216ء) کے درباری شاعر تھے''(35)

نواب عمدۃ الامراء کے درباری شاعروں میں سرشار کے ساتھ ساتھ نامی، تجلی، اظفری وغیرہ بھی موجود تھے۔سرشار نے مثنوی'' چار گلشن (1216ھ) لکھی ہے۔اس کا ماخذ'' چار درویش'' کا قصہ ہے۔اس مثنوی کا ایک قلمی نسخہ برٹش میوزیم میں محفوظ ہے۔یہ مثنوی نواب عمدۃ الامراء کے عہد میں لکھی گئی ہے سرشار نے نواب مذکور کی مدح لکھی ہے۔

چنداشعار ملاحظہ ہو۔

کروں مدح نوب علی جنایب
کہ ہے عمدۃ الامراء جس کا خطاب
بڑی اوسکی دولت بڑا اوسکا ٹھاٹ
وہ ہے وارث صوبہ ارکاٹ
سخاوت کی گھر کا ہے روشن چراغ
تروتازہ اوس عدالت کا باغ
وہ شیر دلاور یہ میدان جنگ
ولایت میں سن نام لرزین فرنگ
وہ ہے علم و تمکین کا کوہ گراں
مروت کوئی کیا کرے امتحاں (36)

سرشار مثنوی کے بارے میں لکھتے ہیں۔

تھا اس بزم میں شعر کا گفتگو — اسی آن میں بھی گیا روبرو
کہا مجھ کو اے میر سرشار آ — ہوا تیرے آنے سے دل خوش مرا
کہ تو باغ معنی کا ہے آب ورنگ — تیرے دیکھ اشعار عالم ہے دنگ
جو ہے چار درویش کی یہ کتاب — ہے مضمون رنگین زبس انتخاب
اگر ہندی او سے تو کرے — جواہر معانی کے اس میں بھرے
جو دیکھے وہ قصے کو دیوانہ ہو — سخن شمع ہو خلق پروانہ ہو
سنا جب سخن میں وہ سردار کا — بنایا ہوں یہ رشک گلزار کا

سرشار نے ایک سال میں اسے مرتب کیا اور انعام حاصل کیا۔اس کے چند شعر دیکھئے۔

شروع کر ہوا سال یک در حساب — بفضل خدا ہوئی مرتب کتاب
شب بدر رجب کی تھی دل فروز — تھا شاہِ نجف کے تولد کا روز
چو چاہا میں تاریخ یا بوتراب — وہ ہاتف دیا چار گلشن خطاب

برابر سمجھ درشہوار کے — کیا نذر جب میں رہ سردار کے
درد سیم بہر تھالیاں پر نثار — کرے خادمال اس کے مجھ پر نثار (37)

احمد علی فراق ارکاٹ کے شاعر تھے۔ان کے تعلقات نواب عمدۃ الامراء کے بھائی حسام الملک اعتماد الدولہ محمد عبداللہ خاں سے تھے۔فراق کے مقام پیدائش کی تفصیلات پر اخفاء میں ہیں۔افضل الدین اقبال کے مطابق احمد علی فراق کے حالات تذکرہ'' جوہر الہند'' میں درج ہے۔نمونہ کلام درج ذیل ہے۔

کیا سکندر کیا سلیمان اور کیا جم ہو چکا
دیکھتے اپنے بھی کیا کیا ایک عالم ہو چکا
کوئی کیا جار کے گا باغ میں اے عندلیب
دفتر گل ہے چمن میں جب کہ برہم ہو چکا

آنا یہ ہچکیوں کا مجھے بے سبب نہیں
بھولے سے اس نے یاد کیا ہو عجب نہیں
صحبت فراق اوس سے میسر ہو کس طرح
دن کو تو وہ کہے ہے کہ ملنے کا ڈھب نہیں
اور رات کو جو کہتے تو پھر وہ بہانہ جو
زلفیں اوٹھا کے موہنہ سے کہے ہے کہ شب نہیں

ارکاٹ کی ادبی تاریخ میں ایک ممتاز شاعر فرخ بخش ارکاٹی ہیں۔ان کا تعلق بھی نواب عمدۃ الامراء کے دربار سے رہا ہے۔فرخ بخش ارکاٹی ارکاٹ کے خوش کلام وخوش بیان شاعر تھے۔ان کے کلام میں شوخی ونزاکت اور تازگی کا بر ملا اظہار ہے۔نصیر الدین ہاشمی نے اپنی کتاب مدراس میں اردو میں ایک شعر بطور نمونہ کلام درج کیا ہے جو حسب ذیل ہے۔

ہمارے قتل کی تدبیر بے تقصیر ہوئی ہے
نگاہ پاک کی شاید یہی تاثیر ہوئی ہے

ارکاٹ کے عظیم وعبقری شاعر مولانا باقر آگاہ ہے۔وہ عربی، فارسی اور دکنی زبان کے قادر الکلام شاعر

گزرے ہیں۔ ارکاٹ کی ادبی تاریخ میں نہایت اہم مقام ومرتبہ کے حامل ہیں۔ مولانا باقر آگاہ نے اپنے کلام میں مذہبی عقیدے کو موضوع بنایا ہے۔ مولانا باقر آگاہ سرزمین دکن کے صوفیہ کرام برہان الدین جانم محمود خوش دہاں، امین الدین علی اعلیٰ، میراں جی خدانما وغیرہ کی پیروی کرتے ہوئے ارکاٹ میں شعری ونثری روایت کو پروان چڑھایا۔ مولانا باقر آگاہ کا عظیم کارنامہ ان کے نثری دیباچے ہیں جن میں تنقید کے اولین نقوش ملتے ہیں جو روایت بعد از اں حالی اور سرسید کے یہاں پروان چڑھی۔

باقر آگاہ، محرک تعلیم نسواں تھے۔ خصوصاً طبقہ نسواں کے لئے انہوں نے تصانیف لکھیں۔ مولوی نذیر احمد نے 1969ء میں عورتوں کی تعلیم وتربیت کے لئے ناول لکھے۔ اس سے قبل ہی مولانا باقر آگاہ نے اپنی مثنوی تحفتہ النساء 1186ء میں لکھی۔ اس مثنوی میں بزرگ خواتین کے حوالے سے طبقہ نسواں کو تربیت وہدایت دی۔

مولانا باقر آگاہ نے فارسی کے علاوہ دکنی اردو میں سات مثنویاں اور ایک دیوان مرتب کیا ہے۔ دیوان میں ساٹھ صفحات پر طویل مقدمہ لکھا ہے اور اس دیوان میں دس قصیدے، ایک مثنوی، دو سلام، سات مرثیے، تین سو تیئیس غزلیں، اٹھارہ رباعیاں، آٹھ قطعات، 76 متفرق اشعار شامل ہیں۔ اس کے علاوہ تلگو زبان میں ایک رباعی ایک فرد (مہمل) چند کبت اور دوہرے بھی شامل ہیں۔ آگاہ کے نثری دیباچوں کے مطالعہ سے اس دور کی خصوصیات اور شمال وجنوب کے لب ولہجہ پر روشنی پڑتی ہے۔

باقر آگاہ کی دیگر مثنویوں میں 'عقائد آگاہ' (1186ھ) یہ مثنوی سنت الجماعت کے عقائد کو موضوع بنا کر لکھی گئی ہے۔ تحفتہ النساء اور مثنوی، روپ سنگار میں تعلیم نسواں کو موضوع بحث لایا ہے۔ ایک اور اہم تصنیف 'گلزار عشق' لکھی۔ اس کا ماخذ عبداللہ قطب شاہ کی آخری مثنوی قصہ رضوان شاہ روح افزاء ہے۔ دوسری مثنویوں ہشت بہشت، محبوب القلوب، ریاض الجناں۔ تحفتہ الاحیات، فرائد در بیان، فوائد رسالہ فقہ اور روضۃ الاسلام وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ کئی مثنویاں حیدرآباد کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔

حکیم عظیم الدین خاں تجلی مولانا بحرالعلم کے شاگرد رشید تھے۔ استاد کی وساطت سے ارکاٹ آئے اور نواب عمدۃ الامرا کے دربار سے فیضیاب ہوئے۔ تجلی ایک قادرالکلام شاعر تھے۔ انہوں نے مثنوی، غزل اور مرثیے بھی لکھے۔ ان کے کلام کی اہم خصوصیات ان کا درد بیان ہے ایک رباعی ملاحظہ ہو۔

جلوہ اگر رخ گلشن پہ نہ ہووے
نالاں کوئی بلبل سوسن پہ نہ ہووے

میں سوختہ دل گرنہ کروں گر یہ تہہ خاک
کسوں تیں سبزہ میرے مدفن پہ نہ وہووے

افصحی بیجاپوری، غوثی ارکاٹی کے والد تھے۔ زوال بیجاپور کے بعد ارکاٹ کا رخ کیا۔ افصحی بیجاپوری اپنے زمانے میں ممتاز اہمیت کے حامل تھے۔ انہوں نے مثنوی ''نوبہار'' اور مثنوی ''وفات نامہ'' لکھی۔ مثنوی 'نوبہار' نایاب ہے۔ غوثی ارکاٹ کے حوالے سے افسر صدیقی امروہی لکھتے ہیں

''غوثی کے والد کا نام تو نہیں معلوم ہو سکا مگر وہ افصحی تخلص کرتے تھے اور ''نوبہار'' نام کی کسی کتاب کے مصنف تھے۔ غوثی نے اس کتاب کی کافی تعریف کی ہے۔ اس سلسلے کی بعض ابیات یہ ہیں۔

فاتحہ پڑ گر ہے تجہ میں کچھ تمیز
باپ کا سن نام مجھ اب اے عزیز

جس فضیلت کا تھا دکھن بیچ نام
افصحی مجہ باپ ہے ہور میں غلام

روح بی واں لگ نہ پونچے کر خروج
طبع کا تھا جس کی ایسا کچھ عروج

عاشقاں قرباں ہے جس پر نت ہزار
او کہلایا ہے اچنبا نوبہار

اس سلسلے میں غوثی نے اپنے والد کو پیر ہاشم کا نواسہ بتایا ہے۔

خلق خوش سوں بحر جو پہلی تیر کا تھا نواسا او سو ہاشم پیر کا'' (38)

افصحی کی دوسری مثنوی 'وفات نامہ' میں حضرت ہاشم پیر کے احوال اور ان کی وفات سے متعلق لکھا ہے۔ ہاشم حسینی علوی (ہاشم پیر) محمد ابراہیم عادل شاہ اور محمد عادل شاہ کے مرشد تھے اور وجہ الدین علوی گجراتی کے برادرزاد تھے۔ افصحی نے اپنے مرشد و مربی پیر ہاشم کے تئیں عقیدت کا اظہار اس طرح کرتے ہیں۔

پیا سو کون ہاشم پیر میرا
سو کے دل کے چمن کوں نیر میرا

غوثی ارکاٹی نے اپنی مثنوی 'ریاض غوثیہ' میں اپنے والد کے شاعرانہ کمالات کو بیان کیا ہے اشعار دیکھئے۔

جو سندر صبح کوں آ کر چھجے کیری اپر نکلے
لیا اوکہ سرج کو ہے جو تس آ نگے سحر نکلے
یہ الیلی نکل آنے، دو جگ سدید بھلائی ہے

نجا تو تب کہ کیا ہوئے کہیں سندر سنور نکلے

دو جہاں اتجہ جھلک سندر بدن پرسوں سے مجھ یوں

کھا جو چیر کر سورج بہتر تھے تسن چندر نکلے

جو آتی بانذکر سن بندسوں چنچل ناچن

کہا حیران ہوسب جگ پری یو ہے جو پر نکلے

اگر پڑ علم نیہ مجنون ہوا ہے فصحیٰ سب تم

ہنسومت، عشق مکتب میں گیا ہو بے خبر نکلے (39)

ارکاٹ کی شعری روایت میں غوثی ارکاٹی (40) کا نام مقبول اور معروف ہے۔' غوث' اور' غوثی' تخلص کرتے تھے۔ محمد علی اثر نے اپنی تصنیف میں اس دور کے غوث اور غوثی تخلص کرنے والے پانچ شعراء کا ذکر کیا ہے۔ غوثی ارکاٹی کا شمار ارکاٹ کے مشہور سخن نوازوں میں ہوتا ہے۔ غوثی ارکاٹی کو شاعری کے ساتھ ساتھ نثر نگاری سے بھی دلچسپی تھی۔ ان کے تصانیف میں ریاض غوثیہ 1129ھ، غوثیہ 1188ھ، قصص الانبیاء 1191ھ، قصائد غوثی، تفسیر غوثی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

معرکتہ الارا مثنوی قصص الانبیاء کے اشعار کی تعداد تقریباً 12000 بارہ ہزار ہے جو دکنی کی ضخیم مثنویوں میں شمار ہوتی ہے۔ یہ مثنوی دراصل فارسی سے دکنی میں ترجمہ کی گئی اس مثنوی کی تین حصوں کے تحت تقسیم کیا گیا۔ پہلے حصے میں حضرت آدم علیہ السلام سے ایوب علیہ السلام تک کے واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ دوسرے حصے میں سکندر ذوالقرنین سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور جرجیہ علیہ السلام تک کے حالات بیان کئے گئے ہیں اور مابقی تیسرے حصے میں حضور علیہ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے متعلق لکھا گیا ہے۔

مثنوی غوثیہ: اس مثنوی میں غوثی نے اپنے حالات زندگی اور مالی پریشانیوں کا حال بیان کیا ہے۔ اور والا جاہ سے اپنے مقروض ہونے کا تذکرہ کیا ہے اور اپنی اولاد کو ہدایت دی ہے کہ وہ بادشاہ وقت کی سرپرستی سے دور رہے۔

''تفسیر غوثی'' غوثی ارکاٹی کا نثری رسالہ ہے جس میں ''پارہ عم'' کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔ قصائد غوثی میں غوثی کے دو قصیدے ملتے ہیں۔ ایک قصیدہ باقر آگاہ کی شاعرانہ عظمت کو موضوع بنا کر لکھا ہے جس کے تحت آگاہ کی مثنوی ''حسرت عشق'' کی فنی خوبیوں پر روشنی ڈالتے ہوئے اس مثنوی کو دکنی کی بلند پایہ مثنویوں ''گلشن عشق''،

’پھول بن اور من لگن کے ہم پلہ قرار دیا گیا ہے۔ دوسرا قصیدہ حضرت محمد ﷺ کی شان میں ہے۔ اس قصیدہ میں منظر نگاری اور جزئیات نگاری کا اچھا استعمال کیا گیا ہے۔ یہ ایک مذہبی موضوع پر لکھا گیا قصیدہ ہے لیکن اس کی قدامت اور اسلوب بیان کی بناء پر تاریخی اور لسانی اہمیت مسلم ہے۔ اس کے مطالعہ سے غوثی ارکاٹی کے مشاہدے کی وسعت اور فن کمال پر روشنی پڑتی ہے۔

’’ضیافت نامہ‘‘ یہ تصنیف 1191ھ میں لکھی گئی ہے۔ اس کا سنہ کتابت 1323ھ ہے۔ یہ تقریباً سو اشعار پر مشتمل ہے۔ اس تصنیف میں حضرت عثمانؓ اور حضرت فاطمہؓ کی ضیافت کا بیان ہے۔

غوثی ارکاٹی شاعری کے علاوہ فن تاریخ گوئی سے بھی واقف تھے۔ اپنی تصانیف کی تاریخ خود لکھتے تھے۔ مولانا باقر آ گاہ سے غوثی ارکاٹی کے گہرے مراسم تھے جس کا اعتراف آ گاہ کی تصانیف پر لکھے گئے تاریخی قطعات سے ہوتا ہے۔ غوثی ارکاٹی کے بیشتر موضوعات پر حسن خلق اور مذہبی رنگ غالب نظر آتا ہے۔ اس کی اہم وجہ غوثی ارکاٹی کا علماء وصوفیائے کرام سے عقیدت واحترام ہے اور بے سہارا مسکین عوام کی صحیح ترغیب و مددبھی ہے۔

شرف الملک بہادر ارکاٹ کی وہ عظیم ہستی ہے جنہوں نے عظیم الدولہ اور انگریزوں کے درمیان بحث و مباحثہ کی کڑی بنے ہوئے تھے۔ اس مباحثہ کی کامیابی پر غوث شرف الملک کو بطور انعام ایک لاکھ روپیہ عطا کرنے کا اعلان کیا لیکن غوث شرف الملک نے موقع کو غنیمت جان کر ہاتھ لگے تو برا کیا ہے، کی مصداق انہوں نے ’’قاموس‘‘ کا نسخہ ایک لکھ رقم انعام کے بدلے میں طلب کرلیا اور عظیم الدولہ وعدے کے پکے موقع کے کچے ہوگئے اور انہوں نے یہ نسخہ عطا کر کے اپنی لاج رکھ لی۔

’’تاریخ النوائط‘‘ اور ’’خانوادہ قاضی بدرالدولہ‘‘ میں غوث صرف الملک کے دلچسپ کارنامے اور نوابان ارکاٹ سے گہرے تعلقات کا تفصیلی بیان ہے۔ شرف الملک ارکاٹ کے ممتاز اور جید عالم تھے ان کی زیادہ تر تصانیف عربی و فارسی میں ہیں۔ اردو میں ایک کتاب ’’ترجمہ کیدانی‘‘ ملتی ہے۔ یہ فقہ حنفی کی کتاب ’’کیدانی‘‘ کا لفظی ترجمہ ہے۔ نامی کے ہمعصر شعراء میں تفصیلی ذکر پیش کیا گیا ہے۔

اسمٰعیل خاں ابجدی: ریاست ارکاٹ کی شعری روایت میں اسمٰعیل خاں ابجدی کو ایک اعلیٰ مقام و مرتبہ حاصل ہے۔ نواب والا جاہ نے انہیں ملک الشعراء کے معزز خطاب سے نوازا تھا۔ ابجدی فن شعر وشاعری سے خصوصی شغف رکھتے تھے۔ ان کی دلچسپی صنف مثنوی سے رہی۔ انہوں نے شاہنامہ فردوسی کے طرز پر ’انورنامہ‘ لکھا۔ یہ فارسی زبان میں تحریر کی گئی ہے۔ تاریخ ارکاٹ میں خاص طور پر انوارالدین خاں کے عہد سے متعلق

واقعات بیان کئے گئے ہیں۔اس تصنیف کی اہم خصوصیت اس کے بیان کردہ واقعات میں بے جا مبالغہ آرائی سے پرہیز کیا گیا ہے۔اس مثنوی کو مکمل کرنے میں پانچ سال کا عرصہ درکار ہوا۔ابجدی نے بڑی محنت و لگن سے اس عظیم کارنامے کو انجام دیا۔اس غیر معمولی کارنامہ کو نواب والا جاہ نے ابجدی کے ہم وزن چاندی، چھ ہزار سات سو روپے اور خلعت مرحمت سے نوازا۔

ابجدی کی قادر الکلامی سارے ارکاٹ میں مشہور تھی۔ان کا اردو دیوان 1860ء میں مرتب ہوا۔اس کے علاوہ 185 اشعار پر پھیلی کدنی مثنوی 'حقیقت نامہ' لکھی جو مثنوی روم کے شعراول کی شرح ہے۔

غوثی چنگل پیٹی ارکان کے شاعر ہیں اور یہاں کی علمی وادبی تاریخ میں اہمیت حاصل ہے۔انہیں دکنی فن شاعری میں کافی اچھی مہارت حاصل تھی۔نہوں نے '' شہادت جنگ سلطانی'' 1216ھ 1801ء میں لکھی ہے۔اس مثنوی کا موضوع حضرت ٹیپو سلطان کی شہادت ہے۔غوثی چنگل پیٹی نے ابتداء میں اپنے ممدوح کی مدح سرائی کے بیان میں اپنی تمام فنی خصوصیات کا استعمال کیا ہے۔

شاہ تراب چشتی ارکاٹ کے پرگواور پروقار صوفی شاعر تھے۔شاہ عراب چشتی بیجاپور کے صوفی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔وہ حضرت امین الدین علی اعلی کے خانوادہ کے مرید تھے۔ان کا اصل نام تراب علی تھا اور تراب، ترابی، بوتراب تخلص استعمال کرتے تھے۔شاہ تراب دکن میں چشتیہ سلسلے کے آخری شاعر تھے۔شاہ تراب کے آباو اجداد صوفی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔خود شاہ تراب نے اپنی تصنیف'' ظہور قلی'' میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

جدو آبا صوفیا میرے ہیں سب تھی محبت پاک اور فضل رب(41)

زوال بیجاپور کے بعد ارکاٹ پہنچے اور یہیں مستقل سکونت اختیار کی۔ان کی تصانیف میں '' من سمجھاون (1171) ظہور قلی (1171)، گیان سروپ (1150)، گنج الاسرار (1179) اہمیت کے حامل ہیں۔اس کا موضوع تصوف ہے۔شاہ تراب نے رام اور جسم سے متعلق نظریہ پیش کیا ہے۔مثنوی 'من سمجھاون' کو ڈاکٹر سیدہ جعفر نے مرتب وشائع کیا ہے چنانچہ ڈاکٹر سیدہ جعفر لکھتی ہیں۔

'' شاہ تراب ہمہ اوست کے نظریے کے زبردست حامی تھے۔ایسا
محسوس ہوتا جیسے یہ نظریہ ان کے متصوفانہ تصورات کا نچوڑ تھا''۔ (42)

شاہ تراب نے '' من سمجھاون'' مراہٹی کے مشہور شاعر رام داس کی نظم'' شری مناچے شلوک'' کے جواب میں لکھی ہے'' گنج الاسرار'' طویل مثنوی ہے۔یہ مخطوطہ بھی کتب خانہ سالار جنگ کی زینت ہے۔یہ 58 صفحات پر

مشتمل ہے۔تصنیف کی ابتداء میں حمد،نعت ،منقبت علی ،مدح ہادیہ اور سبب تصنیف ہے۔

شاہ تراب چشتی کی ایک اور اہم مثنوی 'ظہور کلی' ہے جس میں شاہ تراب کے حالات زندگی اور سلسلہ نسب وغیرہ کے نقوش ملتے ہیں۔اس مثنوی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ تراب چشتی کو 1150ھ میں ان کے مرشد پیر پاشاہ حسینی نے خلیفہ بنا کر کرناٹک میں تبلیغ و اشاعت کا حکم دیا۔اسی لئے شاہ تراب چشتی تر نامل سے ہوتے ہوئے کرناٹک چلے آئے اس کے بعد کچھ عرصہ بعد تنجور میں مقام کیا۔

شاہ تراب فارسی،عربی،اردو کے علاوہ مختلف علاقائی زبانوں سے واقف تھے۔علم تصوف ورثہ میں ملا تھا۔علم رمل،حکمت،نجوم،فلسفہ پر قدرت رکھتے تھے۔اسی علم وفضل کی اس مہارت کی وجہ سے ان کے پیرومرشد پیر پاشاہ حسینی نے''گنج الاسرار'' کا لقب عطا کیا۔ظہور کلی میں اس واقعے کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

روز جمعہ ماہ رجب وقت شام دی خلافت گنج الاسرار بخشے نام

بھی تخلص اور ملقب ہے تراب گنج الاسرار شاہ فرمائے خطاب (43)

کسی بھی تذکرے یا تاریخی کتابوں اور قدیم بیاضوں میں شاہ تراب کے وطن کا پتہ نہیں چلتا۔انہیں کے کلام سے شاہ تراب کے حالات زندگی پر روشنی پڑتی ہے۔اس صورتحال پر روشنی ڈالتے ہوئے پروفیسر اشرف رفیع اپنے ایک مضمون میں لکھتی ہیں۔

''عام طور پر دکنی شاعروں کے حالات زندگی مستند ذرائع سے نہیں ملتے۔جو کچھ تھوڑی بہت معلومات سامنے آتی ہیں وہ ان شعراء کی تصنیفات کے حوالے سے ہی سامنے آتی ہیں۔نصرتی نے اپنے اور اپنے خاندان کے بارے میں نسبتاً تفصیل سے مثنوی''گلشن عشق'' میں مواد فراہم کیا ہے۔اس کے بعد بیجاپور کے شاعروں میں شاہ تراب چشتی نے شعوری طور پر اپنی تصنیفات میں اپنے حالات قلمبند کئے ہیں۔(44)

شاہ تراب کی دیگر تصانیف'' آئینہ کثرت،قصہ جبین و مالا،مثنوی کنورام چندر اور سیتا دلا رام وغیرہ ملتے ہیں۔1986ء میں ڈاکٹر سلطانہ بخش نے''دیوان تراب'' مرتب و شائع کیا ہے۔ظہور کلی کتب خانہ سالار جنگ میں محفوظ ہے۔یہ دیسی کاغذ پر خط نستعلیق میں لکھا گیا ہے۔یہ 174 صفحات پر مشتمل ہے۔اس تصنیف کی ابتداء میں سرخی سے اس طرح لکھا ہے۔

''این کتاب ظہور کلی است تصنیف حضرت تراب علی شاہ قدس اللہ سرہا''

اس مخطوطہ کے صفحہ نمبر دو پر شاہ تراب نے اپنے مرشد کی مدح لکھی ہے۔ اس کے ذریعہ بابا شاہ حسینی کے سلسلہ پر روشنی پڑتی ہے۔ عنوان سرخی میں لکھا ہوا ہے۔

''در مدح قبلہ دو جہاں حضرت بابا شاہ حسینی ملعب سر بادشاہ قدس''

''بادشاہ دوجہاں ھاوی دیں — یعنی بابا شاہ شمس العارفین
قرت العین امین الدین علی — یعنی با با شاہ حسینی مہبلی
کوہر مجھ دسی سحر ۔۔۔کرم — مرشد ہندو دکھن عرب و عجم
حکم میں جس شاہ کی ملکوت ہے — راز دار عالم جبروت ہے''

شاہ تراب نے اس مثنوی کو الگ الگ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ مثنوی کے آخری باب کا عنوان سرخ روشنائی میں اس طرح لکھا ہوا ہے۔

''باب سیتیو دویم در مذاکرہ خاتمہ کتاب''

مرزا اظفری نواب عمدۃ الامراء کے دور حکومت میں دہلی سے مدراس یعنی ارکاٹ آئے۔ مرزا اظفری، میر تقی میرؔ سے شرف تلمذ رکھتے تھے جس کی وجہ سے اردو میں کافی اچھی مہارت حاصل کر لی تھی۔ اردو میں انہوں نے دو دیوان مرتب کئے لیکن بدقسمتی سے انکا پہلا ج دیوان ضائع ہو گیا۔ لیکن دوسرا دیوان محفوظ ہے۔ اس دیوان میں ایک سو بارہ غزلیات درج ہیں۔ اردو دیوان کے علاوہ فارسی اور ترکی کے بھی صاحب دیوان ہیں۔ مرزا اظفری کی ایک اور اہم کتاب ''واقعات اظفری'' (1806) ہے۔ اس میں انہوں نے قلعہ معلی کے حالات، شاہ عالم کے انتظام سلطنت کے واقعات اور اپنے سیر و سفر کے واقعات کو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس تصنیف کو سماجی، مذہبی اور جغرافیائی اعتبار سے اہمیت حاصل ہے۔ قابل ذر بات یہ ہے کہ یہ کتاب شمال اور جنوب کو مولانے والی ایک ادبی کڑی ہے۔

اظفری کے مزید تصانیف میں ترکی چغتائی لغت، محبوب القلوب، نصاب ترکی، تنکری تاری، نسخہ سانحات، عروض زادہ اور فوائد الاطفال وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

مکھن لال خرد نواب امیر الامراء کی ایماء پر حیدر آباد سے ارکاٹ آئے اور منشی کے عہدے پر فائز ہوئے۔ مکھن لال خرد کو شعر و شاعری میں کمال حاصل تھا۔ اردو دیوان، مجموعہ اشعار ہندی اور فارسی دیوان گلدستہ اشعار

معجزاان کا اہم ادبی کارنامہ ہے۔انہوں نے ارکاٹ کی شعری ادبی روایت کو پروان چڑھایا۔ان کا شمار ارکاٹ کے غیر مسلم شعراء میں ہوتا ہے۔لچھمن لال خرد نے شاعری کے علاوہ فن تاریخ گوئی میں بھی کامل دست گاہ رکھتے تھے۔ غلام محی الدین معجز ارکاٹی کے ذکر کے بغیر ارکاٹ کی شعری روایت مکمل نہیں ہے۔معجز ارکاٹی کو ارکاٹ میں استادالاساتذہ کا مقام حاصل ہے۔انہیں فارسی ودکنی شاعری سے بڑی رغبت تھی۔بچپن ہی سے شعر کہتے تھے۔دکنی میں دیوان ترتیب دیا۔اس کو غلام عبدالقادر ناظر نے 1816ء میں مرتب کیا۔اسی دیوان میں مثنوی اور چند غزلیں بھی درج ہیں۔ڈاکٹر زور لکھتے ہیں کہ ان کا ایک مرثیہ ایڈنبرا یونیورسٹی کی بیاض مراثی میں شریک ہے۔

کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو کی ایک قلمی بیاض میں 'دکنی منظومات' مخطوطہ نمبر 365 میں معجز ارکاٹی کی مثنوی اور اور کلام ریختی شامل ہے۔

معجزوں کوں کوئی کہو جایودردوکہ سمجھتا
دے داغ دل کے اوپر باتاں دودن کی کر گئے

سید عبداللطیف ارکاٹی نوابین ارکاٹ کی فراخدلی وقدردانی کی شہرت کے باعث ارکاٹ کا رخ کیا۔یہاں ان کے قیام کرنے کی اہم وجہ مالی بدحالی اور تنگ دستی رہی۔لطیف کے کلام میں جابجا اپنے رشتہ داروں کی بدسلوکی اہل وطن کی ناقدری وبے اعتنائی کے شکوے شکایتیں سنائی دیتے ہیں۔ ے کس سے محرومی قسمت کی شکایت کیجئے

سید عبداللطیف ارکاٹی نے غوث خاں اعظم کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا چند اشعار ملاحظہ ہو۔

یاغوث رکھ سلامت نواب غوث خاں کو
لکھوں (لاکھوں) کی پرورش کو یہ یک امیر بس ہے
کیوں نہ اس کی مدح عالی میں کروں فکر سخن
قدر کچھ اہل سخن کی ہے تو اس کے پاس ہے
یہ مختصر قصیدہ بولا لطیف گرچہ
مقبول غوث ہوں تاول پذیر بس ہے

ایک اور جگہ شمالی ہند کے شعراء کی مذمت کرتے ہیں۔اشعار ملاحظہ ہو۔

فارسی شعر کے کہنے میں نہ تم لاف کرو
پہلے ہندی میں تو کچھ اپنی زباں صاف کرو

جوکہ اپنی ہی زباں کہنے میں اصح نہ ہوا
فارسی اس سے کہاں بنتی ہے انصاف کرو

لطیف ایک طرف شالی ہند کے شعراء کی مذمت کرتے ہیں تو دوسری طرف سوداؔ، دردؔ، میرؔ، انشاء، یقینؔ اور جراتؔ کے لئے عقیدت واحترام بھی ظاہر کرتے ہیں۔

سوداؔ سے میر دردؔ سے جراتؔ یقینؔ سے
انشاؔ نے اور تقیؔ سے عقیدت مدام ہے

مرزا غالب کی زمینوں میں بھی لطیف ارکاٹی نے غزلیں کہیں ہیں۔ مجموعی طور پر لطیف ارکاٹی کا کلام اپنے دور کی ترجمانی کرتا ہے۔ لطیف ارکاٹی نے اپنے کلام کو ہزل گوئی سے پاک رکھا۔ یہی ان کا اہم کارنامہ ہے۔ اس سلسلے میں علیم صبا نویدی لکھتے ہیں۔

''لطیف کی شہرت اورعظمت کا سب سے بڑا راز یہ ہے کہ اس نے اپنے دور کے عام لوگوں کے احساسات کی ترجمانی ان کی ہی اپنی زبان میں کی ہے اور لطیف غزل کا شاعر ہونے کے باوجود اس نے اکثر و بیشتر غزل کے فارم کو نظم کی طرح استعمال کیا اور اس استعمال میں ایک حد تک زیادتی برتتے ہوئے غزل کے اطراف جونزاکت کا ہالہ بنا ہوا تھا اسے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا مگر اس توڑ پھوڑ کے باوجود لطیف کی غزل ہزل نہیں بنی جس کا اردو میں رواج رہا ہے۔ یہی لطیف کا سب سے بڑا کارنامہ ہے''۔(45)

حکیم موسیٰ رضا خاں رائق نوابین ارکاٹ کے درباری شاعر تھے۔ نواب عظیم الدولہ کے عزیز و خاص سکریٹری اور حکیم تھے۔ ان کی اہم تصنیف ''گلدستۂ کرناٹک'' ہے جس میں کرناٹک کے شعراء کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ یہ تذکرہ کرناٹک کی ادبی تاریخ کی حیثیت رکھتا ہے۔ رائق نے فارسی میں ایک دیوان ''دیوان رائق'' اور کتاب ''جامع الاشیاء'' مرتب کی ہے۔ آخر الذکر تصنیف کو نور محمد خراسانی نے 1950ء میں دو حصوں میں ترتیب دے کر مرتب کیا۔

رائق کے ہمعصر شاعر غلام محی الدین شائق ہیں۔ شائق ابتداء میں مولانا باقر آگاہ سے کلام پر اصلاح لی۔ اس کے بعد سید خیر الدین فائق سے شرف تلمذ جاری رکھا۔ شائق فی البدیہہ شعر کہنے میں اپنا جواب نہیں رکھتے

تھے۔شائق نے فارسی کو اپنا ذریعہ اظہار بنایا ہے۔ان میں ''روضہ قدسیہ در احوال بزرگان''(1236ھ)''معراج البحرین'' ہے اس کتاب میں انہوں نے حضرت محی الدین جیلانی غوث اعظم دستگیرؒ کے تعلیمات کو بیان کیا ہے۔ اردو اور فارسی کلام کو''دیوان شائق'' کے نام سے مرتب کیا اس کے علاوہ انہوں نے''قصائد شائق'' اور ایک مثنوی ''رشک بہشت'' بھی لکھی۔

واقف شائق کے چھوٹے بھائی ہیں بیجاپور سے ان کا تعلق رہا لیکن انہوں نے مدرسہ اعظم کرناٹک میں مدرس کی حیثیت سے اپنی خدمات انجام دیں۔ واقف ایک اچھے شاعر تھے۔اپنی شاعرانہ صلاحیتوں اور محنت سے ترقی کی اور ارکاٹ میں بہت جلد ان کے استاذی کے نغمے گونج اٹھے۔اسی مناسبت سے انہیں نواب غوث خاں بہادر نے ''استاذ'' کا لقب عطا کیا۔ بعدازاں ''ملک الشعراء'' کا اعزام بھی حاصل کیا۔ واقف کی اہم مثنوی ''بستان عشق'' (1267ھ م 1815ء) ہے۔اس مثنوی میں دکن کا مشہور قصہ ''چندر بدن ومہیار'' نظم کیا گیا ہے۔اس کے علاوہ واقف کے کلام میں مثنوی ،غزل،قصائد اور رباعیاں شامل ہیں۔

علاقہ گوپا مو نواب انورالدین خاں والا جاہ والی ارکاٹ کا وطن خاص ہے۔اسی سرزمین سے تعلق رکھنے والے شاعر خوشنود ہے۔خوشنود بنیادی طور پر ارکاٹ کے شاعر ہیں۔انہیں بچپن ہی سے شعر وشاعری سے فطری دلچسپی رہی اور تصنیف وتالیف سے بھی خصوصی لگاؤ تھا۔خوشنود نے معروف قصیدہ ''قصیدہ بردہ شریف'' کی شرح لکھی۔ان کی ایک اور اہم کتاب 'شرح الاسماء الحسنیٰ' ہے۔ دیگر تالیفات میں علم معانی،نقود الحساب اور حواشی وغیرہ شامل ہیں۔

تراب علی نامی 1229ھ م 1813ء میں سینٹ جارج کالج مدراس میں مدرس کی حیثیت سے کلکتہ سے مدراس پہنچے اور یہاں عرصہ دراز تک شعبہ فارسی،عربی اور ہندوستانی کے صدر شعبہ رہے۔نواب والا جاہ کے فرزند حسام الملک بہادر کی فرمائش پر'' تزک والا جاہی'' اور تذکرہ کرناٹک کا ترجمہ کیا۔ یہ دونوں تصانیف نواب والا جاہ کے عہد میں سید برہان خاں ہانڈی نے فارسی میں لکھا تھا۔تراب علی نامی کے دیگر تراجم میں نعرہ حیدری،منشیات بے نظیر،طوطی نامہ،واقعات برہانی،انشائے برہانی، مجمعہ خطوط وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

ابوالحسن قادری محوی ویلوری:

سید شاہ ابوالحسن قادری محوی ویلوری بھی ارکاٹ کی شعری روایت میں عظیم مرتبہ کے مالک ہیں۔انہیں کے خاندان سے تعلق رکھنے والے ساعروں میں ذوقیؔ محویؔ ہیں۔ان کے ادبی کارناموں کی اہمیت مسلم ہے۔

مذنب ارکاٹی بھی نواب والا جاہ کے عہد سے تعلق رکھتے ہیں۔انہیں دربار کے حاسدوں نے رہنے نہیں دیا تو انہوں نے تلاش معاش کے سلسلے میں دربدر کی خاک چھانی۔تقریباً چودہ برس بعد دوبارہ ارکاٹ آئے اور والا جاہ کے بھتیجہ رئیس الامراء کی خدمت میں حاضر ہوئے نصیر الدین ہاشمی لکھتے ہیں۔

''مذنب بھی اسی دور کا شاعر ہے۔وہ رئیس الامراء کی سرکار سے متوسل تھا۔ماہوار سات روپیہ ملا کرتے اس لئے اپنی مثنوی قصہ''پنجہ آفتاب'' اس لئے لکھی ہے کہ ماہور میں اضافہ ہوجائے اور ایک گھوڑا بھی مل جائے۔اس مثنوی کے اشعار کی تعداد(800) شعر سے زیادہ ہے،ایک فرضی قصہ اس میں منظوم ہوا ہے۔(46)

مظفرؔ کے نامکمل قصہ مہرو ماہ کی مذنبؔ نے مکمل کیا۔جس کا نام''پنجہ آفتاب'' رکھا۔یہ 1215ھ میں لکھی گئی جس تقریباً آٹھ ہزار اشعار ہیں۔مثنوی کی ابتداء حمد سے ہوتی ہے۔نعت منقبت حضرت علیؓ کے بعد رئیس الامراء اوران کی والدہ سلطان النساء بیگم کی مدح بیان کی ہے۔

مدح نواب رئیس الامراء

ہے عبدالحسن خاں بہادر نواب — رئیس الامراء ہے جس کا خطاب
یقین ملک ہندوستان بیچ آج — اسی کو سمجھتے ہیں روشن سراج
کرے عمراللہ اس کی دراز — بدولت رکھتے سربلند سرفراز
کہاں اس کا ساپر جواں مرد ہے — بہت خوبیوں میں وہ یک فرد ہے
کیا اس نے مسائل کے تئیں رد نہیں — عنایات کو اس کی کچھ حد نہیں
بنایا خدا اس کو جوہر شناس — ہر یک چیز کی قدر ہے اس کے پاس
بفضل خدا خوش خصائل ہے وہ — کریموں میں نیکو شمائل ہے وہ
صلاح اور تقوے میں وہ بختور — بیاد خدا ہے گا شام وسحر
جوانی میں ہیں ایسے عابد کہاں — بھی دولت میں ہیں ایسے زاہد کہاں
رہے سایہ والدہ سر اوپر — جیو دختران اور اس کا پسر (47)

اس مثنوی کے قلمی نسخے حیدرآباد کے کتب خانوں میں محفوظ ہے۔مثنوی''پنجہ آفتاب'' میں ایک فرضی کہانی پیش کی گئی ہے۔اس میں شادی بیاہ کے موقع پر کی جانے والی مختلف رسومات اور ایک ایک دن کی مصروفیات و ماحول کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔شہزادے آفتاب کی پیدائش پر چھلہ اور چھٹی کی رسومات اور مثنوی کے

اختتام پر شہزادہ کی تخت نشینی کے واقعات کو بھی پیش کیا ہے۔ان ساری رسومات سے ارکاٹ کی تہذیب پر روشنی پڑتی ہے۔

وہاں خیراندیش دلہن کے گھر — چلا رسم شب گشت لے با کروضر (زر)

وہ دولہ کا جوڑا جواہر نگار — بھی موتیوں کا سہرا و پھولوں کا ہار

چلا خیراندیش لے سمدی بن — خبر پہوچی جو نیک اختر کہ ھن

پھر رات رہتی اٹھا کوتوال — جگا کر ہر ایک کو کہا اٹھ سنبھال

بند ابوندی لشکر میں ہونے لگے — تیاری گھری گھر میں ہونے لگی

کمر کس کے ہونے لگا کوئی تیار — اٹھا لے بندا کوئی پاپچو ہتیار

کوئی اپنا سا بند باند کر — دئے کاربار اور چھکڑوں پہ دھو

رہے مل یک کے یک ہوگئی جاں وتن — بن آیا جو کچھ کام آنا تھا بن(48)

مذنب نے منظرنگاری اور جزئیات نگاری کو بڑی فنکارانہ انداز میں پیش کیا ہے۔اس کے مطالعہ سے میرحسن کی ''سحرالبیان'' کی یاد آتی ہے۔میرحسن نے مثنوی ''سحرالبیان'' میں باغ کے ہر منظر کے بیان میں جزئیات نگاری کا بخوبی استعمال کیا ہے۔مذنب نے بھی اس کے ہم پہ ہونے کی کچھ حد تک کوشش کی ہے۔مثنوی ''نیچہ آفتاب'' ارکاٹ کی تہذیب وثقافت کا بہترین نمونہ ہے۔

نادرؔ کوارکاٹ کی ادبی تاریخ میں اہم مقام حاصل ہے۔اعظم جاہ نے 21 جمادی الاول 1238ھ مطابق 3 فبروری 1823ء کو نا گور، ترچناپلی اور ارکاٹ کی درگاہوں کی زیارت کی غرض سے سفر پر روانہ ہوئے۔یہ سفر شاہانہ طمطراق کے ساتھ روانہ ہوا تھا۔اعظم جاہ نے سفر ظفر کی روداد تحریر کرنے کا حکم دیا۔غلام عبدالقادر ناظر جواس سفر کے شناسا تھے'' بہار اعظم جاہی'' کے تاریخی نام سے فارسی میں لکھا۔علاوہ بریں اردو میں بھی ''سفر نامہ اعظم جاہ'' کے نام سے نادرؔ نے لکھا۔نادر کا یہ سفر نامہ'' مثنوی نادر'' کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔یوسف خاں کمبل پوش کے سفر نامے'' عجائب فرنگ'' کو پہلا سفر نامہ کہا جاتا ہے جو کہ 1837ء میں لکھا گیا۔'' مثنوی نادر'' اب تک معلوم پہلا سفر نامہ ہے جو منظوم بھی ہے۔یہ سفر نامہ 1238ھ مطابق 1823ھ میں مثنوی کی ہیئت میں لکھا گیا ہے۔اردو ادب میں اس مثنوی کی تاریخی وادبی اہمیت مسلم ہے۔اردو کا پہلا سفر نامہ ہونے کے ساتھ ساتھ ارکاٹ کی تاریخی

دستاویز بھی ہے۔ اس مثنوی کے مطالعہ سے اس زمانہ کی تہذیب، جاگیرداری ماحول، معاشی حالات اور خصوصاً اسباب سفر کا اہتمام وغیرہ کا علم ہوتا ہے۔

قادر خاں ولد احمد خاں میں نصیر الدین ہاشمی نے ''مدرس میں اردو'' میں لکھا ہے کہ قادر خاں ارکاٹ کے متوطن تھے۔ فن قرأت میں اچھی مہارت رکھتے تھے۔ انہوں نے ''مفید القادری'' (سنہ تصنیف 1260ھ) لکھی ہے۔ جس میں قواعد تجوید کا ذکر معہ مثالیں واضح طور پر سمجھایا گیا ہے۔

خاں عالم فاروق ارکاٹ کے اچھے شاعر گزرے ہیں۔ فاروں مستقیم جنگ نامی کے شاگرد اور داماد بھی تھے۔ فاروق عربی، فارسی اور اردو سے اچھی واقفیت رکھتے تھے۔ انہوں نے اردو میں ایک رسالہ ترتیب دیا جس میں احادیث اور اقوال زریں درج ہیں۔ دوسری کتاب ''گلزار ہدایت'' (قاضی بدرالدین کے رد میں) لکھی۔ ایک دیوان اور میزان العروض کا پتہ چلتا ہے۔ یہ دیوان ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد میں مخزون ہے۔ (49) فاروق کے کلام کے مطالعہ سے ان کے مذہبی عقائد کی ترجمانی ہوتی ہے اور ان کے وہابی عقیدہ کا پتہ چلتا ہے۔ ان کے کلام کا نمونہ اس مقالہ کے دوسرے باب ''مستقیم جنگ نامی کے چند ہمعصر اور شاگرد'' کے تحت درج ہے۔

فاروق کے ہمعصر قاضی بدرودولہ ہے۔ انہوں نے عربی اور فارسی میں پہلے طبع آزمائی کی۔ پھر اردو کی طرف راغب ہوئے۔ ان کی اہم کتابوں میں ''ریاض نسواں'' فوائد بدریہ تفسیر فیض الکریم، گلزار ہدایت، بہشت گلزار، نثر الجواہر وغیرہ شامل ہیں۔

تاج الدین حسین خاں، بہجت ارکاٹ کے شاعر ہے، ان کی پیدائش 1214ھ میں ارکاٹ میں ہوئی۔ بیس برس کی عمر میں تعلیم حاصل کرنے کا دیرِ صحیح درست فیصلہ کیا اور اس سلسلہ میں مدرسہ فورٹ سینٹ جارج کالج سے تحصیل علم کا آغاز ہوا۔ یہاں عربی اور فارسی سیکھی۔ ارکاٹ کے استاد مولوی حسن علی ماہلی اور مولوی تراب علی نامی سے فیض علم حاصل کیا۔ مولف سخنوران بلند فکر کے حوالے سے افضل الدین اقبال لکھتے ہیں'' بہجت 32 سال کی عمر میں تعلیم مکمل کی۔ ان میں فارسی زبان کی قابلیت اعلیٰ درجہ کی تھی''۔

بہجت کو 1228ھ میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے میکا کول اور پالم کوٹہ میں مفتی مقرر کیا۔ بہجت نے جماعت وہابیہ کی رد میں اردو میں ''ظفر الصلاح 1266ھ میں لکھی۔ اس کا ایک مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں ہے۔ (50) بہجت نے غزل اور مراثی میں بھی طبع آزمائی کی اور فن تاریخ گوئی میں بھی اچھی مہارت رکھتے تھے۔

مہدی واصف وارکاٹ کی ادبی روایت میں فورٹ سینٹ جارج کالج کے وسیلہ سے اہم مقام حاصل ہے۔

انہوں نے انہوں نے نواب غوث خاں اعظم کے مدرسہ ''مدرسہ اعظم'' اور سینٹ جارج کالج میں 1250 تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ ان کی اہم تصانیف میں حکایت دل پسند، لطف عجیبیہ، حکایت نادرہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ یہ کتابیں فورٹ سینٹ جارج کالج کے نصاب میں شامل ہیں۔ مہدی واصف نے کالج کی جانب سے کئی کتابیں ترجمہ کی۔ ان میں امام غزالی کی تصنیف ''کیمیائے سعادت'' (1853 مطبوعہ مدراس) رسالہ اخلاق النبیؐ کریم، رسالہ تعبیر خواب (امام بخاری، 1856) اور منہاج العابدین وغیرہ ہیں۔ مہدی واصف کی شاعرانہ خصوصیات میں عربی و فارسی کی نادر تشبیہات و ستعارات اور تمثیلوں کی عمدہ مثالیں ملتی ہیں۔

آثمہ ارکاٹی کے ذکر خیر کے بنا ارکاٹ کی ادبی تاریخ ادھوری معلوم ہوتی ہے۔ آثمہ ارکاٹی مستقیم جنگ نامیؔ کے انتقال کے تین برس بعد 1243ھ میں ارکاٹ میں پیدا ہوئیں۔ اس زمانے میں جنوبی ہند کی ادبی تاریخ پر جب ہم روشنی ڈالتے ہیں تو ہمیں کچھ حد تک مایوسی ہوتی ہے کہ اس وقت تک چند ایک شعرات نے اپنے فن کا مظاہرہ کیا۔ اگر ہم اس فہرست پر نظر عدوڑاتے ہیں تو ہمیں انگلیں پر گنی چنی چند خاتون شعراء دکھائی دیتی ہیں۔ ان میں آثمہ ارکاٹی کا نام بھی شامل ہے۔ ارکاٹ کی ادبی تاریخ میں ان کی اہمیت بحیثیت شاعرہ و نثر نگار کی ہے۔

مستقیم جنگ نامیؔ ارکاٹ کے نواب عمدۃ الامراء کے دربار میں ملک الشعراء تھے۔ انہوں نے اپنے استاد باقر آگاہ کی ادبی پیروی کرتے ہوئے ارکاٹ کی ادبی روایت کو آگے بڑھانے میں اہم حصہ ادا کیا ہے۔ ڈاکٹر ذاکرہ غوث لکھتیں ہیں کہ نامی نے اپنے استاد کے کام کو آگے بڑھایا۔ اس زمانے میں انگریزوں کی سرکشیاں شروع ہو چکی تھیں۔ ایسے نازک حالات میں نامیؔ نے انگریزوں کی پالیسی Divide and Role کو سمجھا اور انہیں موذی سانپ قرار دیا۔ نامیؔ نے زمانے کے اصول یا ادبی ماحول کے زیر اثر قدیم اور تاریخی تصانیف کا دکنی اردو میں ترجمہ کیا۔ ان کی زبان میر حسن کی اسلوب بیان سے مشابہت رکھتی ہے۔ ان کی پہلی تصنیف نو بہار عشق (قصہ شیریں خسرو) 1211ھ میں ترجمہ کی۔ دوسری کتاب مثنوی بہارستان عش (لیلیٰ مجنون) 1213ھ میں لکھی۔ ان کی طبع زاد مثنوی ''سلیمان نامہ'' ہے دیگر مثنویوں میں وفات نامہ قصہ بنارس، ساقی ناہ اور گنج قدرت شامل ہے۔ ان تصانیف کا جائزہ اگلے باب میں تفصیل کے ساتھ درج ہے۔

حوالے

1- زینت ساجدہ، ڈی رمانجاراؤ، تلگوادب کی تاریخ، ص35 ص36

2- سیدمحی الدین قادری زور، ادبی تحریریں1963ء ص56

3- عبدالجبار ملکاپوری، محبوب ذلمنن تذکرہ شعرائے دکن، ص1090 وص1091

4- ڈاکٹرجمیل جالبی، مقدمہ دیوان ہاشمی، ص6

5- ایضاً

6- افضل الدین اقبال، مدراس میں اردوادب کی نشوونما، ص65

7- سیدمحی الدین قادری زور، تذکرہ اور مخطوطات، جلداول، ص247

8- محمد سخاوت مرزا، مضمون، شاہ سلطان ثانی، مشمولہ رسالہ اردوسہ ماہی1968ء ص47

9- علیم صبانویدی، ٹملناڈو کے مشاہرادب، ص100

10- محمد سخاوت مرزا، مضمون، شاہ سلطان ثانی، مشمولہ رسالہ اردوسہ ماہی1968ء ص54 وص59

11- افضل الدین اقبال، مدراس میں اردوادب کی نشوونما، ص68

12- محمد سخاوت مرزا، مضمون، شاہ سلطان ثانی، مشمولہ رسالہ اردوسہ ماہی، ص51

13- ہاشمی بیجاپوری، دیوان ہاشمی، مخطوطہ نمبر54 کتب خانہ سالار جنگ لائبریری حیدرآباد

14- ایضاً قلمی بیاض نمبر165

15- ایضاً مخطوطہ نمبر54

16- سیدہ جعفر،، دکنی ادب میں قصیدے کی روایت سنہ اشاعت1999ء ص124

17- مجموعہ غزل، مخطوطہ، قلمی بیاض نمبر168 مملوکہ کتب خانہ سالار جنگ لائبریری حیدرآباد

18- سیدہ جعفر، دکنی ادب میں قصیدے کی روایت، ص124

19- مجموعہ غزل، مخطوطہ، قلمی بیاض، نمبر168 مملوکہ کتب خانہ سالار جنگ لائبریری حیدرآباد

20- میرتقی میر، نکات الشعراء، ص7

21- حبیب نثار، مضمون، سیدہ جعفر نقادو محقق ومدوین، مشمولہ ماہانہ رسالہ اردودنیا، ڈسمبر2016ء ص21

22- شمش اللہ قادری، والہ سید موسوی، ص201

23- سید محمد والہ، طالب وموہنی مرتبہ سید محی الدین قادری زور، 1957ء

24- سید محمد والہ، رازق باری مخطوطہ نمبر440 مملوکہ کتب خانہ سالار جنگ لائبریری حیدرآباد

25- نصیر الدین ہاشمی، یورپ میں دکنی مخطوطات، ص434

26- افضل الدین اقبال، مدراس میں اردو ادب کی نشو ونما، ص93

27- یوسف کوکن عمری، عربک اینڈ پرشین، ص24

28- ایضاً

29- نصیر الدین ہاشمی، کتب خانہ آصفیہ کے اردو مخطوطات، جلد دو، سن اشاعت 1941ص234

30- ڈاکٹر راہی فدائی، دارالعلوم لطیفیہ کا ادبی منظر نامہ، ص70

31- نصیر الدین ہاشمی، مدراس میں اردو، ص30

32- ایضاً، ص31

33- سید محمد ایم اے، ایمان سخن، 1937 حیدرآباد، ص11

34- سید محی الدین قادری زور، تذکرہ اردو مخطوطات، جلد اول، ص170

35- نصیر الدین ہاشمی، مدراس میں اردو، ص67

36- نصیر الدین ہاشمی، یورپ میں دکنی مخطوطات، ص469

37- افسر صدیقی امروہوی، مخطوطات انجمن ترقی اردو، جلد اول، ص326,325

38- ایضاً ص76

39- ایضاً ص77

40- افسر صدیقی امروہوی، مخطوطات انجمن ترقی اردو، جلد اول، ص74

41- علیم صبا نویدی، ٹمل ناڈو کے مشاہیر ادب، ص133

42- شاہ تراب چشتی، من سمجھاون، مرتبہ سیدہ جعفر، ص

43- ایضاً

44- اشرف رفیع، مضمون ''شاہ تراب کی غزل'' مشمولہ رسالہ سب رس، نومبر2002

45- علیم صبا نویدی، ٹملناڈو کے مشاہر ادب۔ مرتبہ جاوید حبیب، ص202

46- نصیر الدین ہاشمی، مدراس میں اردو، ص88

47- سید محی الدین قادری زور، تذکرہ اردو مخطوطات، جلد پنجم 203

48- نصیر الدین ہاشمی، مدراس میں اردو، ص89

49- سید محی الدین قادری زور، تذکرہ اردو مخطوطات، مخطوطہ نمبر 732 جلد چہارم، ص42

50- نصیر الدین ہاشمی، فہرست مخطوطات، اسٹیٹ لائبریری حیدر آباد مخطوطہ نمبر 568

چوتھا باب

مستقیم جنگ نامی کی مثنویوں کا مطالعہ

عزیز الدین نامی ارکاٹ کے عظیم شاعر ہونے کے علاوہ ملک اشعراء بھی تھے۔انہوں نے شاعری کی تقریباً تمام اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کی اکثر تخلیقات مخطوطات کی شکل میں موجود ہیں۔ نامی کی مثنویوں میں نو بہار عشق، بہارستان عشق، سلیمان پیغمبر اور مدینۃ الانوار ادبی اعتبار سے اہم تخلیقات ہیں۔ اردو ادب کی تاریخ میں علاقائی ادب اپنی ایک منفرد اہمیت وحیثیت رکھتا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ جب ادب کا کوئی مورخ تاریخ لکھتا ہے تو تاریخ میں علاقائی ادب کو اکثر و بیشتر نظر انداز کر دیتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں رام بابو سکسینہ کی '' تاریخ ادب اردو'' ہو یا جمیل جالبی کی '' تاریخ ادب اردو'' یا کوئی دوسری تاریخ ادب اردو ہو مثلاً سیدہ جعفر و گیان چند جین کی '' تاریخ ادب اردو، تبسم کاشمیری کی '' تاریخ ادب اردو'' یا انور سدید اور سلیم اختر کی ان تمام میں دکنی ادب کا تو ذکر ملتا ہے لیکن صرف کسی حد تک دبستان گولکنڈہ اور دبستان بیجاپور کے منتخب ادیب وشاعروں کا ترجمہ وتذکرہ ملتا ہے۔ انصار اللہ نظر نے جو'' تاریخ ادب اردو'' لکھی ہے اس میں انہوں نے اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ علاقائی ادب کے نمائندہ ادیب وشاعر شامل ہوجائیں لیکن اس کتاب میں بھی ہمیں نامی ارکاٹی، فاروق ارکاٹی اور نادر ارکاٹی کے نام اور کارنامے نہیں ملتے۔

اردو کے جن مورخین نے علاقائی ادب کو موضوع بنا کر تاریخیں لکھیں ہیں ان میں سب سے پہلی کتاب '' دکن میں اردو'' ہے جسے نصیر الدین ہاشمی نے لکھا ہے۔ اس ضخیم تاریخ ادب اردو میں بھی ہمیں مندرجہ بالا شاعروں کے نام نظر میں نہیں آتے۔ یہی صورتحال ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور کی تصنیف '' دکنی ادب کی تاریخ'' میں ملتی ہے۔ البتہ نصیر الدین ہاشمی نے اپنی پہلی تصنیف کے بعد'' مدارس میں اردو'' کے نام سے ایک مختصر کتاب لکھی اسمیں ارکاٹ کے بیشتر شعراء کا نام مل جاتا ہے۔ افضل الدین اقبال کی کتاب '' مدراس میں اردو ادب کی نشو ونما'' میں ارکاٹ کے شعراء کے کوائف اور تخلیقات پر کسی قدر تفصیل ملتی ہے۔ علیم صبا نویدی نے مدراس کے حوالے سے تقریباً ایک درجن کتابیں لکھی ہیں۔ ان تمام کتابوں میں ایک جیسا مواد ملتا ہے۔ تحقیقی اعتبار سے یہ تمام کتابیں کمزور ہیں۔

اردو ادب کی تاریخ کی بھول بھلائیوں میں ریسرچ اسکالر خود کو کھویا ہوا سمجھنے لگتا ہے۔ راقمۃ الحروف نے جب عزیز الدین نامی کی مثنویوں کا مطالعہ کیا تو احساس ہوا ارکاٹ کی اس ملک الشعراء کو ہر تاریخ ادب اردو میں مقام و مرتبہ دیا جانا چاہئے تھا۔ نامی کی چار اہم مثنویوں کا جب میں نے مطالعہ کیا تو پتہ چلا کہ ادبی و تہذیبی اعتبار سے یہ مثنویاں اردو کی کسی دوسری مثنوی سے کم مرتبہ نہیں ہیں۔ یہ بھی محسوس ہوا کہ محققین نے نامی کی مثنویوں کا نام اپنی سہولت کے لئے اصل کے بجائے کچھ اور ہی لکھا ہے۔ اس سلسلے میں ہم علیم صبا نویدی کے حوالے سے بات کرتے ہیں جسے کاوش بدری نے بابائے ٹمل ناڈو کہا ہے۔ انہوں نے اپنی تصنیف ''تاریخ ادب اردو ٹمل ناڈو'' اور دوسری تصانیف میں مثنویوں کے نام اس طرح لکھے ہیں'' تاریخ ادب ٹاملناڈو'' سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

> "Namis Known mathnavis are "mathnavi-e-laila majnu" "Balqis-wo-sulaiman" "Wafaath Nama" (The Death of our prophet p.h.u.h) He has written this masthnavi with name "Madinatul Anwaar". His other masthnavis are "saqi nama" Qissa-e-Banaras" the story of varanasi "mathnavi-e-Hazrath khadar wali nagoori" (also known as Ganj-e-Qudrath) "Nau Bahar-e-Ishq" Baharisthan-e-Ishq" "Qissa-e-Bibi Mariyam" and Dagisthan-e-kulfath. Diwan is not Available but from his mathnavis we can assess his style of language" (1)

دوسرے محقق سخاوت مرزا ہیں انہوں نے وسیع و پُر مغز مقالہ'' بلقیس و سلیمان'' لکھا ہے۔ جو نوئے ادب بمبئی اپریل 1950ء میں شائع ہوا۔ اس مقالہ میں نامی کی تصانیف کے نام اس طرح لکھتے ہیں اقتباس دیکھئے۔

''ان کی سب سے پہلی تصنیف مثنوی شیریں خسرو، دوسری لیلیٰ مجنون۔ تیسری وفات نامہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم الموسوم بہ مدینۃ الانوار اور چھٹی مثنوی حضرت بلقیس وسلیمان یا سلیمان نامہ ہے اور ساتویں ان کی ایک مثنوی حضرت قادر ولی ناگوریؒ کے حالات میں بھی ہے۔ ان کا اردو اور فارسی دیوان بھی بیان کیا جاتا ہے مگر میری نظر سے نہیں گذرا، ایک نثری کتاب ارود امجمع علم وصفر مولفہ مستقیم جنگ طبع ہوئی ہے مگر یہ تالیف ان کی نہیں معلوم ہوتی۔ اس لئے یہ 1270ھ میں طبع ہوئی یعنی نامی کی وفات سے تیس سال بعد''(2)

مخطوطہ شناس افسر صدیقی نے مخطوطات انجمن ترقی اردو پاکستان جلد اول میں لکھتے ہیں۔

''اس طرح مستقیم جنگ نامی کی کچھ مثنویاں ملتی ہیں جن کے نام (۱) حکایت شیریں خسرو (۲) قصہ قیس ولیلیٰ (۳) مثنوی وفات نبی (۴) ساقی نامہ (۵) بنارس کا قصہ (۶) حکایت سلیمان وبلقیس''(3)

نامی نے عربی، فارسی اور اردو میں طبع آزمائی کی ہے۔ ان کی مثنویوں کے اصل نام ترتیب وار اس طرح ہیں۔ (۱) نو بہار عشق (۲) بہارستان عشق (۳) مدینۃ الانوار (۴) ساقی نامہ (۵) قصہ بنارس (۶) سلیمان پیغمبر مندرجہ بالا مثنویوں کی ترتیب نامی نے مثنوی ''سلیمان پیغمبر'' میں بیان کی ہے۔

(۱) نو بہار عشق کو افسر صدیقی نے ''حکایت شیریں خسرو'' اور سخاوت مرزا نے ''مثنوی شیریں خسرو'' لکھا ہے۔

(۲) بہارستان عشق کو علیم صبا نویدی اور سخاوت مرزا نے مثنوی ''لیلیٰ مجنون'' اور افسر صدیقی نے ''قصہ قیس ولیلیٰ'' لکھا ہے۔

(۳) مدینۃ الانوار، کو علیم صبا نویدی، سخاوت مرزا اور نصیر الدین ہاشمی نے ''وفات نامہ'' اور افسر صدیقی نے مثنوی ''وفات نبی'' لکھا ہے۔

(۴) سلیمان پیغمبر کو علیم صبا نویدی نے ''بلقیس وسلیمان'' افسر صدیقی نے ''حکایت سلیمان وبلقیس'' سلیمان نامہ سلیمان شاہ'' نصیر الدین ہاشمی نے ''سلیمان وبلقیس'' اور محمد یوسف کوکن نے اپنی تصنیف عرب اینڈ پرشین میں

''بوستان بہشت'' (سلیمان نامہ) لکھا ہے جو درست نہیں ہے۔

عزیزالدین نامی سے منسوب دیگر اردو مثنویوں میں ''گنج قدرت'' (احوال حضرت قادرولی ناگور'') ''قصہ بی بی مریم'' اور'' داغستان کلفت'' ہے۔ فہرست مخطوطات کتب خانہ آصفیہ از نصیرالدین ہاشمی کے حوالہ سے نسیم الدین فریس اپنے تحقیقی مقالہ (غیر مطبوعہ) میں نامی کی ایک اور مثنوی'' جنگ نامہ ذی قوم'' کی اطلاع دیتے ہیں۔ (4) افسر صدیقی نے فہرست مخطوطات انجمن ترقی اردو پاکستان میں نامی کی تصانیف کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک اور مثنوی'' چمنستان برکات'' (5) کا ذکر کیا ہے۔ لیکن اس کی کوئی تفصیل نہیں دی ہے کہ یہ مثنوی کب لکھی گئی اور کہاں محفوظ ہے۔

نامی زبان فارسی سے بھی واقف تھے۔ انہوں نے مثنویوں میں بھی ضرورتاً فارسی سے کام لیا ہے۔ انہوں نے فارسی میں طبع آزمائی کی ہے'' فردوس اعجاز اور'' ساقی نامہ'' نامی کی فارسی مثنویاں ہیں اس کے متعلق یوسف کوکن عمری لکھتے ہیں۔

"Only two of his mathnavi's in persian are now extant which are as follows 1. Firdous-e-Ejaz (pp.86x15) it depicts the most touching love storyof candarbadan and Mahiyar, which ends in tragedy. it relates to the age of sultan mahmood Ghaznawi and in the territory of punjab.it bagans thus

الٰہی خاطر باعشر رکن کلام چشمۂ آب گہر کن

فروغی دہ زعشقت سینہ ام را بکن منظور حسن آئینہ ام را

2. Saqi Nama (pp.41x17) also known as maikhana-e-kaifiyat in it he has attempted to wxpress his emotions regarding love and wine.it bagans thus

بسامی باقی ثنا دمبدم کہ ذاتش میرا است از کیف وکم

بجوش آورد جو بیار کرم مربی ابر بہار کرم

the name of the mathnawi mikhana-e-kaifiyat bears the date of the comosition of this masthnawi 1226A.H"(6)

نامی نے فارسی میں ایک مختصر رسالہ بھی لکھا جو سید محمد اسلمی کی تنقیدی

تحریر کا جواب ہے۔ جس میں محمد اسلمی نے مولانا باقر آ گاہ کی ادبی غلطیوں کو اجاگر کرتے ہوئے تنقید کی ہے۔ یوسف کوکن لکھتے ہیں۔

"he wrote a short pamplet (pp.30x12) in persian bitterly criticising and pointing out the defects inthe writing of malvi muhammad sayeed aslmi who had tried to point out mistakes in the writing of moulana baqiragah."(7)

عزیزالدین نامی کی مثنوی ''نو بہار عشق'' ایک اہم مثنوی ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ ادارہ ادبیات اردو میں محفوظ ہے جس کا داخلہ نمبر (۵۱۷) ہے۔ ادارہ کی فہرست جلد اول میں ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور نے اس نسخہ کا تعارف کروایا ہے۔ اس نسخہ کے جملہ اوراق کی تعداد (۱۷۹) ہے اور فی صفحہ سطور کی تعداد (۱۰) ہے اور جلد سوم میں (۲۰) بتائی ہے۔ لیکن راقمۃ الحروف کی تحقیق کے مطابق سطور فی صفحہ (۱۱) ہے۔ نسخہ کا سائز (۵x۲۲/۱۱.۷/) ہے۔ خط نستعلیق میں لکھا گیا ہے۔ عناوین کی ابیات سرخ روشنائی سے لکھی گئی ہیں۔ سنہ تصنیف ۱۲۱۱ھ اور سنہ کتابت ۱۲۷۷ھ ہے۔

مثنوی ''نو بہار عشق'' فارسی شاعر نظامی گنجوی کی مثنوی ''شیریں خسرو'' کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ مثنوی تین ہزار پانچ سو ابیات پر مشتمل ہے۔ نامی نے غزل گوئی سے کام لیتے ہوئے جابجا غزلیں بھی لکھی ہیں جس کے مقطعوں میں نامی تخلص لایا گیا ہے۔ اس مثنوی کے مطالعہ سے مصنف کی سوانح کو انف کا علم ہوتا ہے۔ یعنی یہ مثنوی نامی نے نوجوانی میں لکھی ہے۔ اس تصنیف کے وقت نامی کے والدین با حیات تھے۔ شاعر نے والدین، بھائی، بہن، بیوی اور اولاد کی سلامتی کی دعا کی ہے۔ بادشاہ وقت کے قصیدہ میں نواب عمدۃ الامراء، ان کی بہن اور فرزند سراج الملک کے لئے بھی دعا مانگی ہے۔ اصل موضوع کے بیان کے بعد کتاب کا نام سن تصنیف اور زبان سے متعلق لکھ کر مثنوی کا اختتام کیا ہے۔ زیر بحث مثنوی کی کتابت کا ترقیمہ حسب ذیل ہے۔

'' بتاریخ ماہ ذیقعدہ بروز چہارشنبہ ۱۲۷۷ھ میں ادارے کے کتب

خانے میں داخل ہوا آخر میں ان کے دستخط ثبت ہے‘‘(8)

اس مثنوی کا ایک اور نسخہ حیدر آباد کے کتب خانہ سالار جنگ میں محفوظ ہے۔ داخلہ نمبر (۸۴۵) ہے۔ دیسی کاغذ پر خط نستعلیق میں خوش خط لکھا گیا ہے۔ مخطوطے کا بیرونی سائز (۵x۷) ہے۔ جملہ اوراق ۲۷۸ ہیں اور سطور فی صفحہ (۱۱) ہے مثنوی کی تاریخ تصنیف ۱۲۱۱ھ اور کتابت ۱۲۲۸ھ میں کی گئی ہے۔ خاتمہ اس طرح درج ہے۔

’’تمام شد قصہ شیریں وخسرو ہندی موسوم بہ نو بہار عشق من تصنیف
غلام اعزاالدین خان بہادر مستقیم جنگ نامی سلخ ماذی الحجہ ۱۲۲۸ھ از دست
غلام حسین وسید محمد وافضل حسین خان بہادر بروز جمعہ وقت یکپاس روز برآمد
در دیوان خانہ نجف علی خاں بہادر بباغ نواب عظیم الدولہ بہادر باتم رسید
۱۲۲۸ھ‘‘(9)

مزید ایک اور نسخہ مدراس میں ہے اس کے بارے میں ڈاکٹر سید سجاد حسین لکھتے ہیں۔

’’نو بہار عشق کا قلمی نسخہ کتب خانہ عام اہل اسلام مدراس میں محفوظ ہے۔ یہ نسخہ خوش خط میں لکھا ہوا ہے اور خاتمہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مصنف کی زندگی میں ان کی صاحبزادی کے لئے لکھا گیا ہے۔‘‘(10)

اردو ہندوستان کی زبان ہے اور ہندوستان کا شمار مشرق کے ایک اہم ادبی ورثہ کے طور پر ہوتا ہے۔ مشرقی ادبیات کی اپنی شعریات ہیں۔ اردو ادب کی بنیاد فارسی ادب کے سہارے استوار کی گئی ہیں۔ فارسی ادب کی کسی بھی شعری تخلیق کو لکھنے کا یہ طریقہ کار رہوتا ہے کہ ابتداء میں خدا کی حمد وثناء کی جاتی ہے پھر نعت شریف میں اشعار موزوں کئے جاتے ہیں پھر خلفائے راشدین یا حضرت علیؓ کی منقبت لکھی جاتی ہے۔ اس کے بعد بادشاہ وقت کی مدح سرائی کی جاتی ہے اور پھر شاعر سبب تالیف کے بعد اپنی تخلیق کو سرانجام دیتا ہے۔ عزیز الدین نامی بھی اپنی مثنویوں میں مشرقی ادب کی ان شعریات کا خاص خیال رکھا ہے۔ نامی کی سب سے پہلی مثنوی ’’نور بہار عشق‘‘ ہے۔ اس میں انہوں نے حمد، نعت شریف، معراج نامہ لکھنے کے بعد بادشاہ کا قصیدہ لکھا ہے اور پھر سبب تالیف بیان کرنے کے بعد اصل موضوع کی ابتداء کی ہے۔ ذیل میں ’’نو بہار عشق‘‘ سے حمد۔ نعت اور معراج نامے کے سلسلے کے چند اشعار درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) مثنوی ’’نو بہار عشق‘‘ سے حمد کے ابیات ملاحظہ ہو۔

ہے اس کی حمد شیریں سے زبان تر
کیا ادہ حسن یوں گرم بازار
لطافت حسن کی جب گل کو بخشا
کراول حسن یوسف کو نمودار
ہوئے جب اوسی صاحب حسن لیلیٰ
کیا شیریں کی صورت جب ---
دیا چندر بدن کو ایسا چمکا
کہیں روشن کیا نار اور کہیں نور
اسی سے جلوگرہی ماہ خورشید
عجب خالق کہ بے یار و مددگار
کیا دریا کا دامن برکھر سے
کیا ہے قطرہ نسیاں کو گوہر
طابع کوکیا مربوط دیا ہم
ہوے ہیں اسے باہم دوست اصداد
کیا پیدہا ہے کیا کیا نعمتیں وہ
مینا یا برس یا روزیارت
عدم سے جو کیا ہی ہم کو موجود
مرا ذات اس کے عیب سے ہیں
وہی ہے اول وآخر وہی ہے
اسی کو قل ہواللہ احد جان
تعالیٰ اللہ کی لے مثل و مانند
کسی پر --- اوسکا نہ ظاہر
عجب نادر ہے تو رب اکرم

کھڑے ہیں خسروان سب اوسکے در پر
کہ دایم عشق ہے اوسکا خریدار
محبت سینہ بلبل کو بخشا
زلیخا کو کیا غفلت سے بیدار
نگہہ میں ایک دل مجنون کا لیلیٰ
کیا فرہاد اور خسرو کو شیدا
گلا مہیار جس سے ماہ نوسا
کہیں پریان کیا ظاہر کہیں حور
زمیں و چرخ قایم اوس سے جاوید
کرے یک تخم سے سامان گلزار
بھرا ہے معدسیم وزر سے
جواہر سے چڑاتا رہے ملک پر
کیا اجسام سے اروح مہدم
مثال آب و خاک و آتش باد
دیا ہے نعمتوں میں ندامتیں وہ
ہے گردش ان سبھوں کی اس کے ہی مات
اگر جاہے کرے پھر سب کو نابود
ہزپایا اسے سے ہی ہر یک شئے
وہی ہے باطن و ظاہر وہی ہے
اسی کا وصف اللہ الصمد جان
کہ خوانند خدا وندا خداوند
نہ اس کے علم سے کوئی ہے باہر
بجز تیرے تیرائی کوئی محرم

ہے تیرے پاس یکساں حاضروعجیب　　　توہی دانا ہی سب ۔۔۔۔
تیری قدرت کا قطرہ ایک دریا　　　تیری حکم کا نکتہ دین و دنیا
نہیں ہے انتہا قدرت کو تیری　　　ہر گرابند سبقت کو تیری
تجھے زیبا ہے یا رب بادشاہی　　　بنایا تو سفدی اور سیاہی
تیرا ہی سب زمین و آسمان ہے　　　تیرا کیا یہہ جہان کیا وہ جہان ہے
جہان دیکھو تہان تیرا ظہورا　　　تو ہی جیون چاہئے ہے شبہہ پورا
پگر ذرے سے تا خورشید انور　　　تیرے انور سے ہیں سب منور
تیرے اسرار کا ہے ہرطرف سیر　　　کسی جا میں نہیں گنجایش غیر
جہان میں جو کوئی ہوگا حق آگاہ　　　نہ پاویگا کہیں وہ ماسواللہ
جسے باطن کی ہے بینائی عین　　　وہی دیکھے گا عین غیر کو عین
ہے ہر ہر سنک رون تجسے جون طور　　　ولیکن آنکھ میں اپنی نہیں نور
بھرے تیری اول سے جزوکل نہیں　　　نت الفت میں تیرے ملک ملک
تیرا جب عشق انسان میں سمایا　　　ہوا پورا تجلی کا سمایا
ہے تیرے حمد کی کب ہم کو مقدور　　　یہی نہیں عقل حیران فہم مغرور
توہی جانے تیری تعریف کا راز　　　تو ہی جانے تیری قدرت کا انداز
کہاتج وصف میں جب شاہ لولاک　　　زبان درفشاں سے ماغرمناک
ہے عاصی نامی بیچارہ کیا حال　　　کہ کہو لیی حمد من تیرے پر وبال (11)

فارسی میں نظامی گنجوی کی مثنوی لیلیٰ مجنوں سب سے قدیم اور اس موضوع پر پہلی مثنوی ہے۔ لیلیٰ مجنون کی عشقیہ داستان کو ماخذ بنا کر عزیز الدین نامی نے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ داستان کوئی بھی ہو ترجمہ نگار باکمال ہو تو معمولی اور ادنیٰ واقعہ بھی دلکش ہوجاتا ہے۔ اصل داستان کے آغاز سے پہلے حمد باری تعالیٰ بیان کی ہے۔ اس کے بعد نعت شریف پھر مراج کا واقعہ بیان کیا ہے۔

بہارستان عشق سے حمد باری تعالیٰ کے اشعار ملاحظہ ہو۔

کون کرسکتا ہے حمد کردیگار　　　عقل ہے مجنوں جہاں لیل و نہار

ہوش و فہم و وہم اور ذہن و ذکا
اس -----------

عقل کی کرسی گرچہ عرش ہے
پرشنا میں اس کے دائم فرش ہے

جود سے اس کے ہواسب کا نمود
پائے عالم نے اسی سے وجود

ہے وہی ہے رب یک پروردگار
جو بنایا عالم ہژدہ ہزار

وہ عجب کچھ ہے خدا وند جلیل
جس کی قدرت پر ہی ہر ذرہ دلیل

وحدیت غیب اس کی ذات ہے
دوجہان میں بات یہہ اثبات ہے

اس سے ہے سارا نمود حسن و عشق
ہی اسی سے نیاز پرور حسن عشق

تازہ تر اس سے ہے گلزآر حسن
گرم اس سے ہے سدا بازار حسن

کیا کہوں کیا کیا بنایا خوب رو
سروقدوہ غنچہ لب اور مشک بو

شمع سے پروانہ کو بخشا لگن
کردیا بلبل کو مفتون چمن

سرو سے و زینت بستان کیا
فاختوں کو اسپو سرگرداں کیا

جب دیا آئینہ کے تئیں آب و رنگ
طوطیاں کو کردیا حیران و دنگ

ہے سخن یہہ ماہتاب و آفتاب
بحر قدرت کا ہے ------

حکم سے اس کو ہے قایم
اس نے ظاہر کردیا کیا کیا نبات

کون کرسکتا ہے ایسی صنعتیں
کس کوقدرت ہے جوکرے یہ نذرتین

عکس سے اس مہر کے پُرنور ہے
گر ہے ویران رواگر معمور ہے

وصف یں اس کا ہے دریا تر زبان
ابر اس کے حمد سے عنب البیان

ہم کو اس نے عقل اور آسمان دیا
ایک کن کے سات سب کو جان دیا

آنکھ بخشا کان بخشا پاؤں بخشا ہے
ہونٹ بخشا جیب بخشا ہاتھ ہے

جب فلک کے ----کورونق دیا
کردیا خورشید کا روشن دیا

کوہٗ گر ارض و سماں جن و بشر
آب و آتش خاک ودبادو بحر وبر

لامکان سے لے کر تحت الثرا
ان سبھوں کو ان سے ہے پیدا کیا

ہے وہی قائم ازل سے تاابد
اس سے ہے ہیگا وجود نیک و بد

کوئی دو جگ میں نہیں اس کا شریک ۔۔۔ ذات اس کی ہے بلاشک لاشریک
حکم میں اس کے ہے سب جن و پری ۔۔۔ اس کو ہی زیبا دو جگ کی سروری
اول و آخر اسی کا دور ہے ۔۔۔ ہے وہی سب جانیں کوئی اور ہے
فیض اس کا ہے جہاں دیکھو تہاں ۔۔۔ ہے اسی سے رونق کون و مکان
ہے اسی کا نام رحمٰن اور رحیم ۔۔۔ ہے اسی کا وصف سبحان و کریم
خالق ورازق و صانع اور حکیم ۔۔۔ قادر و ناصر وہی ہے اور قدیم
کس کو اس کے وصف کی مدور ہے ۔۔۔ عقل و دل ہے یہاں سبھی معذور ہے
کس طرے نامی سے ہو حمد خدا ۔۔۔ جب نبی فرمائی لا احصی ثنا (12)

مستقیم جنگ نامی نے اپنی ہر مثنوی کی شروعات میں مشرقی روایت کا پاس ولحاظ رکھا ہے چنانچہ ہر مثنوی میں انہوں نے حمد باری تعالی، نعت شریف اور معراج نامہ یا مناجات لکھی ہے۔ انفرادیت اس میں یہ رکھی ہے کہ ہر مثنوی میں ان اصناف سخن کی کیفیت تبدیل شدہ ہے چونکہ موضوع کی یکسانیت پائی جاتی ہے۔ اسی بناء پر مستقیم جنگ نامی کی مثنویوں کی ان اصناف کو یہاں یکساں درج کیا جاتا ہے کہ بار بار کے بیان سے تکرار کی کیفیت سے بچا جاسکے۔ یہاں ایک وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ حمد ونعت کے تمام اشعار لکھے گئے۔ بیاس لئے مناسب معلوم ہوا کہ مستقیم جنگ نامی کی تمام تر مثنویاں غیر مطبوعہ ہیں اور تا حال ان کی اشاعت عمل میں نہیں آئی ہے۔ ایک خیال راقمۃ الحروف کو یہ بھی ہے کہ کم از کم اس مقالے میں نامی کی شاعری کے نمونے زیادہ سے زیادہ محفوظ ہوجائیں۔

مثنوی" مدینۃ الانوار" میں عزیز الدین نامی نے حضور ﷺ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد کو موضوع بنایا ہے چونکہ یہ موضوع بقا وفنا سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی مناسبت سے عزیز الدین نامی نے مضامین باندھیں ہیں۔ حمد کے اشعار ملاحظہ ہوں۔

لائق حمد ہے اسی کی ذات ۔۔۔ جس کے قبضے میں سب کی موت وحیات
وہی بخشش دوجہاں کو وجود ۔۔۔ وہی کرتا ہے سب کے تن نابود
ذات کو اس کی ہی قیام مدام ۔۔۔ نہیں عالم کے تئیں مدام قیام
نہ رہیگا زمین پہ یک انسان ۔۔۔ اس سوا کل من علیہا فان
وہی ہیگا قدم و جگ حادثت ۔۔۔ سب میں مبعوث اور وہ باعث

حیی و قیوم ہے اسی کا نام — وہی آغاز ہے وہی انجام
وہی مردوں کو بخشا ہے جیی — یجزج المیت منا لحی
صرف ہیگا نہ جان کا مالک — ہے وہ کون و مکان کا مالک
خاک سے خلق کو کیا پیدا — پھر اسی خاک میں ملا دے گا
کام اس کا ہے جان نوازی ہے — حکم میں اس کی سرفرازی ہے
فیض سے اس کی زندگانی ہے — زندگانی جاودانی ہے
لذت غم سے اس کے ہرے برک — ماری فرحت کے ہوئے شادی مرگ
اس الم کے ------ ہوآگاہ — انبیا ہو کی فنا فی اللہ
جب ہئی اس کے ذات میں فانی — اس لطافت کو خوب کچھ جانی
نت فنا بیچ ان کو لذت ہے — موت میں ان کی تین مسرت ہے
وصف میں اس کے ذہن ہے کودن — عقل کو یہاں نہیں مجال سخن
جب کہا ہیگا دین کا ملا — ماعرفناک حق معرفتک
ہم ہیں کیا مال جو کریں تعریف — انبیاء سے نہ ہو اس کی توصیف
بجز کا اپنی نامیؔ کرکے بیان — کرمناجات میں دراز زبان (13)

مثنوی ''مدینۃ الانوار'' میں مستقیم جنگ نامی نے آنحضرت کے قرآنی القاب سے مضمون کو مزین کیا ہے اور آخر میں اس مضمون کے بیان میں اپنے بجز کا بیان کیا وہیں سلیمان پیغمبر میں ان کی کرامات اور اس کائنات کے جن وانس پر آپ کی حکومت کا بیان کرتے ہوئے حمد کے مضامین بیان کئے ہیں۔ مثنوی ''سلیمان پیغمبر'' سے حمد تعالیٰ کے اشعار دیکھئے

سراون سدا اس سلیمان کو — دیا جان جو جان و انسان کو
زمین و فلک اور عرش برین — ہوے اس کی قدرت سے کرسی نشین
اگر جوی شیرین ہے یا بحرشور — ہے دونو کو بخشا دہے زور و شور
بجزباد کے روز شب ایکسان — پھراتا ہے گردون کا تخت روان
ہوا عاجزون کا جو حاجت روا — کیا تخم پے برگ کو یا توا

اسی نے دیا مثل برق و سحاب
سمندر سمندر کتیں آب و تاب

اگر گلشن نور یانار ہے
اسے کے ہوا ہیچ ہر بار ہے

کیا خاک سے جسم آدم بنا
بن اوسکے کوئی یوں سکیے کا بنا

اسی سے ہوا شیش صاحب جمال
اسی نے قوبارد کو بخشا جلال

رہا اوس سے ادریس جنت میں جا
دیا دل میں جھی کے یونس کو جا

روان عین طوفان میں کر روح کو
دیا مخلصی کشتے نوح کو

کہوں کیا وہ کیسا ہے قادر جلیل
کہ گلشن کیا دم میں نار خلیل

جو دیکھا ثبات نبی سلیم
فدا کرعدیا ہے بذبح عظیم

وہی شان اسحاق برتر کیا
وہ صالح کو پتھر سے ناقہ دیا

اسی کی عنایت سے دانیا و ہود
کئے جگ میں اعجاز اپنے نمود

وہے لوط کے کرکمک ایک بار
کیا قوم کو اس کے سب زیربار

بنا نرم آہن کوداؤد سے
کیا بہرور اس کے سب زیربار

سلیمان کو ایسا کیا بادشاہ
کہ جن وپری ہوگئے خیرخواہ

دیا دولت صبر ایوب کو
منور کیا چشم یعقوب کو

اسی نے نکال آفت چاہ سے
کیا شاد یوسف کے تئیں چاہ سے

وہی ذکریا کو بشارت دیا
وہ یحییٰ کو شان شہادت دیا

خضر اور الیاس کو طاودان
رکھا بحر اور بر میں کرپاسبان

بچایا وہی جان اصحاب کہف
اڑایا دہے شان اصحاب کہف

سکندر کو بخشا ہے جاہ وعلو
دیا حکمت و علم لقمان کو

شعیب اور ہارون کو حرمت دیا
عزیز اور یوشع کو عزت دیا

وہ موسیٰ کی خاطر دبایا کئے
دم عیسیٰ سے جلایا کئے

محمدؐ کو معراج بخشا وہی
اسے فخر کا تاج بخشا وہی

کہا اس کے تئیں سیدالمرسلین
بنایا شہنشاہ دنیا و دین

ملک کو عنایت کیا بال و پر
فلک کو دیا شمع شمس و قمر

ہے وہ خالق بحرادب حیات
اسی نے بنایا ہے نیل و فرات

کیا اس نے پیدا بہشت و سقر
اسی سے ہے سب خلقت خیر و شر

کہیں مہر کو اپنے ظاہر کیا
کہیں قہر و غصہ سے باہر کیا

عزازیل سرکش کیا جب غرور
کیا اپنے انوار رحمت سے دور

وہ حاکم ہے وہ جس سے دجال خر
مقید پڑا ہے جزیری میں ڈر

وہ قاہر کہ مجھہ کو کررو برو
کیا دم میں مردود نمرود کو

نظر کرکے شداد کا شوروشر
ارم سے کیا ہے مقسم سقر

خدائی کا فرعون کیا جب غلو
ڈوبایا اسے اور سب فوج کو

نہ قارون کو تنہا کیا زیرخاک
کئے خس کو گم کرکیا جگ کو پاک

کہوں اس کی قدرت کا کیا بندوبست
کہ یاجوج ماجوج ہیں جس سے پست

فلاطون کے دعوی کون باطل کیا
ارسطو کے غری کو عاطل کیا

اسی سے زبون ہوستمگر کئے
فریدون و بہرام و جم مر کئے

ہوا اس سے ضحاک ظلم خراب
موار ستم زال افراسیاب

جو تنہا شاہ مغرور سربخت نصر
کیا دولت طول کو اس کے قصر

کیا قابض روح کون جب روان
نہ ہرمز رہا پھر نہ نوشیروان

وہی کردیا سینہ خسرو کا چاک
اسی سے ہوا ہے ہلاکو ہلاک

وہ ایسا ہے قدر کی اصحاب فیل
ہوے ہیں ابابیل سے سب ذلیل

ابوجہل کا سر کیا پائے مال
کیا بولہب کو جلا کر زغال

وہ مومنوں کون دیا ہے نعیم
ولاکافرین عذاب علیم

غرض وہ ہے یک قادر ذوالجلال
نہیں ہم کو اس کے صفت کے مجال

نہ اس کے صفت ذکر میں آسکے
نہ اس کو کوئی فکر میں لاسکے

ہے اس راہ کا قطع کرنا محال
کہ ہے لنگیہان خیل وہم و خیال

خرد کا کبوتر ہے کو تیز پر　　یہ اس راہ میں اس کا پے بال و پر
اگرچہ ہے اپنا تصور رسا　　ہپ ہے دنک اس جا میں تصویر سا
ہوی اس جگہ ہوش کے گم ہواس　　یہاں کام کرتا نہیں ہے قیاس
اگر ہر جورون رون میں ہووے زبان　　نہیں ہیگا ممکن صفت کا بیان
نہ پہونچا جہان انبیا کا خیال　　ستایش کے اوسکے یہی کس کو مجال
ہماری ثنا سے غنی ذات ہے　　بس اب نامی وقت مناجات ہے(14)

مستقیم جنگ نامی نے اپنی مثنویوں میں حمد کا بیان کرتے ہوئے موضوع کی مطابقت ملحوظ رکھتے ہوئے مضامین بیان کئے ہیں یہی صورتحال ان کی مثنویوں میں لکھی گئی نعت شریف کے مضامین کی نظر آتی ہے۔

مثنوی ''نو بہار عشق'' سے نعت کے اشعار ملاحظہ ہو

مئی کوثر پلا اب مجکو ساقی　　نہایت ہوتا ہوں اشتیاقی
ہوان کو حیرت راس سے انور　　لکھوں لوح جگر پر نعت مختار
محمد مصطفٰی خاص خدا ہے　　صفت میں اس کے جو بولوں بجا ہے
اسی کا ملک ہے دنیا و عقبیٰ　　اسی کا تخت ہے عرش معلیٰ
ہو دوجگ کا وہ مختار لاریب　　کیا مختار اس کو عالم الغیب
وہی ہے گوہر بحر رسالت　　وہی ہے جوہر ----- جلالت
عجب کیا گر نہیں تھا اس کو سایہ　　سراپا ذات تھی وہ نورمایہ
منور ذات وہ عین الیقین تھی　　چراغ آسمان شمع زمین تھی
تمامی انبیا ہیں اوسکے مختار　　وہی ہے دوجہاں میں صاحب تاج
میرے اسبات پر ہے دال لولاک　　نہوتا وہ نہوتے کب یہ افلاک
جہاں تک دیکتے ہو یہ خدائی　　اوسی کی ذات سے سب زیب پائی
قہر سے اوہ رسالت کی فلک کا　　درتاج کرامت ہی فلک کا
ونین ہے تو بتادین کی راہ　　دیا ایمان وانمین فی کہوالہ
شفاعت روز محشر اوسکی ہی بات　　جو ہی محروم اوس سے اسپوہی

تیرا ہم کیا کر سن شکر اب خدایا　　محمد ساجو ہم خاوند پایا
نہیں نیست ہیا سے ــــــ کو　　کہاں نسبت کہو شاہ وکدا کو
وہی لاریب ختم المرسلیں ہے　　وہی سارے مکانونکا مکین ہے
سراسر ذات وہ نورالٰہی　　ہے جس سے آدم و عالم صبا ہی
تیرا ہی کون ثانی اے شہ دین　　تو ہی جون مرسل دوسرہن پروین
تو ہی پے ایب شاہ دسرا ہے　　تیرا کون اسا دوسرا ہے
نبوت رانوئی آن نامہ درمشت　　کہ از تعظیم داروبہر برلشت
تیرا ایوانکا اے ــــــ　　ہی سگ آسان یک طور سین
عوو تیرا جو ہوے بولہب سا　　سنواد الو جو فی الدارین ہگا
تو جس سے خوش ہوے ایسے خدا خوش　　خوشی تیرے ہی ارض و سما خوش
تو ہی شاہنشاہ دنیا واین ہے　　تو ہی محبوب رب العالمین ہے
ہونیے گر تیریسے آبیاری　　تو ہوتالی کرم ابر بہاری
تیردست کرم سے ابرنیسان　　ہوا ہے جگمیں مروارید ابران
دو عالم بیچ ہی اب کون ایسا　　کہ اوہ دایم نہیں محتاج تیرا
نہ کوئی تجسی بالا آج ہیگا　　تو بیشک صاحب معراج ہیگا (15)

''نو بہار عشق'' عزیز الدین نامی کی پہلی مثنوی ہے۔ مشق سخن میں ابھی پختگی نہیں آئی ہے اسی لئے اس کلام کو پڑھتے ہوئے شاعر کے نو مشق ہونے کا گمان ہوتا ہے لیکن جب انہوں نے اپنی دوسری مثنوی ''بہارستان عشق'' لکھی تو یہاں استادی کا پرتو نظر آتا ہے۔ مضامین میں بھی ندرت ہے اور نعت کے اشعار کی ابتداء مطرب کو مخاطب کرتے ہوئے کی ہے۔ ''بہارستان عشق'' سے نعت مقبول کے اشعار ملاحظہ ہو

بول ستری راگ اے مطرب شتاب　　چھیڑ آنہار مجاز سے وہاب
نعت ہی اس سیر کی کہنا ضرور　　داؤدین کو ہے جس سے سرور
احسن الخلوق و محبوب خدا　　مصطفیٰ ہی مصطفیٰ مصطفیٰ ہی مصطفیٰ
ہے پناہ انبیا جس کا جناب　　رحمت العالمین جس کو خطاب

مصحف رو جس کا سب آیات نور
جبین پیشانی کی جون بین السطور

نور سے اس کے مدد آدم لیا
تب تو اس دنیا میں وہ آدم ہوا

کب خلاص نوح کو دینا خدا
حفظہ اس کا کرنہوتا ناخدا

کر خلیل منصب کہ وہ گلزار ہے
اس کی دولت خانہ کا معمار ہی

یونس و ادریس کو اس سے پناہ
فیض اس کا ہے زماہی تاماہ

لطف اوس کا گر نتھا تنوزن
عرس موسے کانتھا کہیون نورین

ہی سلیمان گرچہ اول تاجدار
اس کے ہی دربار کا یک بیشمار

ذکریا سے ذکر اس کی بیشمار
مثل یحییٰ تھے دعاگو سوہزار

یوسف وصالح کا اب سن وہاں ہومقام
سارنیں اسوار یہہ اور وہ غلام

جس کی دیوڑی کا نظر ہر کارہ ہے
وہاں سکندر کو کہو کیا بارہ ہے

ہود اس کے دو پہ فتاح و عزیب
اس کے بہی سرکار کا عیسیٰ طیب

شان یودیکہہ اس کی کہتے ہیں ملک
کیا تیری حشمت ہی اللہ معک

آستاں پر جس کے نت روح الامین
ہی سنو جنت تیی سربرزمین

حکم میں اس کے ہے بحروبر تمام
زیرو باللا کا ہے حاکم لاکلام

دوستدار حضرت قیوم ہے
دوجہاں خادم ہیں وہ مخدوم ہے

ہی رسالت کے فلک کا آفتاب
ابر رحمت ہے وہی عالیجناب

گرگنہہ گارون پہ ہو اس کی نگاہ
پھرنہیں کوئی رہیگا یہاں روسیاہ

قدس کی محفل کا ہے مسند نشین
دین دنیا اس کے ہے زیرنگین

سب خدائی کا ہے وہ مختار گل
دوجہاں میں ہے اوسی کا شوروغل

اوس سے کر روشن ہدایت کا چراغ
حق کہا ہے ماعلیک الا البلاغ

سنتے ہے جس شاہ کے بازوو کا بل
جس شہنشہ کو فرشتوں کا ہو عیش

کیوں نہ کانپناس سے کفار قریش

ذات سے اوسکے ہی جگ پرنوری سب   ہے وہی --------عجم ماہ عرب
بیگمان و صاحب لولاک ہے   جسے پا انداز نہ افلاک ہے
دفترِ دیوان قدرت ہے وہی   محضر مہر نبوت ہے وہی
دین سے اس کا عدو مردود ہے   دوست اس کا عاقیب محمود ہے
ذات عالی جس کی ہو فخر الورا   کیون نہ دختر اس کی ہو -------
کیا عجب یہ نام اس کا ہی بتول   ہے جنابِ پاک وہ بنت رسول
دودمانِ مصطفیٰ کے ہیں چراغ   جس سے عصمت کا ہو روشن دماغ
ہے وہی خاتون جنت بے گمان   مریم و حوا کے یہہ رتبہ کہان
----------------   کب پونچتی ہے اسے بی بی کوئی
زوج یہ ہینگی علی مرتضیٰ   شان میں جس کے ہے نازل ہل اتا
قدس میں ہیں فرد گرچہ اہلبیت   پر علی کی ذات ہیگی شاہ بیت
اس کے دو فرزند ہیں عالی گہر   جن سے پائے آبرو جن و بشر
حضرت مختار کے سبطین ہیں   بالیقین یہ دونو اس کے عین ہیں
ہیں امامت کے فلک کے مہروماہ   ہم سیہ کارون کے ہیں ہادیٔ راہ
معدنِ اسرار ہیں یہ چارتن   جن سے نکلے ہینگے باقی نورتن
ہینگے یہ سب اہل بیت مصطفیٰ   سروران دین و مقبول خدا
نحن لاتحصی ثنائک سیدا   السلام علیک یا بدرالدجا
ہوہزارانسے درودان اور سلام   تجیہہ اور تجہ آل پر ہر صبح و شام
ہے عزیزالدین نامیؔ کمترین   رحم کرائے رحمت اللعلمین (16)

''مدینتہ الانوار'' میں عزیزالدین نامی کا فن مزید ترقی کرتا ہوا نظر آ تا ہے۔ یہاں نعت شریف کے مضامین پڑھئے پتہ چلتا ہے کہ سلاست اپنی مثال ہے چھوٹی بحر میں مضامین کو شگفتگی عطا کی ہے مثنوی ''مدینتہ الانوار'' سے نعت شریف کے اشعار ملاحظہ ہو۔

نعت سید عالم و افتخار اولاد آدم باعث وجود

زمین وآسمان ولوح وقلم صلی اللہ علیہ وآلہ وازواجہ رضی اللہ وبارک وسلم

سرور دوجہان محمدؐ ہی
رہبر رہ روان محمدؐ ہی

دوسرا کا ہی تاجدار وہی
زیرو بالا کا شہریار وہی

ہی وہ دوجک کا باعث ایجاد
ملک اوسکی ہیں بندہ و آزاد

انبیا اولیا کا ہے سردار
ہیکا دارین کا وہی مختار

یژدہ عالم ہیں اس کی در کی فقیر
دین و دنیا اسی کی ہی جاگیر

خاتم الانبیاء مرسل ہے
مربی میں سبھون سے اول ہے

بعد سب کے کیا ہے گرچہ ظہور
پہلی آدم کی تھاپہ اس کا نور

نور سے اس کی آدم و حوا
روز میثاق بیچ فیض لیا

نور سے اس کی انبیاء و ملک
نورسیی اس کی ہی زمین و فلک

نور سے اس کی دوجہان انور
نور سے اس کی ہینگے شمس و قمر

نور سی اوسکی ہینکی جنت و حور
عرش و کرسی میں ہے اوسیکا نور

نور اس کا ہی لامکان کا چراغ
نور اس کا ہے قدسیان کا چراغ

کیا ہوا کردہ سب کو بعد آیا
اس کے پائیکو کب کوئی پایا

بات یہہ تو عیان ہے عالم پر
پہلی اگتا ہے جہاز بعد ثمر

آکے نسیان کرے سداالقدیم
پیچھی ہوتا ہی اس کے دریتیم

ہے بری اس کا عرش سے پایہ
اس سبب اس کت تیئں نہ تہاسایہ

خود وہ سایہ تھا حق تعالٰی کا
سایہ کو سایہ کوئی بہی دیکھا

اس کا سایہ ہے برس ہردم
اس لئے تھا زمین سیتی کم

تاکہ عالم کے عیب کا ہو ستر
حشر میں اس کا سایہ ہو کا چتر

ہے یہان اوروہان وہی والی
ربنا مدظلہ العالے

بس جو ایسا ہو سرورعالم
جو کرون وصف اس کے سو ہے کم

الحق ایسا ہی وہ معلا ہے
مدح میں جس کے حق تعالٰی ہے

نامیؔ نعت اس کی ہو سکے گی کب   مانگ لے جو کے مانگتا ہے اب
حق سے نت اس پہ ہو درود و سلام   آل و اصحاب پر بھی اس کے مدام(۱۷)

مثنوی ’’بہارستان عشق‘‘ میں عزیز الدین نامی نے مطرب کو مخاطب کیا ہے لیکن مثنوی ’’سلیمان پیغمبر‘‘ میں انہوں نے ساقی کو مخاطب کیا ہے اور نعت کی مناسبت سے شراب طہور اور انبیا کے وجد و حال کا بیان کیا ہے۔ مثنوی ’’سلیمان پیغمبر‘‘ سے نعت کے اشعار ملاحظہ ہو۔

نعت جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

شتاب آ تون اے ساقی رشک حور   پلا مجھو کو ایک دم شراب طہور
تون کہہ مطربا آج ایسا خیال   کہ کرنے لگیں انبیا وجدوحال
حبیب خدا سرورکائنات   جناب رسالت علیہ الصلوات
ہی جس طرح بے عیب کا گل ہے وہے   ہوی اس سے ظاہر صفات خدا
وہی قبلۂ دین و ایمان ہے   شہنشاہ ہر جزوکل ہے دہے
خدا کے خدائی کا مختار ہے   وہے دونوعالم کا سردار ہے
جب انا فتحنا تلک حق کہا   اے بادشاہے دو جگ کے دیا
کیا حق نے اس کو زبس نیک نام   ہوا اس لئے نام خیرالانام
فلک لے کے کچلول شمس و قمر   پہری مانگتا اس سے شام و سحر
عجب رہبر برسرو علم ہے وہ   عجب مظہر اسم اعظم ہے وہ
سینے اس کے مقدم کے جیسے نوید   رخ لعل و گوہر ہے سرخ و سپید
کریگا شفاعت جو روز حساب   جہنم کا ہوویگا خانہ خراب
شفیع مطاع نبی کریم   قسم جسیم نسیم وسیم
کہون کیا میں اس شاہ کا اقتدار   قضا و قدر جس کے ہیں دستار
کہاں ہے کوئے شاہ اس کے سوا   کہ محشر میں قائم ہو جس کا لوا
سوا اس کے کس کا ہے ایسا جناب   کہ انگلیوں سے جاری کرے جوے آب
چلا حکم سے اس کے پانے پہ سنگ   درخت آئی پاس اس کے چل بیدرتک

نہ ایسا ہوا ہے نہ ہوگا رسولؐ　　کے قرآن ہے جس کا شان نزول
بزرگی پر اس کے بلا قال وقیل　　ہوا نقش مہرنبوت دلیل
خط خاص پر مہر کرتے ہیں شاہ　　تن پاک اس کا ہے فضل الہ
وہہ مہر دوعالم کے دیکھو تو شان　　سدا ابر تھا جس کے سر سائبان
ہے اس رحمت حق کا جیسے غلام　　ہوا ابر رحمت سے مشہور نام
وہ ظل خدا جب ہوا فیض بار　　ملی ابر کو آبرو ایک بار
ہے عالم سے جب اس کا پایہ بلند　　رہے کیوں نہ دنیا سے سایہ بلند
سراپا جو نور علے نور ہو　　وہاں کیوں نہ پھر سایہ مستور ہو
یقین جس کا ابر کرم ناؤن ہے　　شہنشاہ کے جھاون کے جھاون ہے
وہ سایہ سے ہمسایہ جب ہو گیا　　تو عالم میں بہ فیض جاری کیا
بہشتر برین اس کا ایک خانہ باغ　　تجلی حق اس کے گھر کا چراغ
کہوں عرش کو کس طرح پاے تخت　　کے ہے اس کا قوسین میں جاے تخت
پڑی جگ میں جب اس کے آنے کی دھوم　　لگے بکنے سب شیاطین شوم
گرے اوندھے بت تھرتھرا کر تمام　　لگادلانے کو کسرا کا بام
عرب میں ہوا نورحق جلوہ گر　　ہوی آتش فار سے سروتر
ہی خیرالورا وہ نبی الہدا　　درود خدا اس پہ نازل سدا

نعت شریف لکھتے ہوئے عزیزالدین نامی نے صرف حضورﷺ کی مدح نہیں لکھی ہے بلکہ ایک جدت پیدا کرتے ہوئے اس میں آل محمدؐ کا بیان بھی کیا ہے اشعار ملاحظہ ہوں

جو اس شاہ کے آل اطہار ہیں　　سپہر نبوت کے سیار ہیں
حمایت سے ان کے ہوالاکلام　　سیادت سعادت طہارت کا نام
امامت ولایت کے پشت و پناہ　　جلالت کرامت کے ہیں قبلہگاہ
وہ ہیں بحردین کے درشاہوار　　وہ ہیں مظہر فیض پروردگار
ہے خاتون جنت جناب بتول　　کہا بضعتہ مینے جس کو رسولؐ

دہے شاہزادی دوعالم کے ہے
وہے فخر حوا اومریم کے ہے

وہی تو ہے بانوی ہر دوسرا
اس کے لقب ہیگا خیرالنسا

وہ ہے کہ اب حرمت و آبرو
نہ لیں نام جس کے بغیر ازوضو

طہارت کا کعبہ اسی کا ہے در
ہے عصمتکا قبلہ اسی کا ہی گھر

نبی جب کہا اس کو ام ابیہ
وہ دادی ہے عالم کے لاریب فیہ

وہ قرآن عزت کے تفسیر ہے
وہ معنئیے آیات تہطیر ہے

اگر اس کے رد سے ملی مشت خاک
اضو سے تیمّم زیادہ ہو پاک

ہے وہ لعل کان رسولِ خدا
وہ ہے زوجۂ حضرت مرتضیٰ

علی دیے شاہ دلدل سوار
دیا مصطفیٰ نے جیسے ذوالفقار

سپرِکمال و بزر کئے کا ماہ
کرم اور شجاعت کے کشور کا شاہ

خدا اوس کو ساقی کوثر کیا
اوسے دست مشکل کشای دیا

غزا کے جو میدن میں کاڑا قدم
کیا لشکر شرک کو سب عدم

اسے شاہ کا ہے لقب بوتراب
جب کیا جو تورا ہے خیر کا باب

وہ ہی عبد خاص علی العظیم
ڈرین اس سے کیونکر نہ دیوارجیم

ہوا خضر سا جس کے وہ رہنما
پلا ہے کوثر کا آب بقا

دوعالم کا مولا خدا کا ولی
علی ہے علی ہے علی ہے علی

دو فرزند اس کے ہیں دو چشم دین
کلا وآسمان و بہار زمین

وہ دو حرف میں لفظ حق کے یقین
وہ دو ہیں مہ و مہر عرش برین

نورب ہمیشہ خداسیے ہیں وہ
رسول خدا کے نواسے ہیں وہ

رموز خدای سے آگاہ یہں
وہ آینۂ صبغتہ اللہ ہیں

ہیں آرامجان اور ایمان کے چین
امام حسن اور امام حسین

وہ دو دوست ہیں جسم ایمان کے
وہ دو سمت ہیں پنجم قرآن کے

وہ دو بازوی دین و اسلام ہیں
وہ دو شمع آغاز و انجام ہیں

دو گوہر ہیں دریای رحمت کے وہ　　　دو ہیری ہیں کافتوت کے وہ
وہ دو جب دئے آبرو دہر کے　　　شہادت ہے سرسبز اور سرخرو
وہ دو ہیں جو ان بہشت برین　　　وہ دونو ہیں شک امامان دین
اونہوں کے ہیں اولاد باقی امام　　　ہیں ارین میں والاحترام
یہ منظور حق کے عنایت کے ہیں　　　یہ سب خضر راہ ہدایت کے ہیں
ایمہ جو ہیں تابہ مہدی دین　　　وہ ہیں رونق آسمان و زمین
فلک فیض سے ان کے بھرپور ہے　　　زمین ان سے سب بیت معمور ہے
یہ ہیں خاص حق اور آل رسول　　　یہہ ہیں شرع احمد کے اصل وصول
ہیں یہ اہل بیت رسول کریم　　　ہیں یہہ صد فیض خلق عظیم
جوان سے عاداوت رکھے اور عناد　　　وہ بیشک ہے پور یزید و زیاد
ضایل کو ان کے کروں گرشار　　　نہیں ہوسکے گا یک از صد ہزار (18)

عزیزالدین نامیؔ نے اپنی ہر مثنوی میں حمد و نعت شریف کے ساتھ ساتھ معراج نامہ بھی لکھا ہے۔ بیجاپور کی مثنویوں میں معراج نامہ کو خصوصی اہمیت دی گئی تھی اور ملا نصرتی نے معراج نامہ ہی میں چرخیات کا مضمون بیان کیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ہاشمی بیجاپوری، ارکاٹ آیا تھا گویا بیجاپور کی شعری روایت ارکاٹ منتقل ہوئی تھی اور ارکاٹ کے شعراء نے بھی معراج نامے میں اسی روایت کو باقی و برقرار رکھا ہے۔ مثنوی ''نو بہار عشق'' میں بیان کیا گیا معراج نامہ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

خوشی سے ساقی ------　　　کہ اس سے دین میرا ہود و بالا
بلندی لے کہ تاخک رسا آج　　　کہے نا سید عالم کا معراج
محمد ایک شب بستر پوخرم　　　ہودے تھے خواب راحت سے جرم
عجب پر نور شب تھی جیو شب قدر　　　تصدیق جس پو ہو سولیلا البدر
سبھی میں تھی زلف حوروہ ربن　　　کہے رضوان جس کو قرۃ العین
وہی والیل وہی سورۃ نور　　　سفیدی اور سیاہی مشک کافور
تھی شب تم مثل کو ہر بالطافت　　　بہار آتش کی جیون گلزار تخت

ہوا راحت فزاجون روح ہردم ہوئی تھی خاک حیوان اکبراعظم
زمین سے تا فلک کلبانک تھا یہہ کہ سبحاں اندی اسرای بعدہ
وہیں روح الامین نے آجگایا کہا جلدی چلو حق نے بلایا
کیا ہے یاد اللہ تبارک مبارک ہو مبارک مبارک
لے آیا ہوں براق جولاں شتالی ہوسواری نجانان
نہ اس سرعت سی بہونجی وہم افلا کہ حسن جلی سے ہوے بادپا
سریع ایسا ہی کہ مہتات رہی جلدی کو اس کی دیکریشات
سدا بے ہوش جس کے حسن سے حور سراپا نور ہے وہ مثل کہہ طور
جو دیکھے اس کے دام اور بال کجہ بال رہی خوبان ہمیشہ اس کی دمبال
ہے آصف سے کئی اس کے سیشان کہا پہونچی اسے تخت سلیمان
جب اس دولت سراسے سروردین ہواجاکر چراغ خانہ رین
چل پرمارتا مکب ہو پر فلک پراڑ ہماسا کہولکر پر
حرم سے مسجد اقصا کو آیا پلک مارے تلک تورنگہہ سا
وہا سب انبیا کا پیشوا ہو پڑا حمدوگانہ مقدا ہو
چلا جب اس جگہہ سے اسما پر بکرفتراک تھا جبریل رہبر
کہا جبریل جب سدرہ کو پایا نہیں اسے زیان دہ لہرایایا
گر آگئے یک انکال پہر جلوت کا توکوہ طور سا لیکر جلوتکا
وہاں سے خدبیجا جور فرفر چلا پڑتا سبق عرفانکا۔۔۔۔
ملا اس کو مکان قرب آملا کہ ہیگا قاب قوسین اوس سے ادنہ
ہوا اس طرح سے جاکر حضوری کہ کچہ باقی رہا نین حرف دوری
نہیں ہرگز جدائی وہار ہی ہے وہی اور وہی اور وہی
کو کچہ لینا تھا وہ اس سے لیا سب جو کچہ باتیں تھی کرنے کی کیا سب
کسی کو اس جگہ سے اسمان پر بکرفتراک تھا جبریل رہبر

کسی کو اس صخن کی کب خبر تھی　　وہامکاراز --------
میاں عاشق و معشوق رمزنست　　کہ ماکا نہیں راہم خبرست
وہاں سے لے کے رخصت جبکہ آیا　　بچھوناگرم تھا جسے کا تنہا
درود داس پر سب ہر روز شب　　اور اس کے ال اور اصحاب سب
جہاں راتوتہائی دیدہ خاکش　　ہزاران افرین برجان باکش (19)

یہی کیفیت مثنوی ''بہارستان عشق'' کے معراج نامہ میں ملتی ہے۔ یہاں عزیزالدین نامی نے مطرب کو مخاطب کیا ہے اور اسے اونچے راگ پیش کرنے کی خواہش کرتے ہیں ملاحظہ ہوں۔

مطربایون کردے کوکب کا سمان　　حال میں آ جس سے کھووے آسماں
یک ذرا یہہ راگ سر سے اونچا بول　　لوئی افلاک کے بھی کان کھول
ہے زیاہد دنسے روشن ایکرات　　جس کے انگے ہے اندہری شب برات
سربسر و شب بہری ہیتی نور سے　　ہیتی سیاہی اس کی چشم فور سے
مشک افشان یون فلک سے نازنین　　ہ تصدیق جسپہ زلف عنبرین
سرمۂ اہل بصروہ لیل ہیتی　　سورۃ واللیل سے بے میل ہیتی
عین تاریکی مین روشن اس نمط　　جس طرح سطروں سے ہومضمون خط
خود بخود پیونور جون روشن دماغ　　ماہ کی حاجت -----مختاج چراغ
گوہر شب تاب شب سے ہوخجل　　قطعۂ نیلم تہا اس سے منفعل
کیا کہوں اس رات کا حسن جمال　　آگئے جس کے بیچ تہے خوبونکے کے خال
فیض ہم نامؔی کا اس شب سے ملا　　تب تو لیل کا ہوا مجنوں فدا
دلسے شب میں وہ سیراج دوجہاں　　یاد میں ھکلے تہا لیتا تر زبان
اس میں جبرئیل امین نے جلدی اتر　　مثل پروانے وہان آیا اتر
حق نے بھی اسکو صلوات السلام　　ہو مودب یوں کہا عرض پیام
شاد ہو تجہ کو بلا ہیگا رب　　چل خوشی سے اے شہنشاہِ عرب
منتظر ہیں سب تیری مقدم تک　　ہیں تیرے مشتاق سب اہل فلک

بام کوافلاک کے آباد کر
عالم بالا کے دل کو شادکر

تیرے آنے کی خبر سے ہے سرور
ہوگئے پیراستہ حور و قصور

اس طرب کی بو سے ہوکر خوش دماغ
آج ہیں رضوان جنت باغ باغ

حق نبی بھیجا ہے سواری کا براق
نور سے ہے جس کا سب ساز وعراق

ختم اس گلگوں پہ ہی خوش پیکری
بال سے اس کے خجل زلف پری

پرضیا زین اسکی ------ شمع پوش
چادر مہہ سے ہی اس کے زیان پوش

حسن کا اس کے ملک میں ہیگا شور
حور کے کاکل سے اس کے باگ ڈور

کے کہوں میں اس کی جلدی کا خرام
شش جہت ہےجس کے آگے ایک گام

اس قدر ہے تیز رودبادپا
جس کے آگے صبا پادر ہوا

چرخ پر جاوے زمیں سے یوں شتاب
جون زمیں پرادے نورآفتاب

گرلکھوں میں اس کے جولانکا نہنگ
ہوازل سے تا ابد میدان تنگ

اس کی سرعت کا کرون کسطور ذکر
کب ٹھہرتے ہینگے اس عصر میں---

سنتے ہے جبرئیل یہ خوشخبر
خاتم مرسل کیا سازوسفر

قبلہ دین یون ہوا اس پر سوار
طور پر جس طرح نور کردگار

اس طرح بیٹھا حبیب ذوالجلال
جس طرح قران بلائی رحال

فخرعالم جب ہوا پادر رکاب
بیت مقدس میں کیا -------

آگیا وہ بادپا جولان میں
مسجد اقصیٰ کو پہچان ان میں

اس جگہ سے سرور لولاک کو
لے چلا ----- ہوا افلاک کو

آسمان پر یون چلا خیرالبشر
چرغ پر جاوے ہی جون نورنظر

اس طرح اوپر چلاوہ ارجمند
ذکر حق کیا جون صدا ہووے بلند

یوں چلاوہ شاہد رب وودود
جس طرح ہوتا ہی نیکی کو شعود

جب کیا ہے چرخ اول پر گذر
خم ہوا نعلین بو سے کو قمر

دوسرے گردون پہ جافرخان فیض
کی عطا رد کئے ورق پر مہرفیض

چرخ سیوم کو کیا جب سرفراز
دف بجس کر کرتی تھی زہرانے نیاز

سروردین جا کے پنجم بام کو
قاتل دشمن کیا بہرام کو

جب کیا ششم فلک پر سواری
سعد اکبر ہوگئے ہی مشتری

ہوگیا ہفتم فلک بیت الشرف
نحیت کبو ان کی اڑ گئی یکطرف

اے استقبال روح الانبیا
کہنے لاگی اسلام اے پیشوا

کر بیت تعظیم سے لیکر حلام
آگے اس کے چلدیا خیرالانام

چرخ ہشتم پر رکھا ہی جب قدم
گروہ زیبا کا ہوا ہے محترم

پایا --دین نے سعادت بے قیاس
ہوگیا راس و ذنب کا کام راس

فیض اس سے یو لئے ------
پائی جون دنیا میں اسود وجمل

سنبلہ سرسبز وزیبان ہوگیا
پلۂ میزان بہی بھاری ہوگیا

دلو نے پایا ہے جیسا اس سے جاہ
وہ ---- پائے تھے کب یوسف بیجاہ

حوت می ں آیا جو دریائی کرم
ماہئ یونس ہوئی جنگی سے کم

وہان نظر آنے لگی ہے ساق عرش
ہرقدم پر ہوراتھا نور فرش

اس جگہہ ماندے ہو جبریل و براق
ہوگئے ------ پابند فراق

بجار فرف سے خدا نے ماہ ڈول
سارے دنیا سے زیادہ جس کا مول

رہ گئے وہاں سے ملایک سب ورے
چلدیا وہ عرش و کرسی کے پرے

ترک کر یکم میں افلاک وزمیں
لامکان کو ہواگیا احمد مکیں

وہان نہیں تھا نام گوبھی رنگ غیر
گلشن عرفان کی لاگا کرے سیر

جون حبیب ہو حق سے قریب
کہ نتھی گنجایش نام رقیب

محرم اسراسر سرمدہ وگیا
قرب سے رب کے محمد ہوگیا

دین کے کوثر کا شہنشاہ ہوا
معرفت کے بھید سے آگاہ ہوا

حق تعالٰی سے ہوا ہے ہم کلام
کرلیا سب اپنی خاطرخواہ کام

حق سے پایا حبیب شفاعت کی برأت
پہلے چاہا اپنی امت کی نجات

سب طرح سے ہوگئے حاصل مراد — گھر میں اپنے آیا وہاں سے ہو کے شاد
جس طرح یہاں سے گیا تھا شان سے — پھر کے آیا ہے اسی عنوان سے
ہشت جنت کا کیا کل گشت خوب — آیا پھر دنیا میں محبوب القلوب
اس طرح اترا فلک سے مصطفیٰ — ہووے نازل جس طرح فیضِ خدا
چرخ سے آیا امین پریون رسول — ہووے جون بارانِ رحمت کو نزول
نور کا اس کے حرم ہالہ ہوا — پھر زمین کا مرتبہ بالا ہوا
یہہ سفر ہر چند تہادور ودراز — جاکے آیا دم یں پھر وہ سرفراز
پھول جو لایا تھا حق کے پاس سے — دوستوں کو خوش کیا آس باس سے
خاص اہلبیت خاص اصحاب کو — خوب بخشا اس گل خوشبو کی بو
ای شفیع المذنبین ناجی کی بھی — روح تازی کردے اس بو سے ذری
کیا عجب یہہ مجھ سے عاصی پر عطا — رحمت عالم خدا تجھ کو کیا (20)

''بہارستان عشق'' میں عزیز الدین نامی نے مطرب کو مخاطب کرتے ہوئے معراج نامے کا مضمون بیان کیا ہے۔ مثنوی ''سلیمان پیغمبر'' میں انہوں نے مطرب اور ساقی دونوں ہی کو مخاطب کیا۔ مثنوی ''سلیمان پیغمبر'' سے معراج نامے کے ابیات یہاں پیش کی جاتی ہیں۔

نہ کر ساقیا آج ہرگز کمی — مئے رشک کوثر سے بھر زمزمی
ذرا تو بھی مطرب بہ سوز حجاز — خوشی سے چہرا کر بجا اپنا ساز
عجب رات تھی وہ عجب رات تھی — کہ نور خدائی کے برسات تھی
لگامار نے جوش ازبسکہ نور — کیا دشت کورشک وادی طور
تجلی سے اس رات کے ہو تجلی — زمین میں رہے مہرومہ یا بکل
کراس رات کے روشنی کو نگاہ — سیاہی کئے جگ سے ہوردسیاہ
وہ شب کے جو شبنم کے دیکھی صفات — ہوا غیب ظلمت میں آب حیات
وہ شب کے سعادت کو معراج تھی — شب قدر اس شب کے محتاج تھی
لئے ہے جو اس رات سے فیض عام — گلی پھولنے شام تب سے مدام

شتاپے میں جبرائیل سے ہم عنان ‏ ‏ روانی میں دم ساز روح روان
کہ پو یہ بادو کہ قطرہ آب ‏ ‏ گران چون درنگ و سبک چون شتاب
ہے خورشید سے حسن اس میں دو چند ‏ ‏ ہے بیکر رخ ماہ سے دل پسند
کہاں ہو بیان اس کا حسن صفات ‏ ‏ اسی سے عبارت ہے والعادیات
تھا مرکب پویون جلوہ اس شاہ کا ‏ ‏ نگین پر ہو جون نام اللہ کا
عیان یون تھا گھوڑی پودہ شہوار ‏ ‏ تجلی تھی جون طور پر آشکار
چلا وہ قرس وہاں سے مثل نسیم ‏ ‏ ہو بیت المقدس میں آکر مقیم
جو پہونچا وہ مسجد میں خیرالانام ‏ ‏ شرف سے ہوا انبیا کا نام
وہاں سے چلا آسمان کے طرف ‏ ‏ کیا قصر گردوں کو بیت الشرف
لگا ہونے افلاک سے سہل پار ‏ ‏ نکلتا ہے جس طرح سابن سے تار
ملک اس تماشے سے ساکت ہوے ‏ ‏ تحیر سے سیارے ثابت ہوے
خوشی سے زبس دل میں بھولا قمر ‏ ‏ روش اپنے فی الفور بھولا قمر
عطار دپواس کا ہوا ہے کرم ‏ ‏ بنا اک قلم خوب روشن رقم
لئے اس سے زہرانے وہ فیض عام ‏ ‏ کہ نیک اختری سے ہوا جگ می ں نام
کیا ایک نظر جب وہ رحمت جناب ‏ ‏ بھرانور سے چشمۂ آفتاب
وہ مریخ میں دیکھ جرات کا ڈھنگ ‏ ‏ خطاب اس کو بخشا ہے بہرام جنگ
کیا نیر بخت نے یاوری ‏ ‏ ضیای سعادت لئے مشتری
زحل جو فلک پر تھا زنگی غلام ‏ ‏ وہ گھوڑی کر کرنے لگا اہتمام
پڑی اس کے آنے کی جب دھوم دھام ‏ ‏ ملایک فلک پر کئے اژدہام
بیک طرفتہ العین حق کا جیب ‏ ‏ ہوا سدرۃ المنتہا کے قریب
وہ کرسی پہ یکدم ہوا جب مقیم ‏ ‏ ہوا رونق افزا عرش عظیم
کہاں صاحب تخت ایسا کہیں ‏ ‏ کہ ہودرۃ التاج عرش بریں
لئے فیض ازبسکہ لوح و قلم ‏ ‏ ہوے اس کی رحمت سے قدر رقم

چلا الغرض لامکان کے طرف　　چلایا نشان پے نشان کے طرف
کیا قاب قوسین میں جامکاں　　ہوا بحر عرفان میں قطرہ نہاں
دوی کے نہ یہاں بات باقی رہے　　اید ہر بھی وہی ہے اور دہر بھی وہی ہے
زبس جوش ہر سو تھا ایک ماہ کا　　ہوا جلوہ انی انا اللہ کا
جو مانگا ملا اور جو چاہا لیا　　جو چہتا تھا دل میں سو حاصل کیا
فلک پر سے ایک بار کے جلد تر　　وہ باران رحمت سا آیا اتر
کیا یہاں سے ہر چند مثل ہلال　　پر آیا ہے بن وہاں سے بدر کمال
لے آیا تھا خوشبو جو حق پاس سے　　کیا شاد یاروں کو اس باس سے
ہوئی بسکہ اس عطر سے خوش دماغ　　ہوا مثل فردوس دل باغ باغ
کئے خوب وہ بو معطر مشام　　ہوے شاد و مسرور یاران تمام
ہے نامیؔ حزین اے رسولؐ خدا　　تو کر اس شمامہ سے اس کے دوا

اصحاب رسولؐ کا بیان ملاحظہ ہو

خصوصاً جو سرور اصحاب ہیں　　وہ فردوس عرفان کے ابواب ہیں
سپہر کرامت کے تاری ہیں وہ　　خدا اور نبی کے پیاری ہیں وہ
وہ دین نبی کون کئے آشکار　　کئے بدعت و کفر کو خوار وزار
کیا وعدہ اجر عظیم ان کو رب　　دیا مغفرت کے جزا ان کو سب
بشارت دے جنات کے پھر کریم　　کہا ان کو فیہا نعیم مقیم
ان اصحاب کے وصف میں اب تمام　　سدہم کو بس ہے خدا کا کلام
انہوں کا عدو ہے خدا کا عدو　　انہوں کا عدو مصطفیٰ کا عدو
کجا ان کی تعریف اور میں کجا　　صفت ان کی مصحف میں ہے جابجا

مثنوی ''سلیمان پیغمبر'' میں معراج نامے کے مضامین بیان کرتے ہوئے عزیز الدین نامی نے خلفائے راشدین کی منقبت بھی لکھی ہے اور چاروں خلیفہ کی مدح کی ہے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

ہوی ختم ان پر بلا انتہا　　صداقت عدالت شجاعت حیا

وہ ہیں چار دیوار دارالسلام　　وہ ہیں چار ارکان بیت الحرام
وہ ہیں چار جوی بہشت یقین　　وہ ہیں چار و مینار ایوانچ دین
وہ چاروں سے چاروں طرف صبح و شام　　یجی دین احمد کیے تو بت مدام
ہے قرآن ذات شہ جزوکل　　ہیں یہ چار اصحاب جون قچار قل
خدا کے مقرب فرشتے ہیں چار　　مصاحب نبی کے بھی ہیں چار بیار
وہ ہینار بع حرف قرآں کے　　وہ جون چار مصحف ہیں رحمان کے
ابوبکر و فاروق ذیشان بھی　　علی ولی اور عثمان بھی
ہیں یہ چار یار رسول خدا　　کوئے دم خدا سے نہیں ہیں جدا
کوئی یار غار اور کوئی جان نثار　　کوئیید وستداراور کوئی غمگسار
کہا ان کو اللہ نے سابقوں　　ہے ان کے ہے حق میں ہم الصادقون
ہے حق ان سے وہ حق سے راضی مدام　　بیان اس کا قرآن میں ہے تمام
ہوا ان سے مشہور دین نبی　　بلاک شک ہیں وہ جانشین بنی
یہی چار اصحاب امجاد ہیں　　دوسری نبی کے دو داماد ہیں
وہ چاروں میں باہم تھے الفت کمال　　نہ آپس میں ہرگز تھا جنگ و جدال
اگر ہوتے کچھ دشمنی ان کی سات　　توسات ان کی حیدر نہ پڑتا صلوات
اگر ان سے ہوتا علی کو ملال　　شریک ان کی رہتا نہ پچیس سال
ہمیشہ صفت ان کے کرتا رہا　　قدم پر قدم ان کے دہرتا رہا
عمر کو دیا اپنی دختر علی　　جو خاصے نواسے محمد کے تھے
جب اس کی بزرگی کا قائل ہوا　　تو بیٹے کی نسبت پومایل ہوا

اس معراج نامے میں عزیز الدین نامؔی نے اپنے مسلمان ہونے اور سنی مسلمان ہونے پر فخر وناز کیا ہے اور اس سلسلے میں اپنے عقیدہ کا بیان کیا ہے چند اشعار دیکھیے۔

کرین شکر ہم کس زبان سے ادا　　کہ حق نے مسلمان اسنیے کیا
دیا مذہب بد سے ہر دم پناہ　　رکھا کیش فاسد سے ہم کو نگاہ

یقین جان جو سننے پاک ہے
وہی پیروی شاہ لولاک ہے

بن ان کے ولے ہے نہناجی کوئی
سوان کے حافظ نہ حاجی کوئی

یہی بس بزرگی کہ ان کون مدام
خدا اور نبی کے ہے گھر میں مقام

سدا ان سے ہر مسجد آباد ہے
یہ سب نامداری خداداد ہے

یہی قوم اسلام میں میر ہیں
بغیر ان کے جو جو ہیں بے پیر ہیں

اگرچہ ہیں ساری بہتر فریق
کسے میں نہیں ہے نبی کے طریق

بجز مذہب چار یاری کہیں
نہیں استواری ارکان دین

کوئی اہل سنت جماعت بغیر
نہیں راہ دین متین پر بخیر

اس اشعار کے بعد ازدواج مطہرات کا بیان ہے۔

کدھر سے کدھر تون پھرایا قلم
کراب مدح ازوآج احمد رقم

کرون اس کے ازدواج کا کیا بیان
کہا ان کون حق مادر مومنان

جو پایا انہیں پاک دین پاکذات
خدا نے کہا مومنات امہات

وہ ہیں مادران کرامت سرشت
ہی ان کی قدم کے ہے نیچی بہشت

مطہر مقدس معلا جناب
بزرگی مس ی ہر یک ہے ام الکتاب

زنون میں کوئی ان کا ثانی نہیں
کچھ یہ بات میری زبان سے نہیں

ذرا دیکھو تفسیر قرآن میں
کہ حق کیا کہا ان کے ہے شان میں

وہ جنت کے ہیں پے بیان لا کلام
خدا پاس ان کا ہے اعلیٰ مقام

جو گمراہ ان سے نہیں دل میں صاف
سمجھ امہ ہاویہ پے خلاف

ہوا ہے جو جفت محمد سے عاق
دولاریب ولا شک ہے شیطان طاق

تیھ ان میں جو صدیقہ باجلال
تھے اس سے نبی کو محبت کمال

اسی لئے کون دیا تھا حمیرا خطاب
اسی سے تھا دائم سوال و جواب

حمیرا کے معنی ہے اے میری لال
تو اس لفظ سے بوجہ الفت کا جلال

عجب کیا جو اس پر تھا اکلا پیار
کہ وہ اس کے تھے دختر یار غار

جو فرقان میں سورہ نور ہے   سب اس کے طہارت کا مذکور ہے
کہا اس کے حق میں خدائی علیم   لہم وہ مغفرت اور رزق کریم
کری کیوں نہ تعریف اس کے خدا   کہ ہے وہ تو محبوبہ مصطفیٰ
طہارت کا اس کے خدا ہی گواہ   فضیلت کا اس کے رسالت پناہ
بقول حق امت کے مادر ہے وہ   اور عصمت کے بھی سر کے چادر ہے وہ
رکھا دشمنی اس سے جو نارشید   یقین جان مومن نہیں وہ پلید
خدا سے بنے پر درود سلام   اور ازدواج و اصحاب پر بھی مدام(21)

مثنوی نو بہار عشق کا تعارف

عربی لفظ'' مثنوی'' شاعری کی ایک صنف ہے جس کا ذریعہ اظہار مختصر اور طویل قصے یا واقعات ہوتے ہیں۔ خواہ وہ رزم سے تعلق رکھتے ہوں یا بزم سے چنانچہ گیان چند جین کے الفاظ میں مثنوی کی تعریف دیکھئے۔

'' مثنوی نظم کا وہ پیکر ہے جس میں ہر شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوں لیکن ہر شعر کے بعد قافیہ بدلتا جائے۔ دو دو ہم قافیہ مصرعوں کی رعایت سے اس کا نام مثنوی طے پایا کیونکہ مثنوی کے معنی ہیں'' دودو'' کیا گیا۔''(22)

یعنی کہ مثنوی کا ہر شعر جدا گانہ ہوتا اور ہر شعر کا قافیہ بدلتا رہتا ہے۔ نصیر الدین ہاشمی لکھتے ہیں کہ ردیف اور قافیہ کی سہولت کی بناء پر مثنوی کی صنف سخن نے جو عام قبولیت حاصل کی اور فارسی میں اس کی وجہ سے جو اعلیٰ ادب فراہم ہوا وہ دکنی شعراء کے لئے ایک اچھا نمونہ ثابت ہوا۔ دکنی مثنویاں اردو ادب کے لئے ایک گراں بہا زیور ہیں۔ زیادہ تر اسی صنف سخن میں دکنی شاعروں نے اپنے فکر و تخیل کی روئیدادیں قلمبند کی ہیں۔(23) لہٰذا فارسی کے توسط سے مثنوی کا رواج اردو زبان میں ہونے لگا۔ اسی طرح سید محمد عقیل لکھتے ہیں کہ اردو مثنویوں کا جو معیار بنایا گیا ہے وہ فارسی مثنویوں کو پیش نظر رکھ کر بنا ہے۔ جس میں ایک تو بالکل فارسی پیمانہ ہے اور دوسرا بہت کچھ ہندوستانی (24) اس میں کوئی شک نہیں کہ دکنی شعراء نے فارسی مثنویوں کو ہندوستانی اصل بنا کر پیش کیا ہے۔ اس کے چند نمونوں میں'' قصہ شیریں''،'' لیلیٰ مجنوں'' وغیرہ ہیں۔

عزیز نامی نے'' نو بہار عشق'' کے نام سے ایک مثنوی لکھی جس میں شیریں خسرو کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ جو

نظامی گنجوی کی فارسی مثنوی ''شیریں خسرو'' کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ 1211ھ مطابق 1796ء میں تصنیف ہوئی۔ یہ عزیز الدین نامی کی پہلی مثنوی ہے۔ اس کے قلمی نسخہ حیدر آباد، مدراس اور پاکستان کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں اور یہ مثنوی مدراس سے شائع ہو چکی ہے۔

سبب تالیف

عام طور پر مصنف سبب تالیف میں اپنے لکھنے کی ایک تحریک کے اسباب وعلل اور مثنوی کے ماخذ سے متعلق معلومات بیان کرتا ہے۔ لہٰذا عزیز الدین نامی نے اس مثنوی کے تحریر میں آنے کے کیا وجوہات تھے ان کو بیان کیا ہے۔ چنانچہ عزیز الدین نامی نے سبب تالیف کے ابتدائی دو شعر کی سرخی کے ساتھ لکھتے ہیں۔

گلابی ایک دے ساقی مجھے اور — کہتا ہوں بیان تالیف کا طور
کراب سیراب مئے سے دے کے پانی — کرے کاغذ پہ تاخافہ روانی
فلک کے دیکھ کر میں جور کا طور — کہ ہیگار کجی سے اس کا ہر دور
ہو ایک لخت میں دنیا سے پندار — پڑا رہتا تھا چپ گوشہ میں ایک بار
کیا موقوف تھا سب سے ملاقات — جو دیکھا ہے بہت ملنے میں آفات
ہوا اپنے رات دن قسمت پے شاکر — نظر کر حق پہ میں رہتا تھا صابر
--- تھا گرچہ تنہائی کا عالم — ولی اللہ کا تھا فضل ہمدم
اسے اتنا میں پیر عقل نے — کہا افکار سے ہے فائدہ کیا
نہ رکھ اس طرح اپنا بند تو دل — نہیں ہے یہ بجز تحصیل حاصل
نہ کر اپنی جوانی کو تو برباد — خدا تجھ کو رکھے ہر آن آباد
کتب سے اپنی دل کو ٹک لگا تو — محبت جاہ کی دل سے اٹھا تو
کتابوں سے ملے دو جگ کی دولت — کتابوں سے ہو ہر بے دل کی فرحت
کتابوں سے ہو دل کا درد وغم کم — جگر کے زخم کا یوں ہی ہے مرہم
ہے اس فکروں سے فکر شعر بہتر — میرے اس بات کو کرسی نشین کر (25)

شاعر دنیا کے شب و روز سے اور فکروں سے آزاد بے نیاز ہو کر دوستوں سے ملاقات کو منسوخ کر کے گوشہ

نشین ہوگیا تھا۔ رات دن اپنی قسمت پہ شاکر اور حق پر صابر ہو کر تنہائی کے عالم میں رہنے لگا ایسے میں کسی ولی اللہ کا فضل و کرم ہوا۔ ان اشعار میں نامی نے یہ بات واضح نہیں کی کہ یہ ولی اللہ کون ہے۔ البتہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ولی اللہ نے شاعر کو مشورہ سخن اور بیکاری میں اپنی جوانی برباد نہ کرنے کی تلقین کی ہے اور بہتر شاعری کرنے کی ترغیب دی ہے۔ اس لئے عزیز الدین نامی نے مختلف اصناف کا مطالعہ کرنا شروع کیا۔ اشعار دیکھئے۔

غرض اس کو سخن کو کر در گوش — کیا ہر چیز کو خواہش فراموش
لگا کرنے مطالعہ نثر اور نظم — مجھے اس بات پر دن رات تھا عزم
کبھو سرخوش تھا کوئی تذکرے سے — کبھی بے خود تھا کوئی مثنوی سے
مطالعہ کو سمجھا تھا غنیمت — اسی کو بوجھتا تھا اپنی شوکت
مجھے ہر ہر کتب کی آرزو ہے — غنی دل کو میرے یہ جستجو ہے
کہ ہو سب وہ عالم سے کچھ آشنائی — نہ دولت کی رہے درد جدائی (26)

ان اشعار کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عزیز الدین نامی نے اپنے مطالعہ میں نثر نظم مثنوی اور تذکروں کو شامل کرلیا۔ جس کے لئے انہوں نے فارسی شعراء نظامی گنجوی اور امیر خسرو کی مثنوی قصہ شریں خسرو کا مطالعہ کرنا شروع کیا۔ ان دونوں شاعروں کی مثنویوں کا مطالعہ کرنے کے بعد عزیز الدین نامی نے اپنی مثنوی کا ماخذ نظامی گنجوی کی مثنوی شیریں خسرو کو بنایا ہے۔

اسے میں قصہ شیرین و خسرو — جو بولا ہے نظامی اور خسرو
نظر سے میرے گذرا وہ گلزار — لگایا دل میں میرے شوق کا خار
ہوا جب سیر سے میں اس کے سرمست — خوش حاصل ہوئے ـــــــ مجھ کو (27)

عزیز الدین نامی نے سبب تالیف کے اس حصے میں ارادہ ظاہر کیا کہ اس فارسی قصہ کو ہندی میں لکھا ہے۔ اس سلسلے میں لکھتے ہیں۔

ارادہ دکھ ایسے آیا یہ ـــــ حور — کہ ہندی کیجئے اس کو بہر طور
یہ ہے گا رات قصہ جی کم و کاست — بہت ہے راست کی عالم کو درخواست
بجا ہے گر بہت ہے راست کی چاہ — کہ راہ کچھ سے ہے اندیشہ چاہ

ہوا ہے راستے سے سرو مشہور   لیا ہے صبح صادق سے حدق نور
چو صبح راستی ارصدق دم ذر   زرخور بر آسمان زرین علم در
بڑار لکھتا ہے رتبہ جھوٹ سے ۔۔رنج   کہ کہتے ہیں نہیں ہے سانچ کو آنچ
عزیز دل ہوا دائم صدق پیشہ   مغرض راست گو ہو ہے ہمیشہ
دلوں کو راستی سے ہیگے عزت   علم سے بادشاہوں کو ہو زینت
الف ہے راستی سے راس ایمان   الف ہے اول آیات قرآن
دیا حق راستی سے تیر کوپر   عصا ہے ظورمین حوس کا رہبر
بہت شاعر اگر ہوگئے ہیں   نہیں ہندی کوئی اس کو کسی دہن
نظر اس بات پر کروگے مسرور   ہوا نضیق۔۔۔ اس کو مامور
کہ ہر کم علم بوج اس کی لطافت   رہے ہر وقت ہم آغوش فرحت
بنانے یں لگا اس مثنوی کو   کیا ہندی میں وہ سب فارسی کو
لگا کرنے کو میں نت اس میں کوشش   دیا بہر سخن کر بہر حوشش
مطلول دہ میں اس موجز میں لایا   عجب دریا کوزیمین اوتاریا
بس اب فکر شروع داستان ہے   سنو یارو کہ کیا یہ بیان ہے۔ (28)

اس اقتباس کے آخری ابیات میں عزیز الدین نامی نے اظہار خیال کیا ہے کہ بہت سے شاعر تھے لیکن کسی نے اس قصہ کو زبان ہندی میں نہیں کہا جبکہ کم علم بوج بھی اس زبان کی لطافت سے آغوش فرحت ہے۔ لہٰذا اس طویل مثنوی کو فارسی سے ہندی زبان میں مختصر لکھا ہے۔ عزیز الدین نامی دکنی زبان کی لطافت سے واقف تھے۔ اسی طرح ''داستان تناولی'' میں فقیر اللہ شاہ حیدر خود لکھتے ہیں کہ انہیں اردو زبان سے کم واقفیت ہے۔ فقیر اللہ شاہ حیدر کی تحریر سے یہ اہم بات واضح ہوتی ہیکہ دکن کے لوگ شمالی ہند کی اردو کو دکنی سے ایک الگ اور اجنبی زبان سمجھتے تھے۔ مصنف نے اسی سلسلہ میں جن باتوں کا اظہار کیا ہے وہ بڑا دلچسپ اور لسانی اہمیت کا حامل ہے۔ اقتباس دیکھئے

''کتاب زبان اردو، اس فقیر کو کم واقفیت اس زبان سے ، پس خدمت والد میں الٰہی کے بیٹھ پڑھنا شروع کیا۔ انہوں نے کچھ تعلیم کر فرمائے کہ مجھے بھی خوب اس زبان میں درک نہیں، فقیر سات آٹھ روز کے

عرصہ میں بکاولی اور چہار درویش دونوں ایک ہی جلد میں تھی دیکھا، بارے
کچھ کچھ اس زبان کی لکھتا تھا کہ لشکری زبان ہی زبان اردو اور اردو لشکری
خاص بادشاہی کو کہتے ہیں۔'' (29)

مخطوطہ کا تعارف

زیر بحث مخطوطہ کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو حیدر آباد کا مخزونہ ہے جس کا اندراج نمبر ۵۱۷ ہے۔ مخطوطہ کی اندرونی شہادت سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی کاتب کوئی خاتون ہے لیکن نام کا علم نہیں لہٰذا سرورق کی دوسری جانب صفحہ نمبر ایک سے پہلے ایک مختصر نثری عبارت درج ہے جو اس طرح ہے۔

'' خدائے تعالیٰ
آ باندی آ داب تسلیمات بجہ ادب بجالا کر حضور عالی میں
عرض کرتی ہے خدائی تعالےٰ اس باندی کا وسیلہ عزیزی سد ہیت
سال تک قائم دائم رکھے۔
حضور اعلیٰ زنانا مبار کے سے فرمائی کہ مرادمن نزدیک نمازی ہے تو
خیر آفیت تمارے مجھے معلوم ہوا کرینگے باندی یہ تصور کئے ہے حضور کا ادا
طے نزدیک میری سے رہنے سے۔'' (30)

مخطوطہ کے پہلے صفحہ پر ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کی سرخی کے بعد حمد باری تعالیٰ سے آغاز ہوتا ہے۔ مخطوطہ جملہ (۱۷۱) اوراق پر مشتمل ہے۔ صرف مخطوطہ کے پہلے صفحے پر سطور کی تعداد (۷) ہے۔ دوسرے صفحہ پر گیارہ سطور ہیں۔ پھر تیسرے صفحہ پر (۱۲) سطور ہیں۔ اسی طرح آخری صفحات تک سطور فی صفحہ کی کوئی قید نہیں ہے۔ سطور کی تعداد حذف و اضافہ کے ساتھ درج ہے۔ مخطوطہ کے ہر صفحہ پر ترک موجود ہے۔ مخطوطہ کا خط نستعلیق ہے۔ مخطوطہ کا کاغذ دیسی ہے اور عمدہ کاغذ ہے۔ اس لئے ورق کی دوسری جانب سیاہی کے نشانات نہیں ہیں۔ مخطوطہ کی کاتبہ خوش خط نہیں ہے۔ کہیں کہیں لفظوں پر نقطوں کی کمی ہے۔ صفحہ ۱۴۶ پر ایک ہی شعر کو دوسری سرخی کے تحت دوبارہ لکھا گیا ہے۔ صفحہ ۴۵ پر ایک مصرع دوبارہ لکھے جانے پر اس کو کاٹ کر شعر مکمل لکھا گیا ہے۔ صفحہ ۱۵۵ پر تین شعر کاٹ دیئے گئے ہیں۔ مخطوطہ کے سرورق کے پیچھے کاتب کی ایک عبارت تحریر ہے۔ مخطوطہ کا آغاز 'بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'

سے ہوتا ہے۔ مخطوطہ کے آخری صفحہ پر کتب خانہ کی جانب سے ایک تحریر لکھی ہوئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مخطوطہ میر شوکت علی رضوی کی جانب سے ۶۱ ھ میں بطور تحفہ عنایت کیا گیا ہے۔ آخر میں ترقیمہ موجود ہے جس میں صرف تاریخ ماہ سال درج ہے۔ ذیل میں مخطوطہ کا آغاز و اختتام درج کیا جاتا ہے۔

آغاز

''بسم اللہ الرحمن الرحیم''

ہے اس کی حمد شیریں سے زبان تر — کھڑے ہیں خسروان سب اس کے در پر

کیا وہ حسن یوں گرم بازار — کہ دایم عشق ہے اس کا خریدار (ص ۱)

مخطوطہ کا آخری شعر ملاحظہ ہو

اور اس کی۔۔۔۔۔ روپوایک ایک — انجم یہی ہے ہدایت کی وہ بے شک

ترقیمہ

تمام تمت تمام

بتاریخ ۱۸ ماہ ذیقعدہ، روز چہارشنبہ

۱۲۷۷ ہجری لکھی گئی ہے کتاب (ص 171)

حمد

دراصل مثنوی کے بیان میں شرفِ تسلسل اور قافیہ کی پابندی کو ضروری سمجھا گیا۔ رفتہ رفتہ مثنویاں وقوع پذیر ہوتی رہیں۔ ان میں تجربے کئے گئے اور پھر مختلف مشاہدات کے ذریعہ جذبات خیال کو مثنویوں میں پیش کیا گیا اور یہ بات بھی ضروری سمجھی گئی کہ قصیدہ کے اجزاء کی طرح مثنوی میں بھی چند جزویات کا ہونا ضروری ہے جس کے تحت حمد، نعت، معراج، مدح، تعریف سخن، واقعہ اور خاتمہ کو شامل کیا گیا لفظ ''حمد'' جب سماعت سے ٹکراتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی تعریف و توصیف بیان کی جاتی ہے۔ اس باب کے ابتداء میں مثنوی ''نو بہار عشق'' سے حمد کے اشعار درج کئے گئے ہیں یہاں تکرار کی کیفیت سے گریز کرتے ہوئے صرف چند اشعار بطور نمونہ درج کئے جاتے ہیں تا کہ عزیز الدین نامی کے بیان کی روانی کو سمجھا جا سکے۔ اشعار ملاحظہ ہو۔

ہے اس کی حمد شیریں سے زبان تر — کھڑے ہیں سب خسروان سب اس کے در پر

کر اول حسن یوسف کو نمودار — زلیخا کو کیا غفلت سے بیدار

ہوئے جب اسے صاحب حسن لیلیٰ — نگہہ میں ایک دل مجنون کا لیلیٰ
کیا شیریں کی صورت جب ـ ـ ـ ـ ـ — کیا فرہاد اور خسرو شیدا
دیا چندر بدن کو ایسا چمکا — گلا مہیار جس سے ماہ نوسا
کھیں روشن کیا نار اور کہیں نور — کہیں پریاں کیا ظاہر کہیں حور
وہی ہے اول و آخر وہی ہے — وہی ہے باطن وظاہر وہی ہے
اس ہی کو قل اللہ حد جان — اسی کا وصف اللہ الصمد جان
تعالیٰ اللہ ہی کے لئے مثل و مانند — کی خوانند خدا وندا خداوند
تیری قدرت کا قطرہ ایک دریا — تیری حکم کا نکتہ دین و دنیا
نہیں ہے انتہا قدرت کو تیری — ہرگز بند سبقت کو تیری
تیرا ہی سب زمین و آسمان ہے — تیرا کیا یہ جہاں کیا وہ جہاں ہے
پھرے تیری اول سے جزو کل نہیں — نت الفت میں تیرے ملک ملک
کہا تج وصف میں جب شاہ لولاک — زباں درفشاں ہے جاغرمناک

(ص1 تا 3)

ابتدائی اشعار میں عزیز الدین نامی نے خدا تعالیٰ کی تخلیقی پیکر کو نمایاں کیا ہے اور اول یوسف علیہ السلام اور زلیخا، لیلیٰ مجنون، شریں فرہاد اور خسرو پھر چندر بدن ومہیار کے حسن کے کرشمے بیان کئے ہیں۔ اس اقتباس کے آخری اشعار میں قرآنی الفاظ کے ذریعہ خدا تعالیٰ کی قدرت، زمین وآسمان دار فانی ولا فانی اور جزو کل کے بیان میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کو بھر پور انداز میں بیان کیا ہے۔

نعت

نعت میں صرف اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف بیان کی جاتی ہے۔ اردو ادب میں نعت بھی مختلف اصناف سخن کی طرح اپنی انفرادیت رکھتی ہے۔ چونکہ نعت علحدہ طور پر ہیئت کا نام نہیں ہے بلکہ ایک موضوع ہے۔ موضوع اور ہیئت کی نوعیّتوں کو بیان کرتے ہوئے استاد محترم پروفیسر حبیب نثار صاحب اپنی کتاب ''بیجاپور میں اردو ادب'' میں لکھتے ہیں۔ اقتباس ملاحظہ ہو۔

''فن پارہ نثر میں ہو کہ نظم میں اس کی دو نوعیتیں ہوتی ہیں۔ موضوع

> وہیئت اور انہی سے مختلف اصناف سخن وجود میں آتے ہیں۔بعض اصناف موضوعی ہوتی ہیں جیسے قصیدہ، مرثیہ، شہرآشوب وغیرہ اور بعض ہیئتی ہوتی ہیں مثلاً مثنوی، رباعی، غزل، وغیرہ وغیرہ ان اصناف کا تعلق بھی موضوع سے ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہر صنف سخن میں نعت شریف کے وافر نمونے موجود ہیں(31)

اس اقتباس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نعت ایک موضوع ہے۔مختلف اصناف سخن جیسے قصیدہ، مرثیہ، شہرآشوب کی طرح نعت بھی ایک منفرد صنف ہے اس کا موضوع دو جہاں کے رسول ﷺ کے اوصاف حمیدہ اور ان سے جڑے واقعات کو پیش کیا جاتا ہے۔عزیزالدین نامی نے اپنی اس زیر بحث مثنوی میں حمد کے بعد نعت شریف لکھی ہے۔جس کے ابیات (۲۹) ہیں۔پچھلے صفحات میں نعت کے اشعار درج ہیں طوالت کی غرض سے یہاں نمونہ اشعار درج کرنے سے گریز کیا جاتا ہے۔ابتداء کے دوشعر دیکھئے۔

محمد مصطفٰی خاص خدا ہے صفت میں اس کی جو بولون بجا ہے
اسیکا ملک ہے دنیا و عقبا اوسیکا تخت ہے عرش معلا
معراج

نعت شریف بیان کرنے کے بعد معراج کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔حضور اقدس ﷺ کی ولادت پاک مکہ معظمہ میں حضرت عبداللہ کے گھر ہوئی۔آپ کے چچا حضرت ابوطالب تھے۔اور آپ کی والدہ حضرت بی بی آمنہ ہے۔آپ کا نسب نامہ محمد بن عبدالمطلب بن ہاشم سے ہوتا ہوا حضرت اسمعیلؑ سے جاملتا ہے۔بحکم باری تعالیٰ آپ نے اعلان نبوت فرمایا۔۲۷ رجب ۱۲ نبوی کو آپ ﷺ کو معراج شریف ہوئی جس کی تفصیل قرآن و احادیث سے واضح ہے۔اقتباس ملاحظہ ہو۔

> ''وہ ذات (ہر نقص اور کمزوری سے) پاک ہے جو رات کے تھوڑے حصہ میں اپنے (محبوب اور مقرب) بندے کو مسجد حرام سے (اس) مسجد اقصیٰ تک لے گئی جس کے گرد نواح کو ہم نے بابرکت بنادیا تاکہ ہم اس (بندہ کامل) کو اپنی نشانیاں دکھائیں بیشک وہی خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔

(القرآن کریم سورہ بنی اسرائیل آیت 1)

عزیزالدین نامی نے معراج کے واقعہ کومختصراً بیان کیا ہے۔ابتدائی اشعار میں معراج کی رات کا سماع بیان کیا۔پھرآپ ﷺ کے حرم سے مسجد اقصیٰ جانے کا بیان ہے۔آپ ﷺ جب آرام فرمارہے تھےتو حضرت روح الامین جبرئیلؑ تشریف لاتے ہیں۔اس واقعہ کے چندابیات ملاحظہ ہو۔

محمد ایک شب بستر پوخرم — ہوے تھے خواب راحت سے حمدم
عجب پرنور شب تھی جیو شب قدر — تصدیق جس پوہولیلاۃ بدر
وہی والیل وہی سورۃ نور — سفیدی و سیاہی مشک کافور
وہیں روح الامین نے آجگایا — کہا جلدی چلو حق نے بلایا
کیا ہے یاد اللہ تبارک — مبارک ہو مبارک مبارک
لے آیا ہون براق جولاں — شتابی ہوسواری بجانان
سدا بے ہوش جس کے حسن سے حور — سراپا نور ہے وہ مثل کوہ طور
جو دیکھے اس کے دم اور بال کجے بال — رہے خوباں ہمیشہ اس کی دمبال
چل پرمارتار مکب ہوپر — فلک پر ارا ہماساکھول کر پر
حرم سے مسجد اقصیٰ کو آیا — پلک مارے تلک تو رنگہہ سا
وہاں سب انبیا کا پیشوا ہو — پڑا حمددوگانہ مقداہو
چلا جب اس جگہ سے اسما پر — بکرفتراک تھا جبریل رہبر
کہا جبریل جب سدرہ کو پایا — نہیں اسے زیان وہ ہراپایا
وہاں سے خدا بھیجا جور فرفر — چلا پڑتا سبق عرفان کا۔۔۔
ملا اس کو مکان قرب آملا — ہکہ ہے گا قاب قوسین اس سے ادنہٰ
ہوا اس طرح سے جاکر حضوری — کہ کچھ باقی رہا نین صرف دوری
کو کچھ لینا تھا وہ اس سے لیا سب — جو کچھ باتیں تھی کرنے کی کیا سب
وہا سے لیکے رخصت جبکہ آیا — بچھونا گرم تھا جیسے کا تنہا
درود اس پر سب ہر روز شب — اور اس کی آل اور اصحاب سب

حضور ﷺ ام ہانی کے گھر آرام فرمارہے تھے۔ حضرت جبرئیلؑ تشریف لاتے ہیں اور آپ کو براق پر سوار کر حرم سے مسجد اقصیٰ تک لے گئے۔ پھر وہاں آسمانوں کی طرف روانہ ہوئے۔ اس سفر میں صرف جبرئیلؑ ساتھ تھے۔ آپ کے ساتھ نہ کوئی صحابہ تھے نہ کوئی رسول۔ حضرت جبرئیلؑ نے سدرۃ المنتہیٰ تک ساتھ رہے۔ پھر وہاں سے آپ ﷺ رف رف پر سوار ہوکر تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ کی رویت حاصل ہوئی اور آپ ﷺ واپسی پر اپنی امت کے لئے پچاس نمازوں کا تحفہ لیکر آئے۔ حضرت موسیٰ سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ حضرت موسیٰ نے پوچھا کہ کیا لے کر جا رہے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی امت کے لئے پچاس نمازوں کا تحفہ لے کر جا رہا ہوں۔ حضرت موسیٰ کے مشورہ پر آپ ﷺ دوبارہ اللہ کے پاس گئے اور آخر کار پانچ نمازیں لے کر واپس ہوئے۔

عزیزالدین نامی نے اس واقعہ کے بیان کے بعد تسلسل کے ساتھ اپنے خودنوشت حالات بیان کئے ہیں۔ اشعار ملاحظہ ہو۔

گر مرتا رجب مشکل سون یارب — نہایت بیکس و بے دل ہوں یارب
رکھا تصویر سانت دنگ مجھ کو — فلک نے کردیا ہے تنگ مجھ کو
نہ جانو کب ہے شب اور کب سحر ہے — نہ اپنے حال سے مجھ کو خبر ہے
نپٹ احوال ہے لاچار میرا — میرے بن کوئی نین غمخوار میرا
سدا ہوتا تو ان رہتا ہوں بیمار — زبس مجھ کو کئی افکار افکار
میرے سے فکر ہے دست گریبان — بہر وقت و بہر لحاظ ہر آن
نہ ہو ماضی سا استقبال میرا — تجھے ہے خوب روشن حال میرا
نہیں ہے صبر طاقت ذرا بھر — اب آگئی جو خوشی تیرتی ہی سو کر
سکون دل مجھ ہی کو آج کل دے — بہرصورت دل بیکل کو کل دے
تو جو ہے سو کر سکتا ہے بیشک — میری ستی صورت غم کی کر چک
میرے اعدا جو ہیں دنیا میں یارب — بحق پنجتن مردود ہوں تب
رہیں دو جگ میں میرے دوست مسرور — سدا تار بھوان کا خانہ معمور
مجھے دایم دے تو ایسی تندرستی — کہ تیری بندگی میں ہو نہ سستی
اگر چہ میں گناہوں میں بہرا ہوں — تیری امید بخش کی دھراہوں

دل صدچاک کو میری رفو ہے　　　بشارت تجھ سے جب لاتقنطو ہے
تیرا ہی وصف ہے رحمان و غفار　　　تیرا ہی نام ہے وہاب و ستار
(ص ۱۰ تا ۱۱)

اس مثنوی کی تخلیق کے وقت عزیز الدین نامی کے والدین باحیات تھے اس لےءانہوں نے اپنے والدین کا ذکر کیا ہے شعر اس طرح ہے۔

میرے ماں باپ کا سایہ میرے پر　　　سدا چتر فلک سار کھ تو یکسر (ص ۱۲)

معراج نامہ میں استاد کا تذکرہ بھی کیا اور ان کے لئے دعا کی ہے۔

الٰہی جنی میں نے علم پایا　　　تونت رہ حاظ احوال ان کا
فلک کا جب تلک کشت دل خواہ　　　رہے سر سبز نخل عمران کا (ص ۱۲)

اس کے بعد مثنوی نگار نے اپنے بھائی بہن کی خوشی کی دعا مانگی ہے۔

میرے بھائی بہن بہر آن دائم رہن خوش یا الٰہی جگ میں قائم

بیوی اور فرزند کے لئے بھی خوش وخرم اور سعادتمند ہونے کی دعا کی ہے۔

ز. و فرزند کو میری رکھ سلامت　　　بہت دے ان کو بن کے ہدایت
سعادت مند کر فرزند کو میرے　　　خوش سے رکھ سداول بند میرے
انہیں دے دین و دنیا میں عزت　　　ہمیشہ رکھ تو برخردار دولت

معراج نامہ کے آخری میں اپنے کلام سے متعلق تذکرہ کیا ہے۔

الٰہی مجھ کو تو شیریں سخن کر　　　---- پرکھر میرا دہن کر
رسائی دے میرے مضمون کو یا رب　　　کہ بولیں شاعراں مل آفرین سب
میرا صرف کرنا خن زن دن　　　سنی سے حل ہو جک دل کے منگل
میرا ہر لفظ کر معنی سے ہمدم　　　قبولیت کا دے اس میں خموحم
میرے اشعار کو منظور رکھنا　　　حسد سے حاسدوں کے دور رکھنا

ہے بس عاجز عبزالدین نامی — کہ اس کو دوجہاں میں کر گرامی
(ص ۱۲)

شہر آشوب

شہر آشوب فارسی اور اُردو ادب کی ایک اہم صنف سخن ہے۔ شہر آشوب ایسی نظم کو کہا جاتا ہے جس میں شہر کے تباہ کن حالات، پریشانی اور گردش زمانہ کی ناقدری وغیرہ شکایات کا حال درج ہو جو غم جاناں سے نکل کر غم دوراں کا احاطہ کرتی ہے۔ چنانچہ عزیزالدین نامی نے اپنی مثنوی ''نو بہار عشق'' میں ایک علحدہ سرخی کے تحت اپنے غم دوراں کو بیاں کیا ہے۔ سرخی کے ساتھ ابیات ملاحظہ ہو۔

مجھے کر ساقیا ٹک مئے مشغول — کہ جاؤں سب غم دوراں کو بھول
نہیں اس عصر میں رسم محبت — مگر یک مئے بن ہے گرمی الفت
عجب آیا ہے یا رواب زمانہ — کی بیگانے سے بدتر ہے یگانہ
رکھتے بعض حد بھائی سے بھائی — سدا بیزار فرزندوں سے مائیں
نہ معشوقوں میں باقی کچھ مزا ہے — نہ عاشق میں کہیں صدوصفا ہے
ہوئے ہے دوستی کی راہ مسرور — سمجھتیں ہیں عداوت میں ہے بہبود
نہیں حلق مروت کی کہیں بو — جیسے دیکھو سو ہے بہ حلق و بدخو
اس کو بوجھے ہیں سب ہوشیار — کری جو خواب سے فتنہ کو بیدار
کرے جو ------- آئینہ سا — سکندر سا نصیب اس کا ہے حالہ
کہیں باقی نہیں مہر و مروت — سدا کرتی ہیں یک کی ایک غیبت
یہاں ---- رواج ---- ہے — کہ جس میں یہ نہیں بولو بدی ہے
(ص ۱۳)

ان اشعار میں عزیزالدین نامی نے اپنے اطراف کے ماحول کا جائزہ لیا ہے اور زمانے کی شکایت کرتے ہیں کہ عجب زمانہ آ گیا ہے جہاں بیگانوں سے بھی بدتر یگانے ہوگئے ہیں۔ مائیں اپنی اولاد کی نافرمانی سے بیزار ہوگئی ہیں اور ان اشعار میں رسم محبت، گرمی الفت، بغض، عداوت، مروت، غیبت، بدحلق بدخو، فتنہ جیسے تراکیب

الفاظ بیان کئے ہیں۔صاحب راج پر طنز کرتے ہوئے شعر اس طرح لکھا ہے۔

مقرر ہے جہاں میں سارے غماز　　　ذلیل وخوار ہیں سب صاحب راج

جب یاسیت فنکار کی تخلیقی پیکر میں ڈھلنے لگتی ہے تو زندگی کے ہر پہلو طشت ازبام ہونے لگتے ہیں۔ شہرآشوب کے شعر دیکھئے جس میں انہوں نے تیرہویں صدی کے آثار کہتے ہوئے بیان کیا ہے۔

یہ سب ہے تیرویں صدی کے آثار　　　جو ہوتی ہینگی عالم سے نموار
نہیں ہے ---۔ مکر وحیلہ سازی　　　نہ آتی ہو حسی روباہ بازی
سمجھتی ہو اسے نہ کارا عالم　　　نہیں کتنے ہے اس کو بلکہ آدم
جس میں مالک بند پایا　　　کے ہیں وہ خداوندی کا دعوی
یہاں اب جس کے گھر ایک روٹی نہ ہو　　　خیال خلق میں حالج وہی ہو
جسے اس دور چین دراستی ہے　　　وہ اپنی زعم میں خاقاں حین ہے
کرفتار طمع ہیں صبح و اور شام　　　کسی کو بھی نہیں ہے پاس اسلام
خدا اور مصطفٰی کچھ نہیں ڈر　　　ہیں ----۔ کی اور بندزر
پڑا جس کی ہتیلی میں زیب　　　یدبیضا سمجھتا ہے اوہ
شرافت کو نہ کچھ عزت رہی ہے　　　وہی اشراف حسن اشرفی ہے
فساد و مکر میں ہونا یگانہ　　　بھی اپنا سمجھے ہیں دوگانہ
عجب کیا ہی جو ہر حلاج احمق　　　کرے اس وقت دادے انا الحق
غرور و شان میں دایم میں سرمست　　　سمجھتی ہیں جہاں نیست کوہست
نہ کرنامی زمانے کی شکایت　　　کہ یک پیدا ہوا صاحب عدالت
کریگا ٹھیک ساری موزیوں کو　　　جھڑا ویگا بدی سے سب بدونکو

(ص ۱۴،۱۵)

اس شہرآشوب میں عزیزالدین نامی نے شعوری طور پر زمانے کے حالات کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور انسانی زندگی کی سختیوں،تلخیوں اور محرومیوں کا مرقعہ پیش کیا ہے۔

مدح

عزیزالدین نامی نے عمدۃ الامراء بہادر کی مدح بیان کی ہے جس میں اشعار کی تعداد (۳۷) ہے عزیزالدین نامی نے اپنے ممدوح کے سلطنت اور عدل وانصاف کی تعریف کی ہے۔عمدۃ المرابہادر کی مدح کے ابیات ملاحظہ ہو

سخن کی مئے سے کردے سیرب — کروں نابر محل مدح نواب
قلم سے ایسے نکلے درشہوار — کہ ہوں تعریف کی اس کے سردار
حکومت کے صدق کا قیمتی در — جناب عمدۃ العمرا ۔۔۔۔۔بہادر
جہان کئے کرم سلطان دوران — ہے ہندوستان اس کے زیرفرمان
بہت ہے عدل اس میں انصاف — ہے وہ ہر ایک جیو ۔۔۔۔۔۔صاف
نت اس کے ذات سے ہر شخص خرم — سراسر ہے وہ اخلاق مجسم
نہیں اس سے ہر ۔۔ حوسی گوازار — ہمیشہ مردم ازاری سے بیزار (ص ۱۵)

عمدۃ الامراء بہادر کے عدل وانصاف کی تعریف میں چنداشعار دیکھئے

نکالا جب سی و تیغ عدالت — کیا ہے ظلم کو یک بار غارت
ہوا جس روز سے وہ صاحب تاج — جہان سے کردیا فتنہ کو اخراج
ضعیفوں کو دیا ہے ایسی قوت — کہ کہانی ہن۔۔۔۔۔دیکھاں کوحسرت
حمایت سے ہے اس کے شمع آباد — ہوا ہے باد کا بیدادبرباد
اگر دیکھے حسن وفا شاکر کابل — تو آتش پچ کہاوی دود سے جل
ہی اس کے عدل کی یہاں تک حفاظت — کہ ۔۔۔۔۔۔ کرتی ہیں رعایت
(ص۱۶)

عزیزالدین نامی نے اپنے ممدوح کی شجاعت وسخاوت کے بارے میں بیان کرتے ہیں۔

شجاعت کی وہ عدالت کا اسد ہے — دلیرون مپاس نام اس کا سندھی

مقابل اس کے گر ہو شیرغران　　تو ہو ہیبت سی بلی ساگریزان
اگر مستی میں قبل مست آوے　　او سے دیکھے سے مستی بھول جاوے
بیان میں علم کا اس کے کروں گر　　پہاڑون کی کچھر ہشیی سر
ہوئی ہی ختم اوسپر پر دوباری　　او سے ہے یاد ظرز شہریاری
ہے اس کے خلق سے خلقت سراسر　　عجب سردار ہے وہ خلق پرور
ہزارون پر ہے اوس سے فیض جاری　　سخاوت اوس پوجاوی دار رواے
گریان اوس سے ہیں خوشحال یکسر　　کئے مفلس ہوی اوس سے تونگر
وہ انصاف وعدالت مین بہر رہے　　وفائی عہد میں سانچی کہری ہیں
بلاشک اس میں ہیں اوصاف سب خوب　　اسے باعث سے ہے عالم کا محبوب
نہیں دیکھا ہے ایسا نیک سردار　　ہے اسی کو خسرو ۔۔۔۔۔۔ سزاوار
الٰہی در جہان دارش ۔۔۔۔۔۔　　جوان تخت و جوان دولت جو اسال

(ص۱۷)

عمدۃ الامرا بہادر بادشاہ وقت ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے شاعر بھی تھے۔عزیزالدین نامی نے اپنے ممدوح کی شاعری کی تعریف کی ہے اور شمالی ہند کے شاعر سوداؔ کے عمدۃ الامرا کی قصیدہ نگاری پر شیدائی ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

اشعار دیکھئے۔

خدا اس کو کیا ہر فن میں مختار　　زمین شعر کا ہے وہ سرفراز
اگر دیکھے قصیدہ اس کا سودا　　رہے گا تاقیامت اوسپوشیدا
خم پیچ سخن دیکھہ اس کا یک بار　　رہے زلف بنا پیوستہ یلہار (ص۱۷)

عمدۃ الامرا بہادر کی بہن کی بھی تعریف کرتے ہوئے انہیں بلقیس ثانی کہا ہے۔

ہے اس کی بہن صاحب سخاوت　　کرے اس پر کرم خاتون جنت
بزرگی کے ہے اس میں سب نشانی　　بجا ہے گر کہون بلقیس ثانی (ص ۱۷)

مدح کے ایک شعر میں مغلانی چاند بی بی کا ذکر کیا ہے شعر ملاحظہ ہو۔

یک اس کے عقل کی تو شاید ماندی ہے ایک مغلانی اس کی چاند بی بی (ص ۱۸)

عزیز الدین نامی نے مدح کے آخری اشعار میں اپنے ممدوح کے لئے سلامتی کی دعا کی ہے

الٰہی اس کو تا روز قیامت سلامت رکھیہ سلامت رکھیہ سلامت (ص ۱۸)

بادشاہ کے فرزند سراج الملک کا ذکر بھی کیا ہے۔

پسر اس کا سراج الملک جاوید رہے روشن الٰہی مثل خورشید (ص ۱۸)

مدح کے آخری شعر میں بادشاہ سلامت کو اپنے ماں کے سائے میں رہنے کی دعا دی ہے

سدا سائے میں اپنے والدہ کے بہار عمر و دولت خوب سالی (ص ۱۸)

نو بہار عشق کا خلاصہ

بادشاہ کے حسن انتظام سے ریاست میں ہر طرف خوشحالی کا دور دورہ تھا۔ رعایا بہت آسودہ تھی مگر بادشاہ کے غم سے رعایا بے نیاز تھی۔ بادشاہ کو بیٹے کی آرزو تھی ایسے میں اللہ سے ہمیشہ دعا کرنے لگتا ہے اور ہر وقت نیتیں و برکتیں ماننے لگا۔ اسی آرزو میں خیر و خیرات کرنے لگا تاکہ اس کی آرزو برآئے۔ آخر کار بادشاہ کی دعا قبول ہوتی ہے اور اس کے گھر لڑکے کی پیدائش ہوتی ہے۔

بڑی آرزو تھی بیٹے کی ہر آن سدا کرتا تھا نیت برکتیں مان
بہت فرمان زراس آرزو میں بہت نظر میں دیا اس جستجو میں
یہی تھی آرزو ہر روز و ہر شب یہی تھا دوجہاں میں اس کا مطلب
بجز اس کی نہیں کچھ سوجھتا تھا اسی کو دولت اپنی بوجھتا تھا
ہوئی اس کی دعا آخر کو مقبول کھلا مید کے گلزار کا پھول
دیا خالق نے اس کو یک فرزند سراپا حسن میں بے مثل و مانند
عجب کچھ لعل سا بیٹا ہوا تھا کہے تو چاند کا ٹکڑا ہوا تھا (ص ۲۳)

بچے کی پیدائش کے خوشی کے موقع پر بادشاہ 'شکر' زر گھوڑے تقسیم کرواتا ہے۔ محل میں مبارکبادیوں کا غل مچ جاتا ہے۔ رقص و موسیقی سے جشن کا ماحول بنا ہوا ہے۔ اس جشن سے عوام میں خوشحالی پھیلی ہوئی ہے۔ بادشاہ ہر مز

لڑکے کی پرورش کے لئے دائیوں کو بلا بھیجتا ہے بچے کے لئے مرصع کاری کا جھولا بنوا کر آب سے نظر اتاری جاتی ہے۔ بچے کی نام رکھائی کی جاتی ہے اور لڑکے کا نام خسرو پرویز رکھا جاتا ہے۔ اشعار دیکھئے۔

جو دیکھا باپ اسے یک شعلہ نور   ہوا دل میں اپنی نہایت مسرور
شکر بٹوایا تب گاڑیوں میں بھر بھر   ہوا ہے ہر محد ننگ لشکر
فقیروں کو غریبوں کو دیا زر   ہوئے اس روز سب مفلس تونگر
کھڑے تھے روبرو جو ہات جوڑے   دیا ان سب کو شہ گھوڑے جوڑے
نہ اس دن ایک ہرمز ہی ہوا خوش   ہوا اس جشن سے چھوٹا بڑا خوش
بہت انعام سب کو دے دل کی   محل میں شہ کیا ان کو چلاکی
وہاں بھی مچ رہا تھا جشن کا غل   سبھی بیٹھے تھے خوش ایسے میں حل چل
وہیں بھی خلصوں سے کر سرفراز   پسر کی پرورش کا لب ------
بلایا خوبصورت دائیوں کو   کیا تاکید ہرمز ان سبھوں کو
تم اس بچہ کو آنکھوں سے لگالو   مثال مرد مک لاڑوں سے پالو
مرصع کاری کا جھولا بنایا   ہلا کر آب بچے کو ہلا
خوشی کا کر بہت سادھوم اور دھام   رکھا ہے خسرو پرویز تب نام
رکھا ہے اس لئے نام اس کا پرویز   کہ شہزادہ سخن میں تھا شکرریز

(ص ۴۴ تا ۴۵)

خسرو پرویز جب سات برس کا ہو جاتا ہے تو ہر طرح کا علم و ہنر سے واقف کرایا جاتا ہے۔ خسرو پرویز بہت جلد علم و فن میں طاق ہو جاتا ہے۔ باپ ہرمز بیٹے کی نگہداشت کے لئے شہر میں منادی کراتا ہے کہ اگر کوئی ظلم چوری یا زنا کاری کرے گا تو وہ سخت سزا کا سزاوار رہے گا۔

ایک دن شہزادہ جنگل کی سیر کو جاتا ہے۔ جب راستہ میں شام ہو جاتی ہے تو کسی قریہ میں ایک دہقان کے گھر پناہ لیتا ہے۔ اپنے باپ کے ڈر سے غافل ہو کر رات بھر ندومئے، راگ اور راگنی میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اسی دہقان کے انگور کے باغ میں چوری ہوتی ہے۔ بادشاہ ہرمز جب اس ماجرے سے واقف ہوتا ہے تو چور کی انگلیاں کٹوا کر سزا دیتا ہے۔ خسرو پرویز اپنے باپ کے غم و غصہ اور عدل و انصاف سے اپنی خطاؤں پر باپ کے قدموں پہ

گر کر عجزوانکساری سے معافی مانگتا ہے۔ بیٹے کے گریہ وزاری دیکھ کر باپ کا دل موم کی طرح پگھل جاتا ہے اور بیٹے کو اپنے سینے سے لگالیتا ہے۔ اپنی ریاست کا ولیعہد ہونے کا اعلان کرتا ہے۔ ایک رات خسرو پرویز کو خواب میں دادا کی بشارت ہوتی ہے۔ کہتے ہیں کی تخت وتاج کا مالک بنے گا، ایک خوبصورت محبوب شیریں ملے گی اور ایک گھوڑا ملے گا جس کا نام شبدیز ہوگا۔ ایک پادر اور ایک قوال ملے گا جس سے یہ خوشحال زندگی بسر کرے گا۔ اس خواب سے خسرو پرویز خوش اور اسی جستجو میں رہنے لگتا۔ اشعار دیکھیے۔

ہوئی جب فکر سے خسرو راحت　　گیا جب خواب میں استراحت
اسی شب خواب میں دادا کو دیکھا　　کہ اس نے اس طرح سے آکے بولا
بشارت یہ تجھے دیتا ہوں میں اب　　تو خوش رہ اے پسر ہر روز ہر شب
نہ تو سامانے ہے چین بابرو　　نہ دیکھ میں مطربوں کے ہیں سرود
نپ بدی کے علم سے بند دل ہے　　نہ تو گھوڑے کے غم سے پابگل ہے
بہت ہے تو سعادت مند فرزند　　رہے تجھ پہ حد سدا فضیل خداوند
ملے گا تجھ کو حق سے تخت اور تاج　　کریگا جس قدر شاہی کاتوراج
تجھے محبوب ایک شیریں ملے گی　　کہ تلخی سب زمانے کی ملے گی
سراپا حسن ہوئی اور دلاآرام　　کہ دیکھے تن کو راحت دل کو آرام
اور ایک گھوڑا، لے گا تجھ کوبس نیز　　کہ ہوگا نام اس کا جگ میں شبدیز
نہ ہوگا ------ جہاں میں　　نہ اس دل دارسا کوئی بتان میں
ملے گا پادر اور ایک قوال　　رہے گا اس سے تو پوستہ خوشحال
ہو اس خواب سے شہزادہ خوش دل　　اٹھا انتہا ہو غنچے سا کھل کھل
کیا خوش ہو بہت شکر خداوند　　پرشتش کرکے یزدان کے ارادہ
ہمیشہ منتظر --- تعبیر کا تھا　　رکھا دل میں جو دادا نے کہا تھا
گزرنے کو لگے خوش اس کے اوقات　　بلا ہریک کو سنتا نت حکایت
فراغت پا کے نت کاموں سے سب　　سنا کرتا تھا افسانہ ایک شب

(ص۳۳تا۳۴)

خسرو پرویز کا ایک دوست شاہ پور ہے جو مصوری اور نقاشی میں ماہر ہے۔ خسرو کو شاہ پور، مہین بانو کے بارے میں بتاتا ہے کہ اس کی حکومت ایران تا ارمن تک ہے اس کی ایک سہیلی شیریں ہے جو حسن میں لاجواب ہے اور اس کے پاس ایک گھوڑا شبدیز ہے۔ اشعار ملاحظہ ہو۔

کہا خسرو نے کہ جو تو نے دیکھا — تمامی عمر میں نادر تماشہ
دعا دے اس طرح خسرو شاپور — کہ سب یہ خواہ تیرے ہوئے مقہور
لگا کہنے کوہ ہستان سے ادھر دور — ہے ایک زن نسل شاہوں کی مشہور
ہے اس کو حکم ایران تا بارمن — وہاں کے ملک کی حاکم ہے وہ زن
خزانہ مال اس کا بے عدد ہے — شتر اور اسپ کا اس کے نہ حد ہے
بہت ہے لشکر و احتشام اس کا — مہین بانو کہیں ہیں نام اس کا (ص ۳۶)

گھوڑے کی تعریف میں شاہ پور کہتا ہے

مہین بانو کو ہے اور ایک گھوڑا — نہیں جگمیں کہیں ہے جس کا جوڑا
صبا سے ہے بہت چالاک اور تیز — رکھے ہینام اس کا اسے شبدیز
نہیں گھوڑا ہے وہ گویا ہوا ہے — فلک رفتار ہے اور بادپا ہے
کرے جلدی میں ہوش راس کو گم — ذنب سمجھے رہی نت اس جون دم
نہ شیریں کا کوئی جوڑا ہے جگ میں — نہ اس شبدیز سا گھوڑا ہے جگ میں
(ص ۴۲)

اس گھوڑے کی نسل کے بارے میں شاہ پور بیان کرتا ہے۔

بڑا نزدیک دیول کے تھا یک غار — سوار اسمیں تھا یک پتھر کا ہموار
پہاڑوں میں ہمیشہ مادیا یانا — سدا آتی ہیں چرنے کے تیئں وہان
وہیں مستی میں آ کر مادیاں یک — چلی آتی ہیں رنے کے تیئں وہان
لگڑتی تھی بدن پتھر سے بیتاب — خدا کے حکم سے ہوتی تھی وہ گاب
اگر پیدا ہوتا اسے ہوتا بچھڑا — تو وہ ہوتا جگمین خوب گھوڑا

چنانچہ نسل تھا شبدیز اس کا نہیں ثانی ہوا گھوڑوں میں جس کا (ص ۴۶)

شاہ پور کی زبانی شیریں کے حسن کے بارے میں سن کر خسرو پرویز اس کے عشق میں مبتلا ہوجاتا ہے اور بے قرار رہنے لگتا ہے شاہ پور یہ حال دیکھ کر شیریں کی تلاش میں ارمن کی طرف روانہ ہوتا ہے۔ایک ماہ کی سخت مشقت کے بعد شیریں کا پتہ معلوم کرتا ہے۔ ایک باغ میں شیریں اپنے سہیلوں کے ہمراہ سیر کو آتی ہے۔ شاہ پور ایک درخت سے خسرو پرویز کی تصویر لٹکا تا ہے۔ جب شیریں کی نظر اس تصویر پر پڑتی ہے تو اس پر عاشق ہوجاتی ہے۔ ایک دن شاہ پور پادری کے بھیس میں شیریں سے ملنے آتا ہے اور خسرو پرویز کے بارے میں بتا تا ہے۔شیریں اپنا گھر بار چھوڑ کر خسرو پرویز کی تلاش میں محل پہنچتی ہے لیکن عاشق سے ملاقات نہیں ہو پاتی۔ مایوس ولا چار ہوکر رہ جاتی ہے۔ادھر خسرو پرویز دوست کے انتظار کی تاب نہ لاکر خود شیریں کی تلاش میں مدابن کی طرف چل پڑتا ہے۔ یہاں مہین بانو اس کا استقبال کرتی ہے۔ محفل موسیقی کا انتظام کرتی ہے۔ اس محفل میں شاہ پور سے خسرو پرویز کی ملاقات ہوتی ہے۔شاہ پور شیریں کا سارا ماجرا سنا تا ہے اور شیریں کے محل کی طرف جانے کی اطلاع دیتا ہے۔مہین بانو اپنی سہیلی کے لاپتہ ہوجانے پر پریشان ہوجاتی ہے۔ اور اپنا درد وغم خسرو پرویز سے بیان کریت ہے۔خسرو پرویز شیرین کو ڈھنڈ لانے کا حکم جاری کرتا ہے۔شاہ پور شیرں کی تلاش میں ریاست پہنچتا ہے اور شیرین کولیکر ارمن پہنچتا ہے۔ یہاں عاشق ومعشوق کی ملاقات ہوتی ہے اور ہنسی خوشی سے رہنے لگتے ہیں۔خسرو پرویز باپ ہرمز کے انتقال کی خبر سن کر اپنے ریاست واپس چلا جاتا ہے اور بادشاہت کا حق دار بن جاتا ہے۔ایک دن شیریں اور خسرو پرویز شکار کے لئے جاتے ہیں رات کی تنہائی میں خسرو پرویز وصل کی بات کرتا ہے تو شیریں انکار کردیتی ہے جس سے خسرو پرویز سخت مایوس ہوجاتا ہے۔ دوسرے دن شیریں کو چھوڑ کر ملک روم جاتا ہے یہاں کے بادشاہ قیصر کی چودہ برس کی لڑکی مریم سے شادی کرتا ہے۔ کچھ عرصہ بعد اپنی ریاست واپس آتا ہے واپسی ہر بہرام سے جنگ ہوتی ہے۔فتح حاصل کرتا ہے۔ایدہر شیرین اپنے معشوق کی جدائی میں بے قرار ہوتی ہے۔ جب واقف ہوکر خسرو مریم سے اپنے گھر باندی بنا کر رکھنے کو کہتا ہے لیکن مریم صاف انکار کردیتی ہے پھر بھی خسرو پرویز شیریں کو تنہا چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ایک منصوبہ کے تحت شاہ پور کو شیریں کے پاس بھیجتا ہے کہ وہ شیریں کو بہلا پھسلا کر اس کے پاس لائے۔لیکن شیریں بھی انکار کردیتی ہے۔اور ایک کوہ کے قریب اپنا بسیرا کرنے لگتی ہے۔اس کوہ میں دودھ کی نہر بنانے کا ارادہ شاہ پور سے ظاہر کرتی ہے۔اس کام کے لئے کسی دستگار کے لانے کو کہتی ہے۔شاہ پور فرہاد کو لے آتا ہے۔جب فرہاد شیریں کی آواز سن کر اس پر دل ہی دل میں عاشق ہوجاتا ہے۔شیریں کو دیکھنے کی چاہت میں

ایک ماہ کے اندر خوبصورت نہر تعمیر کرتا ہے۔ شیریں اس کو انعام زر دیتی ہے۔لیکن فرہاد یہ شیریں کے قدموں پر ڈال کر اپنے عشق کا اظہار کرتا ہے۔ شیریں اس کے عشق کی تاب نہ لا کر وہاں سے بھاگ جاتی ہے۔ فرہاد جنگل کی راہ لئے در بدر بھٹکتا رہتا ہے۔

فرہاد کے عشق کے بارے میں خسرو پرویز کو اطلاع ملتی ہے تو اس کو اپنے دربار میں حاضر کرنے کا حکم دیتا ہے۔ جب فرہاد دربار میں آتا ہے تو خسرو پرویز شیریں سے دور رہنے کو کہتا ہے۔ پھر بھی فرہاد کسی طرح راضی نہیں ہوتا۔ خسرو پرویز آخر کار ایک منصوبہ کے تحت فرہاد سے کہتا ہے کہ وہ اس کے لئے کوہ تراش کر راستہ بنائے جس کے صلے میں اس کی مراد پورے کرے گا۔ فرہاد اس کام کے لئے راضی ہو جاتا ہے۔ کچھ عرصہ بعد اس کو یہ خبر دی جاتی ہے کہ شیریں کی موت واقع ہو گئی ہے۔ فرہاد اس غم میں اپنی جان دے دیتا ہے۔ دوسری طرف مریم خسرو پرویز سے جھگڑا کرتی ہے اور اپنی جان قربان کر دیتی ہے۔ خسرو پرویز بیوی کے غم میں تخت و تاج سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور عشق پرستی، سیر و شکار کرنا اس کا شیوا بن جاتا ہے۔ شہر سپاہاں کی ایک خوبصورت لڑکی شکر سے دوسری شادی کرتا ہے۔ پھر شیریں کی تلاش میں کو ہ قصر کی طرف جاتا ہے۔ جہاں شیریں کا بسیرا ہے۔ خسرو شیریں سے اپنی بے وفائی کا اقرار کرتا ہے اور معافی مانگتا ہے لیکن شیریں اس کی بے وفائی کا گلا کرتی ہے جس کے لئے وہ معاف نہیں کرتی۔ پھر خسرو پرویز، شیریں کو منانے کے لئے شاہ پور کو بھیجتا ہے۔ اس کے اصرار پر خسرو پرویز سے شادی کے لئے راضی ہو جاتی ہے۔ بڑی دھوم دھام سے دونوں کی شادی ہوتی ہے اور ہنسی خوشی یادالٰہی میں زندگی بسر کرنے لگتے ہیں۔ لیکن ان کی زندگی حاسدین کے حسد کا شکار ہو جاتی ہے۔ خسرو پرویز شیرو نام کے ایک حاسد کی قید میں گرفتار ہوتا ہے اور خسرو پرویز کا قتل کر دیا جاتا ہے۔ شیریں اس کے موت کو برداشت نہیں کر پاتی ہے اور خنجر مار کر خودکشی کر لیتی ہے۔ آخر کار دونوں کی ایک ہی جگہ تدفین ہوتی ہے۔

شیریں اور خسرو پرویز کے جنازے کا بیان ملاحظہ ہو۔

یہ حالت دیکھ سب افسوس کھائے	لگے رونے کو سب اپنے پرائے
کئے صد آفرین برجان شیریں	کئے اس کی وفاداری پو تحسین
دکھیں دھوبدن کا اس کے سب خون	کئے دونوں کو ایک جا میں مدفون
بڑا ایک شان کا گنبد بنائے	اور اس پر اس طرح سے لکھائی
کہ جز شیریں نہ کوئی کس پر موائے	کبھی ہوگا نہ ایسا کوئی ہوائی

وفاداتی ہوئی ہے ختم اس پر　　　بجا وہ خوب لائی حق شوہر
(ص ۱۷۱ تا ۱۷۲)

کردارنگاری

مثنوی کی بنیاد قصے پر ہوتی ہے۔ جس کو کردار سہارا دیتے ہیں اور کردار اسی وقت بھرپور اور توانا ہوتے ہیں جب قصے سے ان کا باطنی ارتباط ہوتا ہے۔ دکنی مثنویاں زیادہ تر غیر طبع زاد ہیں اور یہ فارسی مثنویوں سے ماخوذ ہیں۔ جس میں مذہبی منثویاں بھی ہیں۔ غیر مذہبی مثنویوں میں ایسے کردار ہوتے ہیں جن کا مطالعہ کردار نگاری کے اصولوں کی روشنی میں قابل لحاظ ہوگا۔ یہ کردار اپنی جاذبیت کی وجہ سے قارئین کو کسی حد تک متاثر کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں مثنوی ''نو بہار عشق'' کے کرداروں پر نظر ڈالتے ہیں۔ اس مثنوی کے چھ اہم کردار ہیں۔ جن میں خسرو پرویز، شاہ پور، شیریں، مہین بانو، فرہاد، بہرام جوبن شامل ہیں۔ ان کے علاوہ ضمنی کردار بھی شامل ہیں جو اپنا رول ادا کرتے ہیں اور غائب ہوجاتے ہیں جن میں بادشاہ ہرمز، گھوڑا شبدیز، روم کا بادشاہ قیصر اور اس کی بیٹی مریم، شہر سپاہان کی پری شکر، غزل گو نگیسار اور پاربد، حاسد شیروان کے علاوہ غلام اور باندیاں وغیرہ چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔

خسرو پرویز

شہزادہ خسرو پرویز اس قصہ کا ہیرو ہے۔ جو بادشاہ ہرمز کا اکلوتا بیٹا ہے۔ بڑی منتوں اور مرادوں سے پیدا ہوتا ہے اور اسکا نام خسرو پرویز رکھا جاتا ہے۔ روایتی شہزادوں کی طرح اس کی پرورش اور تربیت کے لئے دائیوں اور اتالیق مقرر کئے جاتے ہیں۔ شہزادہ کم عمر میں علم وفنون اور موسیقی سے آشنا ہوتا ہے۔ طاؤس درباب کے ساتھ تلوار وسنان سے کھیلنا بھی جانتا ہے۔ بزم کے سات رز کا بھی دانا ہے۔ اس سلسلے کی چند ابیات ملاحظہ ہو۔

غرض اس نا سے پلنے لگا وہ　　　کچھ اپنے باپ سے سیکھنے لگا وہ
ہوا آخر پدر کا جان و ایمان　　　نہیں تھا باپ کو کل اس سوآن
ہوا فضل خدا سے دو برس کا　　　کہے سب حسن میں ہوے گایکا
ہوا جب چار سالہ طفل محبوب　　　ہوا آگاہ چار عنصر سے خوب
برس جب پانچواں اس کو لگا ہے　　　ہوا اس خمس سے واقف ہوا ہے

هوا جب چھ برس کا وہ خسرو سنج — لگا ہر بات میں کرنے شش و پنچ
ہوئے ہیں پورے اس پر جب برس سات — گئی صورت کے ہفت اقلیم میں بات
لگا کرنے اسے تب تربیت تاپ — معلم اور اتالیقوں کو رکھ آپ
ہوا ہر۔۔۔ جلدی اس طرح طاقت — کہ بوجھا ہر ہنر کی جفت اور طاق
شروع اس کو ہوا ہے جب نہم سال — ہوازور اور ۔۔۔۔ رسم لال
قدم جب دس برس میں رکھا ہے — کئی شیروں سے پنجہ کیا ہے
اگر شمشیر لے کرتا تھا جو رنگ — نہ بجتا اہن اہن اسی نین کے سنگ
ہوا ہے تیراندازی میں استاد — فن اس کا ایک چلی میں کیا باد
لگاوے بس تو دے پر زمین کی — تو نکلے گاؤ کی بیچ سریں کی
لگا کرنے کو ہر ہر چیز میں غور — نکالا انے تب کچھ اور ہی طور
تھا اس کے باپ کے لوگوں میں یک مرد — کہ آگاہی سے تھا سب چیز میں فرد
نجومی و ہندسہ فن رمل میں — عجب ۔۔۔۔ ہوا علم و عمل میں
بلا ۔۔۔۔۔ اس کو شہزادہ — لیا اس سے بہت سا استفادہ
جہاں تک فن تھے اس نے سب سیکھا — اجال الغیب سے واقف کرایا
جتایا اس کو سعد نحس سارے — سوجھایا برجے ار سارے ستارے
فلک کے دور سے باہر کرایا — زمین کے طور سے ماہر کرایا
ہوا کم عمر میں شہزادہ قابل — بہت چیز ان کیا تھوڑے میں حاصل

(ص ۶۵ یا ۶۷)

خسرو پرویز کا بہت قریبی دوست شاہ پور ہے۔ اس کی زبانی خسرو پرویز کا سراپا ملاحظہ ہو۔

کہ ہ شہزادہ ایک پاکیزہ صورت — اسی کی ہے گی یہ تصویر و مورت
سکندر طابع دوراحشم ہے — فریدوں فر ہے اور وہ مخزم ہے
سخاوت اور شجاوت میں ہے یکتا — پسر ہرمز کا اور کسرا کا پوتا
ہے اس کا خسرو پرویز خوش نام — ہے جس کے نام سے عالم کو آرام

رخ اس کا تو گل باغ جوانی
نہار قد ہے سروزندگانی
ہلال آبرو جبین رشک قمر ہے
بنا گوش اس کے عشر کی سحر ہے
دونر گیس اس کی نت بیمار مخمور
رہے اس سے ہمیشہ چشم بدور
کروں کیا حسن خط کا وصف آغاز
زمین شعر کا بابرگ و باساز
لب لعل اس کے ایسے سرخ ومیگون
رہے حسرت سے جس کے لع پر خون
سدا رہتا ہے گلخوش تبسم
نہایت ہے گا وہ شیریں تکلم
یہ جو دیکھے ہے تو نے اس کی صورت
سچ مت ہے برابر اس کی موت
بنایا ہے خدا نے اس کی تصویر
کیا بندے نے ہے یہ مشکل تحریر
کہاں خالق کی صنعت اور کہاں ہم
وہ صورت پیش اور پیش یہ کم از کم

(ص ۵۵تا۵۶)

شہزادہ محفل نشاط وعیش، سیر وتفریح کا لطف اٹھاتا ہے۔ اگر کسی سے محبت کرتا ہے تو محبوب کے حصول میں تن من کی بازی لگا دیتا ہے۔ لیکن حسن وعشق کے معاملے میں کسی قدر کمزور بھی نظر آتا ہے۔ جب یہ سیر کو جاتا ہے تو اپنے باپ کے ڈر سے غافل ہو کر عیش وآرام کی خاطر ایک کسان کا گھر خالی کرواتا ہے اور پوری رات عیش وعشرت اور محفل مئے وسرور میں گزارتا ہے۔ اس رات کسان کے کھیت میں انگور کی چوری ہوتی ہے۔ چند ابیات ملاحظہ ہو

قضارا ایک وہ شہزادہ
چلا جنگل طرف ہو دل کشادہ
رفیقوں کو کئی ہمراہ لے کر
کیا جاوشت میں گل گشت یکسر
نہایت سیر سے جب دل ہوا سیر
ہوئی شام اس جاجب ہوئے دیر
دسا اس کو وہاں نیک قریہ بھیتر
سب اطراف اس کے نہر میں سراسر
کہا آتی ہے میرے دل میں یہ بات
کہ رہنا آب یہاں ہم رات کی رات
پھر یک دہقان کا گھر خالی کرایا
پایا مئے اور وہاں دھوم دھام مچایا
تمامی شب رہا عشرت مشغول
گیا تھا عیش میں ڈر باپ کا بھول
خوشی میں اس کو ساری رات گزاری
رہا ہے راگ سنتا مئے کو پی پی
جوانی میں کہاں یہ سوجھتا ہے
بھلا ہے اس میں یا اس میں برا ہے

رہا غفلت میں یہ مستی کے مارے — گئی سو اس کی چوکیدار سارے
چرا کھیتی کے کئے چھوٹ گھوڑا — غلام انگور دہقان جاکے توڑا
گئی سب چور سب شب بھاگ کر دور — الم نشرح ہوا خورشید کا نور

(ص۲۹تا۳۰)

خسرو پرویز کا باپ بادشاہ ہرمز عدل وانصاف کے معاملے میں سخت مزاج نظر آتا ہے۔ اپنی حکومت میں امن وامان کے لئے سخت سزاؤں کا اعلان کرتا ہے۔ انگور کی چوری کی خبر اور بیٹے کی کارگزاری سے واقف ہوتا ہے تو سخت غم وغصہ کا اظہار کرتا ہے۔ یہ سب جان کر خسرو پرویز اپنے باپ کے قدموں میں گر کر رو رو کر معافی مانگتا ہے۔ باپ کے غم وغصہ کی آگ بیٹے کے آنسوؤں سے بجھ جاتی ہے۔ بیٹے کی لیاقت کو دیکھ کر بادشاہ ہرمز اسے اپنی ریاست کا ولیعہد مقرر کرتا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہو۔

کئی روزن کے بعداز شہزادہ — مصاحب بابا کی تھی جو زیادہ
کیا ان کو شفاعت خاہ اپنا — گناہ بقش کرے بادشاہ اپنا
کہا لیجا مجھے قدموں پو ڈالو — غبار آیا ہے جو دلمیں نگالو
گناہ گاروں سا اپنی باندکر ہات — لیجا قدموں ڈالو اپنے سات
گراجانہی قدموں پر پدر کے — کہاروروکے ـــــ کرکے
پدر نے اس کو چھاتی سے لگایا — بہوت رویا اس کو بھی رلایا
کہادل سے کیا میں عفویک سر — نہ کیجو اس طرح سے باردیگر
جو دیکھی اس طرح اس کی لیاقت — کیا اپنا ولی عہد ریاست
دعا دے کر اسے رخصت کیا شاہ — ہوئی تھی شام ـــــ گھر کی لیا راہ

(ص۳۱تا۳۲)

بادشاہ ہرمز کا بیٹے کی خطا اور معافی کے بعد ولی عہد مقرر کردینا کسی قدر ناگزیر معلوم ہوتا ہے۔ روایتی قصوں میں شہزادہ کی خطا پر کسی سزا کا مستحق قرار دیا جاتا ہے تاکہ اپنی غلطیوں کو سدھارنے پر کوئی انعام دیا جاسکے۔ شہزادہ کو ولی عہد مقرر کرنا روایتی قصوں سے علحدہ معلوم ہوتا ہے۔

خسرو پرویز اپنے دوست شاہ پور کی زبانی شیریں پر عاشق ہوتا ہے۔ جب شیریں سے ملاقات کا سلسلہ چلتا

ہے تو دونوں مل کر سیر وشکار کے لئے جاتے ہیں۔ اس وقت شیر کا شکار بڑی بہادری سے کرتا ہے۔ جب شیریں وصل سے انکار کرتی ہے تو خسرو پرویز شیریں سے خفا ہو کر ملک روم چلا جاتا ہے اور یہاں کی شہزادی مریم سے شادی کرتا ہے۔ کچھ عرصہ بعد مریم مرجاتی ہے تو اس کے غم میں مایوس نظر آتا ہے اور تخت وتاج سے بے نیاز ہو کر عیش وعشرت میں اپنی زندگی گزارتا ہے اور شہر سپاہاں کی پری شکر کے حسن سے متاثر ہو کر اس سے شادی کرتا ہے۔ یہاں خسرو پرویز کا کردار حسن پرستی اور ہوس کا دلدادہ نظر آتا ہے۔ خسرو پرویز کا کردار ایک طرف محبت کے معاملے میں کمزور ہے تو رزم کے معاملے میں بہت بہادر دکھائی دیتا ہے۔ اس کردار مثبت پہلو یہ ہے کہ ملک روم سے واپسی پر بہرام سے جنگ کرتا ہے اور فتح حاصل کرتا ہے۔

اس کردار کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ جب اپنی معشوق سے فرہاد کی محبت کا پتہ لگتا ہے تو اپنے مشیروں کی مدد سے فرہاد کو سزا دینے کے لئے منصوبہ بناتا ہے جس کے تحت فرہاد اپنی جاں دے دیتا ہے تو اپنے کئے پر سخت پشیماں بھی ہوتا ہے۔ مریم کی موت پر شیریں کے تعزیتی خط سے متاثر ہو کر شیریں کو اپنا بنانا چاہتا ہے اور اپنی ہی بے وفائی پر پشیماں ہو کر اس سے معافی مانگتا ہے لیکن اس بات سے شیریں انکار کرتی ہے تو اپنے دوست شاپور کے ذریعہ شیریں کو منانے کی بھرپور کوشش کرتا ہے اور کامیاب ہو جاتا ہے۔

شیرو نامی ایک حاسد خسرو پرویز اور شیریں کو قید کر لیتا ہے۔ بہت اذیت دینے کے بعد خسرو پرویز کو قتل کر دیتا ہے۔ اس کا بیان ملاحظہ ہو۔

وہ دونوں سوئے جب شیر وہو سخت
کیا ہے مارنے کا قصد بدبخت

چلا جب ہاتھ میں لے اپنے ہتیار
گیا دیول اندروہ بداطوار

جب اس جگہ گیا بد ذات قل تل
انہیں اس خواب سے پایا یہی غافل

نہ ڈر حق کا کیا نہ پاپ کا پاس
دبے پاؤں وہیں جاشاہ کے پاس

لگایا کھینچ کر کتھی جگر پر
ڈبویا خون میں اس کو سراسر

ہوا جب زخم سے خون تاب ریزاں
ہوا خوفی شتابی سے گریزاں

لگایا ایسا تھا اس کو زخم کاری
لگا ہے سیل سا خون ہونے جاری

سہاہوں درد اپنا میں نے سارا
یہ اس کا رنج دیکھوں نیں گوارہ

غرض وہ نیم بسمل نے زمین پر
لکھا یہ ماجرا لہو سے یکسر

رہی سوتی کی سوتی او نہیں شیریں　　　دیا ہے تلملا کر جان مسکین (ص ۱٦۱)

خسرو پرویز کا کردار پورے قصہ میں چلتا پھرتا دکھائی دیتا ہے۔ یہ کردار خارجی طور پر انفعالی ہے۔ قصہ میں یہ کردار فعال اور متحرک نظر آتا ہے۔ خسرو پرویز کے کردار میں جو نہ ہمواری ملتی ہے وہ اس دور کے معاشرے کی طرف اشارہ کرتی ہے اس لئے یہ کردار زندہ کردار بھی معلوم ہوتا ہے جو عصر حاضر کا نمائندہ ہے اور آخر کار اپنے حاسد کے ہاتھوں موت کو گلے لگالیتا ہے۔

شاہ پور

شاہ پور کا کردار قصہ میں سب سے اہم کردار معلوم ہوتا ہے۔ اسی کی وجہ سے پورے قصہ میں حرکت و جان پیدا ہوتی ہے اور یہی کردار ہیرو اور ہیروین کے کردار میں فعالیت پیدا کرنے کی اہم کڑی ہے۔ یہ ہیرو خسرو پرویز کا دوست ہے جو ایک وزیر کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ بھی علم و ہنر میں یگانہ ہے ایک بہت اچھا نقاش اور مصور بھی ہے۔ مثنوی سے چند مصرے ملاحظہ ہوں۔

رفیق خاص تھا یک اس کا شاہ پور　　　کہ تھا عقل و ہنر میں خوب بھرپور
خرد میں تھا فلاطون زمانہ　　　ہنر میں تھا بلیناس یگانہ
بہت ملکوں کا دیکھا تھا۔۔۔　　　پکڑ مشرق سے مغرب تک پھرا تھا
مصورتھا عجب وہ اور نقاش　　　کہے شہزادہ دائم جس کو شاباش
رگ جانتا تھا بنوک خاصہ اش بند　　　تبصور برش نزاکت خوردہ سوگند
اگر وہ پہچانتا تھا صورت شمع　　　تو پروانے وہاں ہوتے تھے آجمع
بناتا مہر کی اس طرح تصویر　　　کہ شیر شب کو ہوتے دیکھ دل گیر
وہ ایسا دست کاری میں تھا بانی　　　کہ ۔۔۔ استادی اس کو ۔۔۔

(ص ۳۴ تا ۳۵)

یہی کردار خسرو پرویز سے شیریں کا ذکر کرتا ہے۔ اس کی زبانی خسرو پرویز شیریں سے محبت کرنے لگتا ہے اور اس کو حاصل کرنے کی چاہت رکھتا ہے۔ ان دونوں کو ملانے کے لئے شاہ پور پادری کا بھیس بدل ملک ارمن جاتا ہے۔ ایک ماہ تک کہستانوں میں دربدر بھٹکتا ہے۔

یہ کہ شاپور خسرو سے ہورخصت ـــ چلاارمن طرف سہتا مشقت
چلا یک لخت طئے کرتا منازل ـــ نہ سوتا تھا نہ کچھ ــــ۔دل
وہ کہستان میں پہونچا بعدیک ماہ ـــ جہان گرمی میں۔۔۔۔ وہ ماہ
ززیں اس سرزمین کی ساری سربنز ـــ قطہ خوبان کی سی تھی سربرسز
سبرانا یک وہاں دیول کہیں تھا ـــ کہ پوجاری کئے پڑے تھی اس جا
اس میں اب اترا آکے شہاپور ـــ مسافر کا ہے جیورسم و دستور
رہا اس دیرمن شاہ پور اس شب ـــ لگا ہے پوچھنے بدہوستے تب

(ص ۴۵ تا ۴۶)

شاہ پور کا بھیس بدل کر ہیروین کی تلاش میں جانا میر حسن کی کہانی ''سحر البیان'' کے کردار نجم النساء کی یاد دلاتا ہے۔ نجم النساء جوگن کا بھیس بدل کر جنگل جنگل ماری ماری پھرتی ہے اور اپنے حسن تدبیر سے شہزادہ بے نظیر کا سراغ لگالیتی ہے۔ اسی طرح شاہ پور بھی اپنے ہنر مصوری سے کام لے کر خسرو پرویز کی تصویر بناتا ہے۔ اشعار دیکھئے۔

کہا شاہ پور نے سن درد کی بات ـــ کہ اے شہ کر نہ غم میں صرف اوقات
خدا قادر ہے برلاویگا مطلب ـــ میں لاتا ہوں اسے جاکر کسی ڈھب
مجھے ہر جن میں دادین ہیں بہت یاد ـــ بفضل حق ہوں سب کاموں میں استاد
اگر پتھر میں صورت یک سنگہارون ـــ تو سو پریوں کو شیشے میں اوتاردوں
لکھوں کاغذ پو گر صورت گل ـــ ہزار اس پر تصدیق ہوویں بلبل
مجھے آتا ہے ایسا علم تسخیر ـــ جو چاہو لتو ہونگی دل میں تعبیر

(ص ۴۴)

اس تصویر کو دیکھ کر شیریں خسرو پرویز کی عاشق ہوجاتی ہے۔ پھر شاہ پور موقع تلاش کر کر شیریں سے خسرو پرویز کا سراپا بیان کرتا ہے جس سے اس کے عشق کی آگ دوگنی ہوجاتی ہے۔

دراصل شاہ پور کی بدولت ہی پوری داستانی فضاء بنتی ہے۔ جب یہ دونوں جدا ہوجاتے ہیں تو ان کو دوبارہ ملانے کے لئے یہی ایک کڑی کی طرح کام آتا ہے۔ شیریں اپنے معشوق کی بے وفائی کا گلا کرتی ہے تو شاہ پور کا

احساس وفاداری و پاسداری شیریں کے کردار میں دل کشی و عظمت کے آثار پیدا کرتا ہے۔ شاہ پور شیریں کو دردفراق سے نجات دلانے اور اسے اپنے عاشق سے ملانے کے لئے ہرممکنہ کوشش کرتا ہے۔ شاہ پور کا کردار خسرو پرویز کے کردار سے زیادہ پرکشش نظر آتا ہے۔ عبدالقادر سروری نے نجم النساء کے کردار کے بارے میں لکھا ہے کہ جس طرح سحرالبیان ''اردو منظومات میں بہترین مثنوی ہے اس طرح اردو منظوم افسانوں میں نجم النساء کا کردار ایک اہم کردار ہے'' (32) یہی خصوصیت شاہ پور کے کردار میں نظر آتی ہے۔

شیریں

اس مثنوی کا تیسرا اہم کردار شیریں کا ہے جو قصہ کی ہیروین ہے۔ یہ ارمن کی شہزادی بانو کی سہیلی ہے۔ حسن و جمال کے اعتبار سے اسم بامسمیٰ ہے۔ شیریں حسن کا پیکر ہے۔ سراپا حسن اور مست شباب ہے۔ شیریں کے سراپا کے چند اشعار ملاحظہ ہو۔

زیادہ وہ پری نازک اندام — رخ اس کا ماہ سا اور تن ہے گل فام
قد اس کا حس کے گلشن کا شمشاد — غلام اس کا ہے ادنا سروآزاد
اوٹھاوی ناز سے گروہ قدم کو — گرین خوبان تصدیق چلتے دم کو
جو دیکھا سر سے لے کر اس کی تاپا — ہوئی ہے ایک گویا حشر برپا
قیامت قامت و قامت قیامت — قیامت می کند آن قد وقامت
بتاؤ حسن اس کی آنکھ کا کیا — گل نرگیسی پسینہ عکس اس کا
اگر دیکھے بتان و خوشنما آنکھ — نہیں پھر بات کرنیکی ملا آنکھ
بھویں اسکی ہیں دونغ یہ تاب — لئے ہیں آب و تاب حسن سے آب
صرف مژگاں سیہ مست جوانی — نگہ گویا بلائے ناگہانی
نپٹ پیشانی روشن مثل چندر — عرف اس پردیین سہیر یکی کنکر
عجب ہیں گال لال چون گل — نظر آشفتہ اس پر مثل بلبل
عجب ہے کاکل مشکین ہر کا تار — گویا وہ ہی شام شہرتا تار
سراسر خلق زلف گرہ گیر — ہے عشاق کے لئے جیون طوق و نجیر

نہ ہو کیوں دیکھ بنی دل طرب ناک — لگے نا ہی ناک اس کے حسن کی ناک
وہ لب ہیں قند سے صد چند پتھر — بہت ہے ان کا حق شیریں لبوں پر
نظارے نے نہیں پایادہن کو — وگر نہ کچھ تو کہتا اس خن کو
دردندن ہیں اس کی درغلطاں — چمک انمیں ہے جیسے برق نیساں
ہنسی اس کی در فرحت کی کیلی — کہلے جس سے صدق کیدانت کیلی
جہاں کی دلبری اس کی سخن سات — بہتا ہے دلوں کا بات کی بات
سراپا حسن سر سے تاکیف پا — نہیں ہے اس میں کوئی عضو بے جا
لگا وہی آنکھ میں گر اپنی سرمہ — دسے آب بکا کا ہے وہ چشمہ
سدامشاطہ اس پر حاوی قربان — ہو اس کے حسن سے آئینہ حیران
لباس و زیور اس سے زیب پاوے — چلے آرائش اڑموہنہ لگاوے
جو دیکھو چہراودے دامنے سات — سہاوے اس طرح جیون چاندنے رات
قیامت قدپو ہے گی کا وہ گھیرا — وہی دور قیامت کا ہے گھیرا
گر اس کا دن کے دیکھے کرن پھول — تو غنچہ ہو خوش سے پھول کر پھول
پھرتے جب ہے مروارید کاہار — ہوسلک کہکشاں اس پر سے بلہار
سراپا ہے فرض وہ گہرا سے شوخ — ادا آفت نگہہ کا فرہنی شوخ
کنوارے پن میں اتنی ہے وہ بھاگن — قیامت ہوگی جب ہوگی سہاگن

(ص۳۷تا۴۱)

عزیز الدین نامی نے شیریں کے پیکر کے بعد ایک اورنسوانی سراپا بیان کیا ہے جو مریم کا ہے۔ مریم ملک روم کے بادشاہ قیصر کی بیٹی ہے جس کی عمر صرف چودہ برس ہے اس سلسلے کے چند اشعار ملاحظہ ہو۔

تھی ایک چودہ برس کی اس کو دختر — نہایت خوب خوب شکل اور نیک اختر
عیاں چہرے سے اس کی اس کی ہے لطافت — سراپا میں سراسر تھی نزاکت
عجب وہ نرگیس مخمور جس پر — رہے بنت الفت آشفتہ ہوکر
نمایاں خوش لب میگون سے لالی — خجل جس سے شارب ترنکالی

بلوریں آب کی ساشکم صاف   دہن اس اپکنی کا وہی ناف
کمر باریک و نازک جیون خط جام   لگے گر ہات دے دے دل کو آرام
قد اس کا دیکھ نخل زر کرے غش   عجب کیا کرکرے یک حلق غش غش
چھوٹے ہیں چہرے پودو زفل سبہ مست   بلا ـ ـ ـ ـ یون شانہ جس کے یکدست

(ص ۱۱۵)

شیریں کوئی شہزادی یا پری نہیں ہے ملک ارمن کی شہزادی کی سہیلی ہے لیکن اس کا سیر کرنا شوخ پسند اور اس کا رہن سہن شہزادیوں سا ہے۔ خسرو پرویز سے مدابن میں دوبارہ ملاقات پر وہ اپنے آپ کو جس طرح سنوارتی ہے یہ انداز سنگار مخصوص خاندانوں کا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہو۔

یہ کہ کرنے لگی اپنے کو تیار   سنگار اپنا کئے ہے جلد تیار
پھر جوڑا کپڑا کو لی گلابی   ٹکی جس کو کنارے مہتابی
اور اس پر ویسے ہی گل دامن تک   کہ وہ ہالہ تھی کرد ماہ بیشک
بہرکر قیمتی نیلک کا نہہ بند   کہ تاشی مہہ سے تھا قوجی ـ ـ ـ
ززرد کی دونوں کانوں میں ادراج   ہونٹ سرسبز جس سے خسرو تاج
گلے میں بہا موتی کے مالے   صدف کی ہو جگر میں جس کے چھالے
بھر یاقوت کے ہاتھوں میں سمران   جڑاؤ بیش قیمت اور کنگن
کنگی اسی مانگ پٹی کو قماحاف   گندے مہرن زری کے ڈال موف
دو طرف چھوڑا خساروں پہ گیسو   مہک جیوں مشک جس کی ہر سرمو
تھا حلقہ حلقہ جس کا جیوں سیاہ مار   کہ بیٹھا تھا گویا وہ کنڈلی مار
لگا کپڑو ں میں سب عطر گلابی   چلن بن ٹھن کے باہر کوشتابی

(ص ۱۰۵)

شاہ پور کی زبانی خسرو کا سراپا سن کر شیریں بے چین ہو جاتی ہے تلاش معشوق میں خود نکل پڑتی ہے اور محل میں پہنچتی ہے اشعار دیکھیے۔

چلی شیریں جو خسرو سے ُدا ہو   اگئی لے آفتوں میں مبتلا ہو

وہان سے پوچھتے یک لخت جلدی طرف خسرو کی گھر کے جلدی جلدی
محل میں یار کی جا پہونچی ہے جب جہاں تھی وہ خواص اور باندیاں سب
انہوں نے دیکھ کر اس بن کی صورت حسد سے ہوگئیں دم ساز حسرت
اتاریں کر بہت تعظیم و تکریم لگین کرنے اوسے آداب وتسلیم
نہ اوس سے کچھ کیں خسرو احوال یہی کہتی رہیں آتا ہے فی الحال
لگے پھر پوچھنے اوسکی حقیقت کہ تو ہے کون کہہ ہم سے چہامت
کہاں سے آئی اور کیا نام ہے تیرا کہاں جاتی ہے کیا ہے کام تیرا
نہ کی شیریں نے ان سے بات ظاہر یہی بولی کہ یہی کہنے سے باہر
میرا معلوم ہوگا ماجرا تب تمارا بادشہ آویگا یہاں جب
ڈراتی روز و شب اون کو رہے اوہ نہ اپنی بھید سے واقف کئے اوہ
سدا رہتی ھتی اون کے ساتھ دلتنگ رہی گل جس طرح مل خار کسی سنگ
کہے دل میں کہ محنت سہکی آئی ولیکن یار کو اپنی نہ پائی
میں جس کے واسطے چھوڑی تھی گھر بار نہیں ہے گھر میں اپنی آہ وہ یار
وہاں لاچار ہورہ نے لگی وہ جدائی کا الم سہنے لگی وہ
اداسی ہوکر یکسر سل میں وہ ماہ رہی ہے منتظر ہو چشم براہ

(ص ۲۷ تا ۲۳)

شیریں بڑے بے باکانہ انداز میں گھربار چھوڑ کر خسرو کے محل میں پہنچتی ہے۔ شیریں متوسط خاندان کی لڑکی ہے چونکہ اگر وہ شہزادی ہوتی تو اپنی شخصیت پر تکلف اور تصنع کا پردہ ڈال رکھتی لیکن وہ عام عورت ہے بے باک ہے آزاد پسند اور آزاد خیال بھی ہے۔ اس کے برعکس سحر البیان کی نجم النساء شہزادی بدر منیر کے عاشق بے نظیر کی تلاش میں نکل پڑتی ہے۔ شیریں اپنے عاشق سے ملنے کے لئے بذات خود جدو جہد کرتی ہے لیکن اس کے اندر شرم وحیا کا عنصر موجود ہے اپنے آپ کو پاک دامن رکھنا جانتی ہے۔ خسرو پرویز رات کی تنہائی میں وصل پر اصرار کرتا ہے لیکن شیریں صاف انکار کا اظہار کرتی ہے۔ شیریں کے کردار میں اخلاق کے اعلیٰ اقدار موجود ہیں لیکن اپنے محبوب کی طرف سے بے وفائی وجدائی ملتی ہے۔ پھر بھی وہ اپنے آپ کو مضبوط رکھتی ہے۔ آنسو بھی بہاتی ہے اسی کے انتظار

میں اپنی ساری عمر کاٹنے کو ترجیح دیتی ہے۔ شیریں کی ہجرت میں کیفیت ان اشعار دیکھئے۔

کہ جب خسرو گیا شیریں کہیں چھوڑ　　طرف قصر کے اسے اپنا منہ موڑ
جدائی سے ہوئی شیریں جو بیتاب　　تڑپنے لگی جوں ماہی بے آب
الم سے مارتی بے تاب ہوکر　　زمین پر ہات اور دیوار پر سر
اداسی ہوکہ دل سے کھینچتی آہ　　فلک پر دیکھہ کہتی ہائے اللہ
کبھو بجلی سی ہوجاتی تھی بے کل　　کبھو روتی تھی ڈہل ڈہل مثل بادل
کبھی کہاتی تھی غوطے بحرِغم میں　　کبھی مچاتی سیلاب الم میں
نپٹ حیرت سے مونہہ ہر یک کا تکتی　　عجب دیوانی بہلی بات بکتی
نہ خان کی سدر ہی اس کو نہ تن کی　　رہے آنکھوں میں صورت من لگن کی
نہ کھانے کا نہ پانی کارہاد ھیان　　لگے کرنے کو غش کہا کہا کے ہر آن
ہوئے سنبل شب ماتم سے ہمدم　　مثال بیدمجنوں قد نہو غم
کئے اپنا گریبان چاک جوں گل　　مچائے شوروغوغا مثل بلبل
بہاتی مورسا ہو داغ۔۔۔۔　　اوٹھائی تھی فغان کویل ساکوکو
کبھی مانند پروانہ ہے شیدا　　کبھی جوں شمع چلتی تھی سراپا
کبھی کہتی تھی مجھے ہے عجب دکہہ　　میں اس دکھ میں مرونگی آہ
کبھی کہتی تھی مجھے ہے عجب داغ　　ہے مثل لالہ دلیر میرے سوداغ
اگر ہوتی نہ میں دنیا میں پیدا　　تو اب کا ہے کوہستی یہہ بکھیڑا
جو می ں کم عمر میں دیکھی مصیبت　　کبھو دشمن کی بھی ہو نہ قسمت
نہ بولی ہوتی میں جاکے گربات　　تو وہ رہتا تیرے ہے پاس دن رات
میں اپنے ہاتھ سے کھوئی اسے آہ　　کرو تدبیر کیا اللہ اللہ
کڑاڑی پاؤں پر اپنے میں ماری　　کئی اپنی میں اپنی ہات خواری
(ص ۱۲۱ تا ۱۲۲)

ہجر کی کیفیت میں ایک غزل ملاحظہ ہو،

گیا ہے چھوڑ تنہا یار مجھ کو
کیا ہے ہجر سے بیمار مجھ کو
میں اپنی زندگی دے دھوئی ہوں ہاتھ
یہہ مونہہ دھونا نہیں درکار مجھ کو
عوض ہانی کی غم کھاتی ہو ہر دم
ہے پانی گربڈ سرشار مجھ کو
مجھے کیا باغ کے ہے سیر کام
دل پر داغ ہے گلزار مجھ کو
جوانی کا گیا اس روز ہے لطف
جدا جس دن کیا دلدار مجھ کو
جو کچھ کے ہو سو ہواب حال یہ ہے
کہو دیوانی یا ہوشیار مجھ کو
زیاد درد کے نامیؔ نگہہ بات
کیا تیرے سخن نے زرا مجھ کو

(ص ۱۲۵)

شیریں اک کوہ کے دامن میں اپنا بسیرا کرتی ہے اور شاہ پور کی مدد سے دودھ کی نہر بنواتی ہے۔ اسی وقت فرہاد سے ملاقات ہوتی ہے۔ فرہاد اس پر فریفتہ ہو جاتا ہے۔ جب یہ اپنے عشق کا اظہار کرتا ہے تو شیریں اس کی آنکھوں میں محبت کی چنگاری دیکھ کر چونک جاتی ہے اور فرہاد کی نظروں سے اوجھل ہو جانے میں اپنی عافیت خیر جانتی ہے۔ اگر چاہتی تو خسرو کی جدائی کا غم بھولانے فرہاد سے عشق کرتی لیکن شیریں وفا کی دیوی بنی۔ خسرو پرویز کا انتظار کرتی ہے۔ شیریں کے کردار کا ایک اور پہلو بھی ہے۔ وہ خسرو کے عشق میں بے تاب اور اس کے ہجر میں بے قرار ہونے کے باوجود وفاداری کا پیکر ہے چنانچہ فرہاد اپنے عشق کا اظہار کرتا ہے تو وہ اپنے آپ کو ضبط میں رکھتی ہے۔ دوسری طرف اس کردار کا یہ پہلو بھی ابھرتا ہے کہ فرہاد کی موت پر آنسو بھی بہاتی ہے۔ اشعار دیکھئے۔

دیا ہے جان جب جانا کو فرہاد　　　ہوئی بیتاب سیریں سن یہ روداد

بہت لوگوں کو لے ہمراہ آئی   وہاں آ کر کے لاش اس کی اٹھائی
بہا کر اس کے غم سے اشک گل کوں   کئے اس کی بڑی عزت سے مدفون
بیان کر خوبیاں عاشق کی ایک بار   کہی بے شک تھا یہ یاروفادار
لگنی کہنے کو رورو کر اسے یاد   مواميرے لئے ائے میرے فرہاد
بجالایا تو شرط اشنائی   نہ دیکھا مجھ سے غیر از بے وفائی
بنائی گنمبد اس کی قبر پر   مکان اس کے بنائی گرد بہتر
گئی جاقصر میں پھر اپنے منزل   رہی اس خون ناحق سے ہو بیدل
(ص ۱۷۱ تا ۱۷۲)

شیریں کے کردار میں عصمت وعفت کا لحاظ بھی ہے اور اس کے اندر انسانیت بھی بھری ہوئی ہے۔ شیریں سے خسرو پرویز اپنی بے وفائی پر پشیماں ہوتا ہے تو اس کی بے وفائی اور بے مروتی کا گلا کرتی ہے لیکن اس کے دل میں خسرو کے لئے محبت برقرار ہے۔ ظاہری طور پر خسرو سے نکارتی ہے۔ شاہ پور اس کو منانے آتا ہے تو اس سے بھی خسرو کی بے وفائی کا بیان کرتی ہے۔ اشعار دیکھئے۔

دیا شاپور جا شیریں کو پیغام   کہ بیکل شاہ ہے تجھ بن صبح و شام
بلا بھیجا ہے اب تجھ کو تیرا یار   شتابی چل نہ کر ہرگز تو تکرار
خوش کر ہا اسے مل مل کے اب تو   نہ غم کے ہاتھ سے آہ غنچہ لب تو
گئے کٹ ہجر کے سارے۔۔۔۔۔   اب آئے وصل کے دن دیکھ سکھ چین
کہی شیریں نہ یک شاپور بیجا   تو ایسے باتوں سے مت مجھ جو پھسلا
تیرے باعث سے یہ بیتا مجھ پر   بڑھا تھا کیا نہیں معلوم منتر
تو مجھ کو چھیڑا یا خانما سے   مجھے کھو یا تو اب چھتا ہے جاں سے
نہ پیچھے پڑ میرے جوں ہاتھ دھوتو   تو عاقل ہو کے پھر احمق ہوا تو
بغل میں رکھہ میرے دشمن کو دن رات   بلایا ہے مجھے کسی ہے یہ بات
اگر ہوتی میرے سے اس کو الفت   تو مریم سے نہ کرتا جا کی نسبت
میرے سے عشق اور اس سے کیا بیاہ   یہی ہے دوستی سبحان اللہ

ہوا مجھ سے جدا ہواس کو یک سال | نہیں اس بیچ میں پوچھا میرا حال
نجانو میں کدہر سے چاند نکلا | کہ خسرو آج مجھ کو جوبلایا
جسے سمجھی میں اپنا یارجانی | ہوئے آخیر اسی سے سرگرانی
محبت اس کی میں خوب آزمائی | سراسر بیدناخسرو کو پانی
کہہ اس سے تو اب مریم سے دلشاد | نہیں لازم ہے کرنا اب مجھے بات
نہ میں اس قصر سے نکلوں گی یک دن | اگر زنداں ہی بھایا ہے گلستان
یہاں کاٹونگی اپنی عمر ساری | بڑی مغموم ہے دکھیاری بچاری
اسے کہہ مجھ سے کچھ امید رکھہ مت | مثل مشہور ہے رکھہ بت رکھا بت
یہہ سب شاپور جب اس سے سنا ہے | کہا اے ماہ گلا تیرا بجا ہے
جو ہے تیرا سخن سو برمحل ہے | تیرا ہر حرف دستورالعمل ہے
دعا شیریں کتیں اس وقت دیگر | گیا پیغام خسرو پاس لیکر
غرض ہر روز و شب آنا وجانا | رہا شاپور شیریں کو منانا

(ص۱۳۸تا۱۴۰)

آخر کار شاہ پور کی دوستی کا پاس رکھتے ہوئے خسرو سے تمام تر ناراضگی چھوڑ کر خسرو سے شادی کے لئے تیار ہوجاتی ہے۔ دونوں کی شادی ہوجاتی ہے اور ہنسی خوشی سے رہنے لگتے ہیں۔ قصہ کی آخر میں شیریں کا چونکادینے والا روپ نظر آتا ہے جہاں شیریں خسرو پرویز کے نام اپنی زندگی گزارنے کو ترجیح دیتی ہے تو وہیں خسرو پرویز کی موت پر اپنی زندگی قربان کردینا چاہتی ہے۔ شیریں اپنے شوہر کی موت پر ماتم کرتی ہے اور خودکشی کرنے کے لئے برچھی لئے خسرو پرویز کے تابوت کے ساتھ کھڑی ہے اشعار دیکھئے۔

غرض تابوت وہ گر صحن میں لائے | اور ان کی قوم کے اشراف ائے
جو کچھ پڑھنا میت پر پڑے سب | موافق اپنے مذہب کی کئے
اس مجمع میں شیریں بھی کھڑی تھی | چھپایا تیشہ کو پاس اپنے رکھی تھی
ہوئی جب اس مکان سے بھیڑ کچھ کم | کھڑی شیریں جو تھی چپ ہو کے پرغم
بہانے سے کئے ان کو بھی باہر | لگی بیکلی کرنے کو ظاہر

ہوئی غیروں سے وہ خالی جگہ جب　　شتاپے مونڈ کر کر جس کا درتب
لگی روروکے کہنے اے پیارے　　مجھے بیکس تو کر کدھر گیارے
گیا اس جگہ تو اس جہاں سے　　کہ نین امید آنے کی جہاں سے
یہ کہہ اس کو لگا تھا زخم جسے جا　　لے تیشہ ہاتھ میں کر آہ برپا
اسی جگہ پرہ اپنی تین لئے مار　　بہائی خون وہ یار وفادار
بھری لہو میں سب اس کا جنازہ　　کئے پھر یار کا وہ زخم تازہ
گلے میں ہاتھ اپنے یار کے ڈال　　ملاسینے سینہ گال سے گال
دئے فی الفور اپنا جان شیریں　　ہوئی ہے یار پر قربان شیریں
(ص۱۶۹تا۱۷۰)

فرہاد

اس مثنوی میں ایک ضمنی قصہ فرہاد کا ہے جو عاشق کا ایک ضمنی کردار بن کر ابھرتا ہے۔فرہاد ایک سنگ تراش ہے اور شاہ پور کا دوست ہے۔شاہ پور ہی اس کو شرین کے پاس لے آتا ہے۔شیرین کے حکم پر دودھ کی نہر ایک ماہ میں بناتا ہے۔

قضارا ایک دن بیٹھا تھا شاپور　　لگی کہنے کو اس سے یوں ہی وہ جور
کر میرے جانور اب دور ہیں سب　　مجھے تکلیف ہوتے ہنگی جب تب
پہنچ سکتا نہیں ہے وقت پر سبر　　اسی تجویز میں رہتی ہوں دیگر
ارادا ہنگی اب نہر یک بناؤں　　میں اس میں دود کی ندی بہاؤں
کہ ہوئے اس سے پھر مجھ کو آرام　　رہے اور تاقیامت یہ میرا نام
اگر کرتا ہے تو اب دستیاری　　تو ہوتا ہے میرا یہ فیض جاری
کہا شاپور نے ہے ایک استاد　　کہ اس کو دستگاری بہت یاد
ہے اس کے پاس سنگ سخت جوں موم　　اسے دیکھنے پہاڑوں سے اوٹھے بوم
کریں فخر اس پونت مانی و بہزاد　　کیا ہے نام اپنا ان نے فرہاد

سودا جین میں نت مل کے باہم	تھے دو شاگرد یک استاد کے ہم
ہوا میں فن نقاشی میں یکتا	ہوا وہ ۔ سنگ کچھ کاموں میں پورا
اگر پتلی بناوے بناوے سنگ کو توڑ	تو ہے آنکھہ کی پتلی کے وہ جوڑ
کہیں گر سنگ سے وہ تراشے	بتوں کے دل کی حسرت سے خراشیے
تراشے گر صنم کی شکل دل کش	پڑے لات وہبل کی دل میں آتش
بناوے اشیان پھتر کو کاٹ	فجل ہوئی دیکھ کر اس کا منک پاٹ
اوس کے ہات سے ہوئے گا یہ کام	نداس سا کوئی بھی لے روم تا شام
بلالاتا ہوں اس کو حکم ہوگر	نہیں اس فن میں اس سے کوئی بہتر
کہی شیریں شتابی لا نہ کر بیر	نہیں بہتر ہے کارخیر میں دیر
گیا فرہاد کے لانے کوشاپور	تلاش اس کی کیا نزدیک اور دور
کیا ہے ڈھونڈ کر جب اس کو پیدا	کیا فرہاد سے تب یو ہو پڑا
کہ شریں کا ارادہ ہے کا ای یار	کر اسے نہریک بہتر کی تیار
اگر تو اب کریگا یہ کام	کرے گی خوش دے تجھ کو خوب انعام

(ص ۱۴۱ تا ۲۱)

فرہاد عشقیہ مثنویوں کے روایتی کرداروں کی طرح محبوب کو دیکھے بنا ہی شیریں کی آواز سن کر اس کا عاشق ہوجاتا ہے۔ اشعار دیکھئے۔

ہوا فرہاد راضی اس طمع پر	نہیں سمجھا بلا آتی ہے سر پر
ایسے ہمراہ شیریں باس لایا	بہت سے آس دے باہر بٹھایا
وہاں بیٹھا رہا یہ دیکھتا راہ	کہ اب اوے گی باہر جلد وہ ماہ
اس میں تھا کہ شریں کی سدا خوش	کہیں فرہاد باہر سے سنا خوش
سنا آنے جب آواز شکرقند	کہ وہ آواز تھی جیون شکروقند
رہا بیتاب ہو فرہاد لاچار	ہوئے ہے زندگی تلخ اس کو یکبار
لگا ہے مارنے خون جگر جوش	گرا ہے خاک پر ہو دنگ و بہوش

شرین آکے فرہاد سے اپنا مطلب بیان کرتی ہے اور فرہاد شریں کے حسن سے اس کا عاشق ہوجاتا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہو۔

تیرے سے ہو ویگا یہ کام میرا — سنی ہوں میں نہر میں نام تیرا
بنادے گا گر تو نہر مجھ کو — بہت سا خوش کرونگی پھر تجھ کو
سنا جب روبرو تقریر شریں — دوچندان ہوگیا فرہاد غمگیں
ہوا تھا مبتلا آواز سن کر — جو دیکھا حسن کہو یا عقل یکسر
کیا تھا اس قدر خود کو فراموش — رہا نین تھا جواب اس کی کا کچھ ہوش
جب اس کے موہنہ کے تیں حیرت سے تکتا — نہ کہہ سکتا تھا کچھ گویا تھا سکتا
نہ تن کی ہوش تھی نہ دیہان سر کا — ہٹک کر رہ گیا اگے نہ سر کا
ہوا تھا اس کا دل ازبسکہ بے چین — اشارے سے کیا براس و یقین
غرض رخصت ہوشریں سے فرہاد — گیا اس نہر کے کرنے کو بنیاد
چلا کہتا ہوا فرہاد مسکین — وہاں سے ہائے شرین ہائے شرین

(ص ۱۴۳)

نہر کے تیار ہوجانے کے بعد شیریں اس کو جواہرات انعام میں دیتی ہے تو فرہاد ان جواہرات کو شیرین کے قدموں پر ڈال کر اپنے عشق کا اظہار کرتا ہے لیکن شیرین فرہاد کی آنکھوں میں آتش عشق دیکھ کر وہاں سے بھاگ جاتی ہے۔ اشعار ملاحظہ ہو۔

جواہر بات سے فرہاد لے کر — تصدق اس کے کر ڈالا قدم پر
کہا لے کر جواہر کیا کروں میں — تیرے دیدار کا محتاج ہوں میں
نہیں درکار مجھ کو لعل وگوہر — ہے بہتر تجھ سے جگ میں کون جوہر
کیا ہمراہ کی شعلہ کیتین تیز — لگا رونے کو ہوا آنکھوں سے گلریز
ہوائی میں ہوا کے دیکھ زورا — اٹھایا شور دل نے مثل شورا
جو دیکھی آتش عشق اس کو لاگی — مثال برق شیرین وہاں سے بھاگی

(ص ۱۴۷)

شیرین کے صاف انکار کی وجہ سے عشق میں بے تاب ہو کر صحرا میں در بدر پھرنے لگتا ہے۔ داستانوں کے ہیرو کی طرح طاقتور بہادر نہیں ہے۔ نہ ہی محبوب کو منانے کی کوشش کرتا ہے اور نہ ہی دوبارہ ملنے آتا ہے۔ پتھر کا جگر کاٹ کر راستہ بنا سکتا ہے لیکن اپنے محبوب کے جگر میں محبت پیدا نہیں کر سکتا ہے۔ عاشق صادق کی حیثیت سے اس کی حالت دیدنی ہے۔ مجنون کی حالت میں دیوانہ وار پھرتا ہے۔ شیرین کے فراق میں اپنے آپ کو سنبھال نہیں پاتا۔ دنیا سے غافل ہو کر اپنے محبوب کے فرد درد فراق میں در در کی خاک اڑاتا پھرتا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہو جس سے فرہاد کے عشق میں کیفیت پر روشنی پڑتی ہے۔

ہوا جب عشق سے بیتاب فرہاد ۔۔۔ چلا کرتا ہوا صحرا میں فرہاد
کبھو پھرتا چپ جنگل بھٹکتا ۔۔۔ کبھو پتھر سے جا سر کو پٹکتا
گریبان چاکہ پر خون استین سب ۔۔۔ بدن تھا گرد سے مثل زمین سب
دو آنکھوں سے تھے دو سیلاب جاری ۔۔۔ یہی زاری یہی تھی بیقراری
صبا داکش ہو من بے یار مجور ۔۔۔ غریب و بیکس و غمخوار و رنجور
ہوا تھا زندگی اپنی ما بیزار ۔۔۔ بھکتا خارا ہو خارا میں ہو خار
نکالا دل جگر سے شعلہ آہ ۔۔۔ اوٹھایا شور و افغان جان جان کا
وہ صورت یاد کرکے تلملاتا ۔۔۔ کبھو کریاد کا کل پیچ کہاتا

(ص ۱۴۸)

شیریں کے عشق میں بے تاب فرہاد کے حال سے خسرو پرویز واقف ہوتا ہے تو فرہاد کو دربار میں حاضر کرنے کا حکم دیتا ہے۔ فرہاد دربار میں حاضر ہو کر خسرو پرویز سے اپنے عشق کا بڑے بے باکانہ انداز میں اظہار کرتا ہے لیکن اس کی چال کو سمجھ نہیں پاتا۔ خسرو پرویز اپنے غلام کے ذریعہ شیرین کی موت کا پیغام فرہاد تک پہنچاتا ہے۔ شیرین کی موت کا المیہ سن کر اسی غم میں مر جاتا ہے۔

مہین بانو

قصہ میں مہین بانو کا کردار ضمنی ہے۔ یہ ایک شہزادی ہے۔ اس کی حکومت ایران تا ارمن تک ہے۔ مہین بانو کی سہیلی شیرین ہے۔ اس مثنوی میں شاعر نے مہین بانو کے تعارف کے ذریعہ شیرین کا سراپا بیان کیا ہے لیکن مہین

بانو کا نہ ہی سراپا بیان کیا ہے اور نہ ہی یہ کسی سے عشق کرتی ہے۔ اس کردار کا اہم پہلو یہ ہے کہ اس کی تمام تر ہمدردیاں شیرین کے لئے ہے۔ جب شیرین عاشق کی تلاش میں مدابن کی طرف نکل پڑتی ہے تو راستہ میں گھوڑا شبدیز تیزی میں کسی اور راہ بھٹک جاتا ہے تو شیرین کے لاپتہ ہوجانے پر اس کے ہجر میں مہین بانو بے قرار ہوجاتی ہے اور اپنے دردوغم کو اس طرح بیان کریت ہے اشعار ملاحظہ ہو۔

مہین بانو سے رو روکر کہی جا   کو ترے جان پر یہ حال گزرہ
بہت ڈھنڈی نہیں پائی اسے ہم   کدھر جاتی رہے واللہ علم
کئے ان سے جو یہ غم کا سخن گوش   گریبان پھار کر ہوگئی ہے خاموش
چلانے کو لگی ہے کھول کر بال   بیان کرکرکے رونے اس کا احوال
گئی تنہا مجھے تو چھوڑ اے ماہ   اندھی رہی من الم کے آہ صداہ

(ص۹۰)

مہین بانو سہیلی کی جدائی برداشت نہیں کر پاتی ہے اس کو ڈھنڈلانے کے لئے مہین بانو خسرو پرویز کے پاس خود پہنچتی ہے۔ یہ شہزادی کی نہ کسی غلام کو حکوم کرتی ہے اور نہ ہی کسی وزیر کو خسرو پرویز کے پاس روانہ کرتی ہے۔ خود خسرو پرویز کے محل میں آ کر سہیلی کی جدائی کا غز بیان کرتی ہے۔ خسرو پرویز اس کو دلاسا دیتا ہے اور شیرین کی تلاش میں شاہ پور کو روانہ کرتا ہے۔ اشعار دیکھئے۔

یوں ہی بیٹھا تک یک دن بادپچا   مہین بانو ہوئی آرونق افزانہ
بٹھایا خسرو اپنے پاس اس کو   امیران اگے بیٹھی گرد ہر سو
لگا ہونے کو دور پیالہ   بیان شیریں کا خسرو نے نکالہ
کہا شیریں کو اس صحرا کے اندر   جو گھوڑا لے گیا تھا سرکشی کر
مجھے کچھ اس کا اب پتہ لگا ہے   بھتجیا کا تیر سے جاجس جگا ہے
خدا چاہا تو میں دھنڈوا کے اس کو   ملاتا ہوں تیرے سے جلد بانو
میرا شاہ پور ہے دستوردان   اسے کرتا ہوں اب جلدی رواں
مہین بانو سنی جب اس سے یہ بات   نہ سوجھا ہے خوشی سے اس کو دن رات
تصدوق اس کی ہوئی تھی خوشی سے   عجب ہنس ہنس کے روتی تھی خوشی سے

کبھی تھی میں تو نا امید و بیدار کیا تو وصل کی مژدہ سے بیدار
نہ اس غم سے تھا میرے جان میں جان تو جان بخشا مجھے میں تیرے قربان
سنایا جس طرح اب مجھ کو یہ بات صلا دے جلد اس کو لا میرے سات
(ص۸۵تا۸۲)

شاہ پور، شیریں کو بڑی مشقت سے ڈھونڈتا ہے اور اپنے ہمراہ لے آتا ہے۔ جب شیریں محل میں داخل ہوتی ہے تو اس کے استقبال کے لئے سب کھڑے ہیں اور مہین بانو شیریں کو گلے لگاتی ہے اس پر سے صدقات اتارتی ہے اشعار ملاحظہ ہو۔

مہین بانو نے آ جلدی بلالی بہت سارو کے چھاتی سے لگالی
جب اپنے گم ہوئی کو انے پائی بجا شکر الٰہی خوب لائی
بہت اس کے اوپر صدقے اوتاری بہت سا سیم وزر اس پر سے واری
کہی باشان جشن خسروانا کئی سود ہوم سے اس کا جتانا
(ص۷۲)

مہین بانو مہمان نوازی کا سلیقہ بھی رکھتی ہے۔ جب خسرو پرویز شیریں کی تلاش میں ارمن طرف نکلتا ہے تو یہ خبر مہین بانو کو ملتی ہے مہین بانو اس کا استقبال کرتی ہے اس کی ضیافت کا سامان تیار کرتی ہے۔ اشعار دیکھئے۔

مہین بانو سنی آیا جو خسرو سنواری شہر اپنا ازسرنو
کئے جا اب استقبال پرویز وہ سب لشکر سے اپنے ہو چلو زیر
بہت تعظیم سے اس کو لے آئی گھر اپنے لاکے مسند پر بٹھائی
ضیافت کا کئے سامان تیار جواہر اور خلعت دی۔۔۔۔۔
تکلف سے کی ہے مہمانی طعام خوش شراب ارغوانی
مہیا کئے تمامی بزم عشرت خوشی من اس کی کئے سب صرف ہمت
جو کچھ تھا جشن کا درکار سامان کئے حاضر وہاں لاکر اسے آن
کہی یک غرض میرے ہو پذیرا کو تک بروع طرف ہو رونق افزا
(ص۷۵)

بہرام

بہرام چوبن بادشاہ ہرمز کے لشکر کا سردار ہے۔ اس کردار میں احساس وفاداری کا عنصر موجود نہیں ہے۔ اس کے اندر حسد کا جذبہ بھرا ہوا ہے۔ ہرمز کی حکومت و دولت کو چھین لینا چاہتا ہے۔ مثنوی سے اس کردار کا تعارف ملاحظہ ہو۔

کیا ہے جیون بیان راوی روایت ‏ ‏ ‏ کو ہرمز جب ہوا تھا زیب دولت
سب آمدا کیتص عاجز کیا تھا ‏ ‏ ‏ مگر بہرام چوبن یک رہا تھا
لگا تھا اس کی بھی کرنے کو تدبیر ‏ ‏ ‏ نچلنی دی یہ وہ تدبیر تقدیر
یہ تھا ہرمز کے سب لشکر کا سردار ‏ ‏ ‏ تمامی فوج کا تھا اس کے مختار
پھر اپنے شبہ ۔ آخر سرکشی کر ‏ ‏ ‏ فساد سن کرنا پھرتا تھا وہ یکسر
لقب اس وجہ سے چوبن ہوا تھا ‏ ‏ ‏ کہ لینا اور دبلا چوب سا تھا
نپٹ موزی ہوا تھا فتنہ انگیز ‏ ‏ ‏ مثال ئیزہ اور بھالا تھا خوزیز

(ص ۹۴)

بادشاہ ہرمز کی موت کیبعد خسرو پرویز ریاست کا تاج دار بن جاتا ہے۔ بہرام رعایا میں یہ اسنی پھیلانا چاہتا ہے جس کے لئے خط میں لکھتا ہے۔ اشعار ملاحظہ ہو۔

ہوا پرویز جب صاحب ریاست ‏ ‏ ‏ لگا بہرام کرنے پھر شرارت
رعیت کو تمامی برغلانا ‏ ‏ ‏ کیا خطہ جابجا یونہی روانہ
کہ خسرو عشق میں شیریں کی ہے دنگ ‏ ‏ ‏ نہیں ہے سلطنت کا اس میں کچھ دھنگ
شراب و عشق من رہتا ہے مشغول ‏ ‏ ‏ گیا ہے عقل عیاشی میں سب بھول
اور اپنی کو باپ کو مارا دین زہر ‏ ‏ ‏ اجاڑا ہیگا غفلت ستی سب شہر
خزانہ مطربوں کو دے کیا صر ‏ ‏ ‏ حیا و شرم کو بھولا ہے یک حرف
نہ جنگ کو جانے اور نہ صلح کی چال ‏ ‏ ‏ نہایت احمقی کے ہیں سن وسال
مناسب ہے کہ اب کیجئے اسے بند ‏ ‏ ‏ مگر اس بند سے چندی سکی بند

اگر کرتی ہو تم میری اعانت　　تو اس کی چھین لیتا ہوں ریاست
غرض مکرون سے وہ سب کو پھرایا　　حواس کے دوست تھے دشمن کرایا
پھر سے اس سے رعیت اور سپاہی　　ہوئی بدخواہ چھوڑے خیرخواہی
(۹۴تا۹۵)

پورے شہر میں خسرو پرویز کی طنیں بدنامی پھیل جاتی ہے۔ بہرام جنگ کے لئے فوج لے آتا ہے لیکن خسرو پرویز مصلحت جان کر جنگ کرنے پر تیار نہیں ہے اس لئے ملک ارمن کی طرف چلے جاتا ہے۔

یکایک ہوگیا پھر بلوہ عام　　ادھر سے فوج لے آیا ہے بہرام
جو دیکھا ہوگیا یوں فتنہ بیدار　　شتابی ہوکے اپنے سے خبردار
نہ دیکھا مصلحت وہ شاہ دانہ　　بجز اس کے یہاں سے بھاگ جانا
منگا گھوڑے کو پہچان ہو کی ساگا　　نہ پھر دشمن کی اپنی بات لاکا
ہے منصوبہ چپ کرنا تھا دن رات　　کہا بہرام نے خسرو پہ شہ مات
ہا بہرام جب اس پر مظفر　　چلا ارمن طرف پرویز رخ کر
(ص۹۵)

مکالمے

کرداروں کی باہمی گفتگو کو مکالمہ کہتے ہیں۔ مکالموں میں الفاظ زیر بحث آتے ہیں اور طرز بیان میں بھی انہیں کی پرکھ ہوتی ہے۔ ڈراموں میں مکالمہ سب سے اہم اور ضروری ہوتا ہے۔ مکالمہ کے بغیر ڈرامہ نہ سمجھ سکتے ہیں اور نہ اسٹیج پر دکھا سکتے ہیں۔ دوسرے افسانوں کا تو کام اس کے بغیر بھی چل سکتا ہے۔ کہانی کے بیچ بیچ میں کرداروں سے گفتگو کرائی جاتی ہے اور گفتگو نہ ہو تو بھی کہانی آگے بڑھائی جا سکتی ہے۔ یہی صورتحال مثنوی نوبہار عشق میں ملتی ہے۔ مثنوی نگار نے حسب ضرورت کرداروں سے گفتگو کرتے ہوئے کہانی کو آگے بڑھایا ہے۔ بادشاہ ہرمزاپنے شہزادہ خسرو پرویز کی حفاظت کے لئے شہر میں اعلان کراتا ہے۔ اشعار دیکھئے۔

منادی شہر میں اپنی کرایا　　کہ کوئی گر کیسے ناحق ستایا
تو کولو میں پھراؤں گا اسی آن　　کٹاؤں گا زبان اور کان
اگر ثابت کسو کی ہوگی چوری　　جدا اس کی کروں گا پورے پوری

اگر ہوگی زناکاری کی تقصیر دیکھاؤں گا میں بدکاری تعزیر
ستم کوئی کرے گا اگر کسی پر لگے گا پھر تو اس کا خالص گھر
کیا ہرمز نے جب اس طرح احکام دعادے کرر ہے عالم باآرام (ص۲۸)

شہزادہ خسرو پرویز جب کسان کیا گھر خالی کر کر رات بھر جشن کرتا ہے تو اس وقت انگور کے باغ میں چوری ہوجاتی ہے جبکہ ہرمز نے شہر میں سخت سزاؤں کا اعلان کر چکا ہے۔ اس کو یہ صحرا معلوم ہوتا ہے تو شہزادہ اپنے باپ سے معافی مانگتا ہے اس وقت جو مکالمہ ادا ہوئے ہیں وہ درد سے بھرے ہوئے ہیں۔

کہا لیجا مجھے قدموں پو ڈالو غبار آیا ہے جو دل میں نکالو
گنہاہ گاروں سا اپنی باندھ کر ہاتھ لیجا قدموں ڈالو آپنے ساتھ
گراجانہی قدمو پر پدر کے کہا رو روکے ــــــ کرکے
(ص۳۱)

باپ ہرمز بیٹے کے معافی مانگنے پر کہتا ہے

پدر نے اس لو چھاتے سے لگایا بہوت رویا اس کو بھی رولایا
کہا دل سے کیا میں عفو یک سر نہ کیجو اس طرح سے بار دیگر
(ص۳۲)

شہزادہ خسرو پرویز کے خواب میں دادا کی بشارت ہوتی ہے اور اس کی زندگی کے ہونے والے چند واقعات کی پیش گوئی کرتے ہیں۔ خواب میں دادا کے جو مکالمے ادا ہوئے ہیں وہ کسی راز کی طرح اشارہ ہے اور یہی خواب تمام قصے کا نچوڑ ہے۔ اشعار ملاحظہ ہو۔

اسی شب خواب میں دادا کو دیکھا کہ اوسے اس طرح سے آکے بولا
بشارت یہ تجھے دیتا ہوں میں اب تو خوش رہ ایسے پسر ہر روز ہر شب
نہ تو سامانے سے ہے چین بابر و نہ دکھ مین مطربوں کہ ہے مسرور
نہ بدی کی علم سے بند دل ہے نہ تو گھوڑے کے غم سے پاگل ہے
بہت ہے تو سعادت مند فرزند رہے تجھ پر حد سدا فضیل خداوند
ملے گا تجھ کو حق سے تخت اور تاج کرے گا جس قدر شاہی کا تو راج

تجھے محبوب ایک شیرین ملے گی — کہ تلخی سب زمانے کی بہلی گی
سراپا حسن ہوے اور دلاآرام — کہ دیکھی تن کو راحت دل کو آرام
اور ایک گھوڑا ملے گا تجھ کو بس تیز — کہ ہوگا نام اس کا جگ میں شبدیز
نہ ہوگا ــــــ جہاں مین — نہ اس دلدار سا کوئی بتاں میں
ملے گا پادر اور ایک قوال — رہے گا اس سے تو پوستہ خوشحال
(ص۳۳تا۳۴)

مثنوی میں چھوٹے چھوٹے مکالمے بیان کئے ہیں جو قصے کے تسلسل کو برقرار رکھتی ہے۔خسرو پرویز اور اس کے دوست شاہ پور کے درمیان گفتگو ہوئی ہے۔دو شعر ملاحظہ ہو۔

بجا تسلیم لاہوکر عودب — کہا ہو حکم توک ہتا ہوں کچھ اب
کہا خسرو نے کہہ جو تو نے دیکھا — تمامی عمر میں نادر تماشہ
(ص۳۵)

شیرین خسرو کی تصویر دیکھ کر اپنے ہم جولیوں میں سے ایک کو کہتی ہے۔

کہی ان میں سے یک کو جلد جاتو — تکہ اس تصویر کو مجھ پاس لاتو (ص۴۱)

تصویر کو دیکھ کر حسرت میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ یہاں تصویر کا ہونا کیا محل رکھتا ہے۔یہ کسی دیو یا پری کا کام ہے اور تصویر کو پرزے کر دیتے ہیں۔اس سلسلے کے مکالمے ملاحظہ ہو۔

کئے تصویر کے کاغذ کو پرزے — کہی شیریں سے دیوں نے گئے لے
یہاں ہے گاگزر دیوو پری کا — وگرنہ کیا محل صورت گربی کا
ہے بہتر ہے یہاں سے بھاگ جانا — کبھو اس سمت پر ہرگز نہ آنا
(ص۴۹)

خسرو پرویز،شیریں کی تلاش میں ملک ارمن جاتا ہے تو وہ اپنے مغلانیوں سے کہتا ہے۔

کہا جاتا ہوں میں کرنے کو کل سبر — وہ ہفتہ بعد پھر آؤں گا بالخیر
گر آوے بعد میرے کوئی محبوب — تم اس کی میزبانی کیجیو خوب
ذرا دل اس کا ہرگز مت دوکھاؤ — جدا گھر گرمنگی بنوا دلا دیؤ (ص ۴۹)

خسرو پرویز جب شیرین کو چشمہ پر دیکھتا ہے تو اپنے دل ہی دل میں کہتا ہے یہ خود کلامی کا مکالمہ ملاحظہ ہو۔

کہا دل میں پری ہے یا ہے یہ حور کہ صورت مکیں ہے جس کے اس قدر نور
اگر مجھ کو ملے یہ اسپ و دلدار تو ہوں کیا خوب قسمت مرے بیدار
(ص ۷۰)

جب شیرین خسرو پرویز کی تلاش میں محل میں پہنچتی ہے تو مغلانیاں شیرین کے بارے میں پوچھ تاچھ کرتی ہیں۔

لگے پھر پوچھنے اس کی حقیقت کہ تو ہے کون کہہ ہم سے چپامت
کہاں سے آئی اور کیا نام تیرا کہاں جاتی ہے کیا ہے کام تیرا
میرا معلوم ہوگا ماجرا تب تمارا بادشا آوے گا یہاں جب
(ص ۷۲)

شیریں کی خود کلامی کا یہ شعر دیکھئے جس میں شیریں اپنے محل میں پہنچنے پر افسوس کرتی ہے۔

میں جس کے واسطے چھوڑے تھی گھر بار نہیں ہے گھر میں اپنی آہ وہ بار (ص ۷۳)

خسرو پرویز شیرین کو دوبارہ پانے کے لئے قصر کی طرف نکل پڑتا ہے جہاں شیرین کا بسیرا ہے۔ لوگوں نے خسرو پرویز کی آمد کی خبر شیرین کو دیتے ہیں تو شیرین اپنے قصر کے دواز ے کو بند اتاری جائے اور اس کی بہت تعظیم وعزت کی جائے۔ خود بالا خانہ میں بیٹھ کر یہ تماشا دیکھنے لگتی ہے۔ جب خسرو پرویز دور سے آتا دکھائی دیتا ہے تو دل ہی دل میں کہتی ہے اشعار ملاحظہ ہو۔

کہی دل سے میرا قاتل یہی ہے میرے احوال سے غافل یہی ہے
تن بے جان کا میرے جان یہی ہے ہے جان کیا چیز بلکہ ایمان یہی ہے
ستمگر سخت دل ظالم یہی ہے دیار جودکا حاکم یہی ہے
دل بیکل میرے کل یہی ہے ہریک جی بل کا بیٹک یہی ہے
میرا دل دار اور دلبر یہی ہے میری رسوائی کا محضر یہی ہے
ریا ضدوستی کا کل یہی ہے وشم بیگاں کے کل مل یہی ہے

تین کا باعث زادی یہی ہے　　　بدن کا موجب خواری یہی ہے
مجھے گھر سے نکالا سو یہی ہے　　　اب صحرا میں ڈالو سو یہی ہے
کیا مجھ کو نت پیدل یہی ہے　　　دیکھایا مجھ کو جومشکل یہی ہے
دو عالم سے میرا مطلب یہی ہے　　　میرے جواز ر وہی سبت یہی ہے

(ص۱۰۱)

کیا جو ہے وفائی سویہی ہے　　　میرے کو دل کو ستایا جو یہی ہے
دل لاچار کا چارا یہی ہے　　　چلایا مجھ کو اور مارا یہی ہے
رہا ہوکر جوبیگانہ یہی ہے　　　تشفی دل شید کا یہی ہے
سربر حسن کاخسرو یہی ہے　　　یہی ہے بدرماہ نو یہی ہے
بلا جس کے لئے میں نے سہی ہے　　　یہی ہے یہی ہے ایر یہی ہے

(ص۱۰۱تا۱۰۲)

شاہ پور پادری کے بھیس میں شیریں کی تلاش میں جاتا ہے۔ یہ سارا گذرا واقعہ خسرو سے آ کر بیان کرتا ہے یہ واقعہ فلاش بیک کے طور پر بیان ہوتا ہے۔ شاہ پور اور خسرو پرویز کے درمیان گفتگو کے یہ مکالمے ملاحظہ ہو۔

کہا دیول میں پہلے آ کے اترا　　　وہاں سے پوچھہ کے شیرین کا پتا
لگایا جھاڑ سے تصویر سہ بار　　　کیا اسماہ کو اس پر گرفتار
بلا کر پھر مجھے وہ ماہ طلعت　　　کئی دریافت سب تیرے حقیقت
تیرا احوال جب میں سب سنایا　　　طرف تیرے دل اس کو پھرایا
جب اس پر خوب تیرا عشق پایا　　　یہاں سے مکر کر اس کو بھگایا
فلانے روز وہ شبد پر چڑ　　　مدابن کا گئی ہے کرکے گڑبڑ
وہاں پہنچی ہوگئی اب تلک جا　　　رہا ہمارمن ہو بند اس جا
کہا خسرو نے سن سن آفرہاد　　　کیا انعام سے اوس کو بہت شاد
کہا چتمی پویک عورت ولی تھی　　　وہی تھی ہائے رے بیشک وہی تھی
گئی وہ پاس آ نزدیک سے دور　　　فلک نے کردیا واصل مجبور

ذرا بھی گر مجھے معلوم ہوتا	تو اس کو بات سے ہرگز نہ کھونا
کہاشاپور خوش ہوتو کہ جی دیر	من اس کو جلد لے آتا ہوں پرخسر
نہ اپنے دل میں تو کر فکر ستش پیچ	نہیں ملتا کہیں مجھے رنج گنج
درین دیر کہن رسمی است دیرمن	کہ جی تلخی بنا شہ عشق شیریں
بہرصورت اسی یہاں جاکے لاؤ	مجھے تب کل ہو جب تجھے ملاؤ

(ص ۸۲ تا ۸۳)

شیرین شہزادہ کی تلاش میں محل پہنچتی ہےتو کنزوں نے گرفتار کررکھا ہےجس کی وجہ سے یہاں نکل پڑتی ہے اورشبدیز پر بھٹک جاتی ہےتومہین بانو پریشان ہوکرخسرو پرویز سے شیرین کوڈھنڈلانے کی مدد چاہتی ہے۔خسرو پرویزاپنے وفادار دوست شاپورکوشیرین کی تلاش میں روانہ کرتا ہے۔جب شیرین شاہ پورکومل جاتی ہےتوان دونوں کے درمیان گفتگو کاایک دلکش بیان ملاحظہ ہو۔

حسد سے شاہ کی سب مل کنزان	مجھے بنوادیئے یہ رشک زندان
کہوں گی گرجو گزراہے میرے پر	تو ہرگز تجھ کو نہ آوے گا باور
کہا شاپور اے ماہ دل افروز	جدائی کی گئی وہ سب نکل روز
بلایا ہے تجھے پرویز اٹھہ چل	تیرا ہے یادہگا اس کو پل پل
مہین بانو بھی تیرے بن ہے غمگین	سدا کہتی ہے شیرین ہائے شیرین
تو دیکھی ہجر کے جتنی مصیبت	ملے گی وصل سے اتنی ہی راحت
زمانے کا بھی ہے کام دوستور	کدوال غم دکھ کہا کرتا ہے مسرور
سنی ہوگی تو مال زلیخا	کہ اس پر عشق سے بیتا ہے کیا کیا
مراد اس کو ہوئی آخر کو حاصل	ہوئی دلدارتی اپنی واصل
نہیں ایکسان کبھو بھی دور ایام	خدا دیتا ہے بعداز رنج آرام
فرض خوش ہوگی پیغام دلدار	ہوئی ارمن طرف چلنے کوتیار
زبس تھا یار کا شوق ملاقات	چلے جلدی سے جیسے وصل کی رات

(ص ۸۷ تا ۸۸)

فرہاد شیرین کے حسن سے متاثر ہوکر اس کا عاشق بن جاتا ہے۔ شیرین اس کے عشق سے انکار کر دیتی ہے تو صحرا کی خاک اڑاتا در در کی ٹھوکریں کھاتا نکل پڑتا ہے۔ جب یہ کیفیت خسرو پرویز کو معلوم ہوتی ہے تو فرہاد کو دربار میں حاضر کیا جاتا ہے۔ اس موقع پر خسرو پرویز اور فرہاد کے درمیان سوال و جواب کی صورت میں گفتگو ہوتی ہے۔ اشعار ملاحظہ ہو۔

بٹھایا روبرو اس کو بلاکر — لگا پھر پوچھنے اس سے سراسر
کہا اول کہ تو آیا کہاں سے — کہا فرہاد الفت کے جہاں سے
کہا کہ ملک الفت کا کہاں ہے — کہا اس کی نشانی لامکان ہے
چھوڑے گا کب شیرین کی الفت — کہا اویگا جب اور قیامت
کہہ شیریں کا ہیگا عشق کیا — کہا ہے جان شیرین سے ہے میٹھا
کہا کر قلبی نظر اس پر کرون تو — کہا دولت ڈبا دیونگا روزو
کہا شیریں کا اب تو ترک کر دھیان — کہا چھوڑے گا جب اس تن کہیں جان
کہا کر مریت بھرے خسرو خواب — کہا عاشق کو کب ہے صبر کی تاب
کہا ہیگا کسی کا بھی تجھے ڈر — کہا یک ہجر کا ہیگا مجھے ڈر
کہا مت لاتو اپنے سریوآفت — کہا آفت ہے مجھ کو عین راحت
کہا باز آخیال خام سے اب — کہا ہوسکے ہے یہ پختگی کب
کہا اپنا تو جب کھویا ہے کیوں جان — کہا یہ حال ہے جانا پو قربان
کہا دیتا ہوں میں تجھ کو بہت مال — اوٹھادل عشق سے شیریں کے فی الحال
کہا کیا حال تیرا کدہر وزر — نہیں کچھ تیرا تخت اواخر
سراسر خاک کوئی بار ہردم — میرے نزدیک ہے اکبر اعظم

(ص ۱۵۲ تا ۱۵۷)

منظر نگاری

عام طور پر قدرتی مناظر کی عکاسی کو منظر نگاری سے موسوم کیا جاتا ہے۔ فطرت لامحدود ہے۔ اور اس کے وسیع دامن میں کئی نقوش اور کئی رنگ رنائیاں بھری ہوئی ہیں۔ نور برساتی ہوئی سورج کی کرنیں، چاند کی چاندنی، شفق کی

دلنواز سرخی، بہتی ہوئی ندیاں، برسات کی بہاریں، سرسبز و شاداب فصلیں، پھولوں کی شگفتگی، درختوں کے گھنے گھنے سائے اور کوہساروں کا شکوہ وغیرہ ہمیشہ ہمارے ذہنوں میں حیرت اور تازگی پیدا کرتی ہیں۔ مثنوی میں حیرت کا عنصر یہ ہے کہ شاعر خارجی اثرات کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔ مثنوی میں ربط و تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے واقعہ میں لطف پیدا کرنے کے لئے ضمنی واقعات کا بھی ذکر کرتا ہے۔ لہٰذا شاعر اس خوبی سے واقعات کی کڑیاں جوڑتا ہے کہ اصل داستان مجروح ہونے نہیں پاتی۔ مثنوی میں لازمی جز منظر کشی ہے۔ اس فطری جز پر توجہ نہ دی جائے تو ساری منظوم داستان اثر پذیر نہ ہوگی۔ مولانا حالی اور علامہ شبلی نعمانی جیسے دیدہ ور نقاد نے مثنوی میں منظر نگاری بے حد ضروری قرار دیا۔ البتہ مولانا حالی نے منظر نگاری میں مشاہدہ اور تجربہ دونوں کو ضروری قرار دیا۔ ان کی مثنوی 'برکھارت' میں یہی کیفیت ملتی ہے لہٰذا دکنی مثنویوں کی بات کی جائے تو دکنی مثنویاں منظر نگاری میں بڑی حد تک حقیقت گوئی کا عمدہ نمونہ ہیں۔ دکنی شاعروں نے واقعہ نگاری کے مواقع پر مناسب لفظوں کے ذریعہ مناظر کی ہو بہو تصویریں بنائی ہیں۔ خارجی حالات کی حقیقی مصوری کے لئے قوت مشاہدہ، بیان کی فطری سادگی، واردات قلبی اور تصورات کی نقاشی میں تخیل کی کارفرمائی، نزاکتِ احساس اور عمیق نگاہ سے کام لیا ہے۔ مثنوی نگاروں نے صنائع لفظی و صنائع معنوں کے پردے میں واقعہ نگاری کا حق ادا کر دیا ہے۔ دکنی مثنویوں میں فارسی ادب اور فارسی شعراء کی موجودگی میں ہندوستانی جمالیاتی تصورات کو نہایت خوبصورتی سے برتا ہے۔ ہر حال مثنوی ''نو بہار عشق'' میں عزیز الدین نامی نے شہزادے کی پیدائش خوشیوں کا دھوم خسرو پرویز اور شیرین کی شادی کی دھوم دھام، جنگوں کا منظر، حسین باغات کا عکس کرداروں کی مرقع نگاری، محلات کی مصوری، رقص و موسیقی کا سماع وغیرہ نہایت خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔ بہر حال مثنوی میں شہزادے کی پیدائش پر گانے اور ناچنے والوں کے انداز کی بہترین مرقع کاری کی گئی ہے اشعار دیکھئے۔

لگے بجنے کودوں دووں شادیانے　　بہ جختر بھی لگے باجے باجی بجانے
سبھی اطراف کے قوال آئے　　سہانے شہانے خوب گائے
جہاں میں جس قدر اہل طرف تھے　　وہاں اس روز حاضر سب کے سب تھے
مبارکباد کا ازبسکہ غل تھا　　شگفتہ ہر کوئی مانند گل تھا
یہاں تک لولیاں دھومیں مچائی　　کہ اہل بزم کو لٹو بنائی
ارض بتلا کے لگین ہی ناچنے کو　　ہر ہکتین مسکرا کے ذہبہ ہرسو

جڑا ابرو کہ کرے جو ترچھی　　دل مشتاق کو لگتی تھی برچھی
---- جالی تھی اداسی　　کبھو خالی لپک وہ ----
جونخرے سے لاہر اگر گئی گھوم　　لئے زہرانی اس کا ہات آجھوم
ادا ونا سے آناوجانا　　غرض ہرطور سے دل کولبھانا (ص ۲۴)

ان ابیات کے پہلے شعر یں عزیزالدین نامی نے 'دوں دوں' کی آواز کا شعر باندھا ہے۔اسی طرح کی 'دوں دوں' کی آواز کا شعر 'سحرالبیان' میں میرحسن نے بھی باندھا ہے جوشہزادہ بےنظیر کی پیدائش پر جشن کے موقع پر اشعار بیان کئے گئے ہیں ملاحظہ ہو۔

کہ نوبت خوشی کی بجاویں تمام　　خبر سن کے یہ شادہوں خاص و عام
یہ مژہ جو پہنچا تو نقارچی　　لگا ہر جگہ بادل اور زری
بنا ٹھاٹھ نقار خانے کا سب　　مہیا کر اسباب عیش و طرب
غلاف ان پہ بانات پرزر کے ٹانک　　شتابی سے نقاروں کو سینک سانک
دیا زیر کو پہلے بم سے ملا　　لگی پھیلنے ہر طرف کو صدا
کہا زیر نے ہم سے بہر شگوں　　کہ دو دوں خوشی کی خبر کیوں نہ دوں
(ڈاکٹر رفیق حسین سحرالبیان تنقید وترتیب ص ۸۰)

جب شیرین سیر کو جاتی ہے اور اس باغ میں خسرو پرویز کی تصویر دیکھ کر عاشق ہوجاتی ہے اس باغ کی منظر کشی کی گئی ہے جو اس طرح ہے ملاحظہ ہو۔

زمین اس سرزمین کی ساری سرسبز　　قطہ خوبان کی سی تھی سرسبز سبز
نظر آتا تھا سب اطراف گلزار　　جدہر دیکھو ادہر پھولوں کے انبار
عجب خودرو وہاں کے سنبل و گل　　تت آب وتاب میں جیون روئی کا گل
کہیں چشمہ کہیں تھا نہر جاری　　گویا مالی تھا وہاں ابر بہاری
درختوں کی وہاں ایسی گھنی چھاؤں　　کہ باقی دھوپ کا تھا -----
وہاں کی تھی عجب آب و ہوا خوش　　ہوا سے جس کی ہر کوئی ہوا خوش
(ص ۴۵)

اس اقتباس میں باغ کے حسن کی عکاسی کی گئی ہے جس کے نظارے سے کردار کی ذہنی صراحت کا احساس ہوتا ہے۔ شاعر نے باغ میں چشمہ کی ایک تصویر کشی تو ہے مگر اس سے باغ کے نقوش صاف طور پر نمایاں نہیں ہوتے چشمہ میں شیریں کے غسل کرنے کا بیان کیا گیا ہے اشعار دیکھئے۔

نکالا مہر نے چشمہ اپنے موہنہ کو　　چھپی جابردہ ظلمات میں شب کو
ہوا روشن جہان مانند گلزار　　خزانہ دیکھا گل مہتاب یکبار
وہان آیا نظر یک چشمہ اور باغ　　برنگ گل خان شاداب بے داغ
جدھر دیکھی اودھر تھا سبزہ و آب　　زمین مانند آئینہ تھی سیراب
فضایش آنچناں وسعت عیان کرو　　کہ وقف مشروب دل سے تواں کرو
وہاں پہنچی جو شیریں ہو کے ماندے　　اتر کر جھاڑ سے گھوڑے کو باندے
کسی کو بھی وہان جب وہ نہ پائی　　نہانے دھونے کو چشمہ پو آئی
کنارے جب گئے پانی کے وہ ماہ　　ہوا ہے چشمہ خورشید چشمہ
لگی بالوں کو دھونے آب میں جب　　ہوئی ہے مونجو برسات کی شب
جو زلفیں اپنی وہ پانی میں دھوئی　　گلاب و عطر میں اس کو ڈیوئی
تھا یون نہروں میں اس کا کل کا ہر تار　　پھرے پانی میں کہریں مار جون مار
ہوئی وہ بال جب پانی سے سب نم　　ہوا وہ چشم یک سرچاہ سیماب
قدم پانی میں ڈالی جب کہ وہ حور　　ہوا ماہی سے مد تک شعلۂ نور
بدن سے اس کے پایا جان یانی　　ہوا وہ آب آب زندگانی
جو وہ سمی بدن چشمی میں اتری　　سراسر آب کی تی آبرو دی
جب اس چشمہ کے اندر اکڑی تھی　　وہ یک گویا کہ شیش میں پری تھی
پری جھک مارے یکتا کیا ہے بیجا　　یہی کہہ برج آبی میں قسم تھا
چمکتا آب میں تھا اس طرح تن　　کہ جیون فانوس میں سو شمع روشن
کیا اس آب کو یکبار جوتی　　ہوا ہر قطرہ اس پانی کا موتی
عجب کچھ سحر اس کے حسن من تھا　　لگا جو آگ سے پانی میں بہرہ کا

نہادھوکر جو نکلی انے باہر
ہوا دریا سے گویا شمس ظاہر
مگر جاتی تھی آنا ہوگا دلدار
جو یوں یکبارگی ہوگئی تھی تیار
(ص ۶۴ تا ۶۶)

اس اقتباس میں چشمہ کا قدرتی منظر اور کردار کی پیکر تراشی کا عکس بھی نظر آتا ہے۔ یہ حقیقی حسن نظروں کو دلکش دکھائی دیتا ہے۔ اس مثنوی میں محل کا بیان کرتے وئے اس کی آرائش وزیبائش کے ساز وسامان کی مختصر تفصیل یوں نظر آتی ہے۔

اتاری یک عمارت میں اسے لا
کہ جس کا چرخ سے تھا خانہ بالا
نقش اس کی سب دیدار در تھے
نگاہیں جس صفا سے دربدر تھے
خرد ہر نقش پر اس کے رہے گم
سدا پر داغ اس سے مور کے دم
عیاں تفریح جس کے بام وور سے
ہوکیوں کر کو فرحت ایسے گرسے
سراسر خوش نما جون پیت ابرو
بنائی تھی عجب کچھ اس کو ڈالو
ملے اس گھر میں جس کو ٹک ٹھکانا
پھرے کب کو بہ کو۔۔۔۔۔
لنکن وہاں خناد یلان فلوری
فلک پر جرح فانوس پروین
کہیں غالین کہیں تھا فرش مخمل
کونید آوے جسے دیکھے سے پلپل
صفائی گجکے تھی ازبس کے شفاف
نظر آتا تھا اس میں شہر سب۔۔۔
وہ نقشہ دیکھ کہتی لوگ مل مل
یہی ہے عالم بال کا منزل
بلندی ہاں تلک پایا ایوان
فلک جس کے تھایا آگے شش دان
(ص ۹۸)

محل کے بیان کے بعد باغ کا منظر اس طرح کھینچا ہے۔

سب اطراف اس محل باغ گلزار
بہتی تھی چو طرف خوشبو کی مہکار
کہیں تھا حوض و فوارہ کہیں نہر
صبا بھرتی ھتی اس پر مارتی نہر
بہت پاکیزہ تھی وہاں سے صیابان
روش ہموار جیون رخسار خوبان

غرض ہر طور تھا وہ گلشن آباد　　　کہ ہوا پر داغ جس سے باغ شداد

(ص۹۹)

شاعر نے شیریں اور خسرو کے عشق میں لطف اندوزی کی خاطر کچھ حقیقی اور کچھ فرضی واقعات کو دلچسپ پرائے میں بیان کیا ہے جس میں ہمہ اقسام کے مناظر ملتے ہیں۔ شیریں اور پرویز کے رفیقوں کا جھوم ہرن کا شکار شر سے لڑائی اور اس کے قتل کا منظر، مجلس طرب گانے بجانے کی گونج ،غرض ہر قسم کے نقوش ملتے ہیں۔ اشعار ملاحظہ ہو۔

ہو جب روز وفشاں مجلس افروز　　　ہوا روئے زمین پر روزافروز
کرے شیرین نے سب لوگوں کو تیار　　　چلے پھرشان سے لے کر کے یک بار
رفیقوں کو بھی اپنے لے کے پرویز　　　چلا ہے سیر کو ہوکر چلو۔۔۔
اسی عنوان سے بارے مچائی　　　خوشی سے۔۔۔۔ پر گھوڑے چلائی
بہت مارے ہرن اس روز شیریں　　　کیا پرویز اس شیریں پو تحسین
زبس تھا چشم میں شیریں کے جادو　　　کہ جس کے رشک سے ۔۔۔۔

(ص۱۰۵)

مجلس طرب کا بیان

کئے آراستہ مجلس طرب کی　　　خوشی کرتی تھی بیٹھی لئے کو پی پی
کوئی گانے کوئی ہنی کوئی دنگ　　　نشے میں مئے کے ان کا تھا عجب رنگ
کوئی چٹکی کوئی تالی بجاتی　　　کوئی ہستی کوئی جب مسکراتی
ایدہر پرویز خوش شرییں سے مل مل　　　سہیلی اس طرف اس میں خوش دل

(ص۱۰۴)

شیر سے لڑائی کا منظر ملاحظہ ہو

غرض بیٹھی تھی یہ فرحت میں انجان　　　کہ یک آ گیا بڑا وہان شیر اس آن
قوے ہیکل نپٹ اور آدمی خوار　　　تھا خن جس کا ہر ایک جیسے نروار
۔۔۔۔۔ بال برجی سے بھی کارے　　　تھے دانتیں تیز ہریک ۔۔۔۔

سر اس کا کوہ تھا موہنہ تھا بڑا غار   دم ۔ ۔۔۔۔۔ داغ تن ۔۔۔۔۔
چلا آیا وہ سیدھا آگے شہ کے   جو دیکھے اس کو سب کے ہوش بھاگ
نہ تھا خسرو کے پاس اس وقت ہتیار   کہا دل میں خدا ہی ہوئے اب یار
جو دیکھا شانے آتا ہے اوپر   بہت مضبوط ہوئے اور سنبل کر
لگایا دوڑ کر کہوں جو انہیں   ہوا وہ فرش مثل شیرقالین
لگا وہ مشت کنپٹی میں ایسا   کہ وہ اس جاسے ہلنے نہ پایا
پھر اس دن سے کہیں شاہ جہانگر   نہ رہتا تھا کبھو بے تیغ و شمشیر
(۱۰۲تا۱۰۷)

وجہی کی اہم مثنوی ''قطب مشتری'' ہے یہ مثنوی قطب شاہی دور کے تہذیبی، ثقافتی ،سیاسی اور تاریخی حالات کو پیش کرتی ہے۔ چنانچہ وجہی نے مجلس طرب کا بیان اور اژدھے سے لڑائی اور قتل کا منظر بیان کیا ہے جو مندرجہ بالا اقتباسات سے مشابہت رکھتا ہے''۔قطب شعری سے اشعار ملاحظہ ہو۔

شہنشاہ مجالس کئے ایک رات   وزیراں کے فرزند تھے سب سنگات
ہر ایک خوبصورت ہر یک خوش تھا   سو ہر ہر ایک دلکش ہر یک دلربا
صراحی پیالے لے ہاتاں منے   ندیماں تھے مشغول باتاں منے
لگے مطرباں گانے یو ں سازسوں   کہ دھرتی ہلی مست آواز سوں
شراب اور صراحی نقل ہورجام   ہوئے مست مجلس کے لوگاں تمام

اژدھے کوقتل کرنے کا منظر دہلانے والا ہے۔

جواٹ اژدھا شہ کے نمک چلیا   کہ محشر کے بارے تو ڈونگر ہلیا
پتا کچھ دو دھرتا اتھا ناگ بل   کہ اسمان کو مارتا پھن اچھل
جو نزدیک آیا وہ ٹک ڈاٹ کر   گئے لوگ سنگات کے ٹھاٹ کر
علی ولی تھے مددگارواں   خدا بن نہ کوئی شہ کوں تھا یارواں
جو حملہ کر آیا دوشہ کے ادھر   کھڑے رہے واں شہ فرنگ کھینچ کر
سوشہ ہاٹ کا ایک اے گھاؤ لگ   دو ٹکڑے ہوا بس تے پانولگ

جو جلاب چک و وشیا قہرتے　　　زمین سب ہری ہورہی زہرتے
فرنگ لال سب لہو میں ہوئی سربسر　　　کہ بجلی پڑی جاشفق کے بھتر (33)

دکنی ادب میں رزمیہ مثنویاں بھی لکھی گئی ہیں۔خصوصی مطالعہ کے باب میں نصرتی کی رزمیہ مثنوی،علی نامہ ایک اور مثنوی تاریخ اسکندری، حسن شوقی کی فتح نامہ نظام شاہ اور رستمی کی خاودنامہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ چند عشقیہ مثنویوں میں بھی رزمناظر ملتے ہیں۔ان میں مثنوی ''نو بہار عشق'' بھی شامل ہے۔جس میں خسرو پرویز کی روم سے وابستی پر بہرام جوبن سے جنگ ہوتی ہے۔

طبل پر جنگ کی فی الفور دے جوب　　　یکا یک آ ہوا دشمن کا سرکوب
ہوا بہرام جوں ہی جب خبردار　　　کیا لشکر کو اپنے جلد تیار
وہ د شکر ہوئی جب آ مقابل　　　لگے لڑنے بہادر خوب پل پل
سداراان روم کی مانند شیران　　　مچائے دھوم میدان میں دلیران
لگے جب مارنے تلوار دہس کر　　　نہ بالا ہوا دشمن کا لشکر
کہیں نیزہ کہیں چلتی تھی تلوار　　　قیامت کی علامت کی علامت تھی نمودار
جیسے یک ضرب ماری اگے ہو ہو　　　کٹے ہیں اس کے تن فی الفور دو د و
عجب خون خوان ظالم تھا وہ تیفا　　　اجل کی ہات کا ناخن تھا گویا
ہوئی کثرت سے اس دن تیر ماران　　　ہوا تھا چو طرف لہو کا باراں
جہاں تک صاف تھی اس دشت کی ریت　　　ہوئے ہے خون سے لالی کا سب گیت
لگے ہوئے جب آپس میں شباشب　　　لگا بہرام ڈرکرجانے جھب جھب
نقیبوں سے کہا خسرو پکارو　　　کہ مارا مار جواں مردوں نہ ہاروں
نقیبوں کا ہوا لشکر میں جب غل　　　دلیروں نے لگے لڑنے کو تل تل
جواں مرداں کئے جب مارا ماری　　　-----۔ پالہ بھگے فوج ساری
عدو بر فتح جب خسرو نے پایا　　　خوشی کئے چوطرف نوبت بجایا
کہا جب خار سے میدان جالی　　　ہوا جیوں گل شگفتہ شاہ عالی

(ص ۱۱۷ تا ۱۱۹)

تنوی نو بہار عشق میں شاہی دربار کی زیب و زینت کی چند جھلکیوں کے ساتھ ساتھ جنگ وجدل کا نقشہ بھی کھینچا ہے۔ جنگی منظر، فتح کی سرشاری اور بادشاہ کی عدل پسندی، سخاوت اور رعایا پروری کے چند نقوش دکھائی دیتے ہیں۔

مثنوی ''نو بہار عشق'' میں مصوری اور منظر نگاری کے کئی نقوش ملتے ہیں۔ کم وبیش دکنی شاعروں نے محلات کے نقشے کھینچے ہیں لیکن کوہ کو تراش کر ایک کا جاری کرنا یہ انداز مصوری سب سے الگ اور منفرد ہے فرہاد کی بنائی ہوئی نہر کی کیفیت دیکھئے۔

اہا یک ماہ جب اس میں گرفتار　　　ہوئے وہ نہر خاطر خواہ تیار
بنایا کچھ عجب وہ نہر نادر　　　کہ تعری اس کی ہے کہنے سے باہر
بنایا خوش نما حوض مدور　　　کہ تھا چاہ ذقن سے دلیر باہر
لگی وہ دیکھنے آ آ کے عالم　　　جو دیکھا سو کیا تحسین ہر دم
عجب قدر سے حق کی یہ بنا ہے　　　نہ ایسا کوئی دیکھائی سنا ہے
بہت خوش کہی صدا فرین باد　　　عجب استاد ہے تو واہ فرہاد
سج پیکر کی دل کی دل میں ہے بات　　　کہی تین یہ سخن انے کسو سات
بلا کر اس کی دلداری بہت کی　　　بہت لنگوا جواہر اس کے تئیں دی

(ص ۱۴۵ تا ۱۴۶)

مثنوی نو بہار عشق میں قدرتی مناظر کے بیان کے ساتھ ساتھ سکماں، درباری اور ثقافتی تقاریب کے مناظر کے کئی عمدہ نمونے ملتے ہیں۔ شہزادے کی پیدائش پر رقص وموسیقی کا منظر ملتا ہے۔ توخسرو اور شیرین کی شادی کے موقع پر نوبت بازی کا منظر اور بارات کے لئے گھوڑے اور ہاتھیوں کا تیار کرنا اور دلہن کی سواری کا منظر یوں پیش کیا ہے۔

رکھایا جابجا باجا وہ نوبت　　　کہا باجا کر سے نوبت پہ نوبت
کرایا چوطرف خرشی مسلسل　　　بچھایا میز اور کرسی جھلا چھل
ہزاروں اسپ اشتر اور ہاتھی　　　امیران سیکڑوں لاکھوں براتی
جواہر اور مہتابی سب غرق　　　کہ زرق و برق تھا ہر یک کا جیوں برق

مرصع کی عمارتی درعماری ۔۔۔ بہم بیٹی ہوئی حل صد ہزآری
تکلف کا عجب ماہی مراتب ۔۔۔ بڑا جن کا بہت حد سے مراتب
ہزاروں سے مہکمل اور خواصین ۔۔۔ وہ سب پہر سے ہوئے زرنین لبالین
چلیں جاتی تھی گھوڑوں ہو چڑکر ۔۔۔ فلک پر جیوںچلی جاتاروں کا لشکر
جواہر کے اور ایک خاص عماری ۔۔۔ کہ تھی مخصوص عارس کی سواری
پڑا ایک جو تیوتکا تورا اس پر ۔۔۔ جھلک جس کے تھی جیون خورشید خار
(ص ۱۱۸)

دلہن کے گھر برات کے جانے اور دلہن کی ڈولی کا بیان ملاحظہ ہو۔

عرض کرکے تجمل خسرو آنہ ۔۔۔ کیا شیریں کے لانے کو روانہ
گئے جب قصر کو اس غنچہ لب کے ۔۔۔ خوشی سے کہل گئی موہنہ کلانے سب کیک
سوار اس کو عماری پر کراکر ۔۔۔ چلی عشرت سے لے سب نے برابر
وہ ہاتھی پر عماری یوں منور ۔۔۔ فلک پر جس طرف خورشید انور
عماری بمین کئی منزل جو وہ حور ۔۔۔ وہان روشن ہوا نور اعلی نور
نثار اس پر زبس کرتی چلی زر ۔۔۔ زمین ساری ہوئی دوکان زرگر
ہوئی جب شہر میں داخل سواری ۔۔۔ ہوئی یکبار خلقت جمع ساری
ہوا عشرت کا ازبس شور اور دہوم ۔۔۔ فلک کا اس صدا سے سر گیا گھوم
لگی چاروں طرف بجنے کو نوبت ۔۔۔ ہوئی سب شہر میں گلبانگعشرت
خوشی اس دن کی کہنے سے ہے بابر ۔۔۔ سمانو روز سے دونا تھا ظاہر
(ص ۱۱۹ تا ۱۲۰)

شادی کے موقع پر موسیقی کی محفل کا سماں یوں باندھا ہے اشعار ملاحظہ ہو۔

ہوا عشرت کا آزبس شور اور دہوم ۔۔۔ فلک کا اس صدا سے سر گیا گھوم

لگی چاروں طرف بجنے کو نوبت   ہوئی سب سے شہر میں گلبانگ عشرت
(ص۱۲۰)

لگا ہونے عجب وہاں راگ ورنگ   سماں کا ہوگیا وہاں کچھ عجب رنگ
سرودوبین بجتا ہر طرف تھا   زمانے کا وہاں غم ہر طرف تھا
لگی گانے بجا اس گھڑی گیت   ہوئی شادی کی ساری جشن ریت
نئی سر سے ہوئی ازبس کے عشرت   کہ زہرہ لاگی کرنے دیکھ حسرت
ایدھر تھا پار بدلی ساز اپنا   ادھر لے چنگ بیٹھا تھا نگیا
یہ دونوں موسیقی کے فن میں طاق   نہیں دیکھے تھے ویسے چشم آفاق
اگرچہ تان جان دیتی تھے ہر آن   پہ یہہ دونوں تھے گویا تان کی جان
عجب تھا ان کا خوش الحان موزوں   کہ گرتی تھی پرندے ہوکے وفتوں
زمین راگ کو قانون سے کھود   بھایا ہے نیکتا رودسی رود
کیا ہے قاعدہ اس فن میں ایجاد   بہت تھا موسیقی میں شہر استاد
غرض اس وقت دونوں کا سما تھا   سن ان کا راگ خسرو شادمان تھا
دف خورشید پردے میں چھپا جب   لی آیا مدنی اپنا دایرے تب
کیا عشرت کی مجلس شاہ عالی   کیا بیگان گونسی بزم خالی
طرف پرویز کی تب پاریہ تھا   تھا شیریں طرف اس شب نگیا
یہ خسرو کی زبانی تھا غزل خان   وہ کہتا تھا غرض شیریں کی شایان
سکھاتی تھی یہ دونوں جس طرح سے   وہ دونوں اس طرح کہتی تھی بیٹھی
نگبسا کر سرد اپنی کو -----   کہا ہے یوں غزل پہلی ملاتار
(ص۱۲۱تا۱۲۲)

زبان واسلوب

زبان وبیان کے لحاظ سے بھی مثنوی ''نوبہارعشق'' کی حیثیت مسلم ہے۔اس مثنوی کی زبان صاف و شستہہے۔اس مثنوی کی زبان کے تعلق سے سید سجاد حسین لکھتے ہیں۔

''اس قصہ کو اردو میں ڈھالتے وقت نامی نے مثنویوں کی لفظ بہ لفظ
پیروی نہیں کی ہے بلکہ حسب ضرورت جا بجا حذف و اختصار سے کام لیا ہے
نیز زور بیان کی غرض سے محض قصہ کے اہم پہلوؤں کو پیش نظر رکھا ہے۔
مثنوی کی زبان صاف، سلیس اور سادہ ہے اس میں نامی نے اپنے استاد
آگاہ کی طرح ٹھیٹھ دکنی زبان اختیار نہیں کی بلکہ اس کو نہایت ہی صاف و عام
فہم اردو میں پیش کیا ہے۔ ان کے اظہار بیان میں سادگی، صفائی اور
اصلیت پائی جاتی ہے البتہ کہیں کہیں دکھنی محاورے بھی در آئے ہیں''(34)

جمیل جالبی'' تاریخ ادب اردو'' میں مولانا باقر آگاہ کی زبان کے تعلق سے لکھتے ہیں اقتباس ملاحظہ ہو۔

'' محمد باقر آگاہ کی زبان دکنی ہوتے ہوئے بھی اردو زبان کے جدید محاورے کے رنگ میں رنگ گئی ہے اور سوائے چند مخصوص دکنی الفاظ روزمرہ کے یہ'' ریختہ'' سے مختلف نہیں ہے۔ اس دکنی اثر کا وہ یہ جواز پیش کرتے ہیں کہ جب زبان قدیم دکنی اوس سب سے کہ آگے مرقوم ہوا''۔ اس عصر میں رائج نہیں ہے او سے چھوڑ دیا اور محاورہ صاف وشستہ کو کہ قریب روزمرہ اردو کے ہے۔ اختیار کیا'(35)

عزیزالدین نامی کے کلام کے مطالعہ کے بعد جمیل جالب کی یہی بات نظر آتی ہے کہ نامی کی زبان بھی جدید محاورے کے رنگ میں رنگ گئی ہے۔ انہوں نے اپنے استاد کی طرح زبان کا استعمال کیا ہے۔ نامی نے اپنی زبان کو '' ہندی زبان'' کہا ہے جو آج اردو کے نام سے موسوم ہے۔ چنانچہ'' سبب تالیف'' میں لکھا ہے۔

ارادہ دیکھ اپنے آیا یہ خود	کہ ہندی کیجئے اس کو بہر طور (ص ۲۰)
بنانے میں لگا اس مثنوی کو	کیا ہندی میں وہ سب فارسی کو (ص ۲۲)

نامی کا تعلق ارکاٹ سے ہے۔ زوال بیجاپور اور گولکنڈہ کے بعد یہ علاقہ مغلیہ حدود میں شامل ہوگیا چنانچہ اس دور کی ادبی زبان فارسی رہی اور روزمرہ کے لئے اردو کا استعمال ہوتا رہا۔ اس دور کے ادبی ماحول کا جائزہ لیتے ہوئے طیب ظفر انصاری ظفر لکھتے ہیں۔

عہد مغلیہ کی دکنی شاعری پر غور کرنے کے بعد یہ شق بھی ابھرتی ہے
کہ اس دور میں اردو ادب و شاعری میں پہلے کی طرح سرعت و تیز رفتاری
باقی نہ رہ گئی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مغل امراء اور عوام اردو کو روزمرہ کے طور

پر ضرور استعمال کرتے تھے لیکن ان کے لئے ادبی زبان فارسی تھی اور وہ فارسی کے مقابلے میں دکنی (اردو) کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ وہ بہت زیادہ کرتے تھے تو محض تفریح طبع کی خاطر کچھ اشعار ریختہ میں یہ لیا کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی ترقی کی راہیں مسدود سی ہوگئیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور میں دکنی مزاج سے مطابقت رکھنے والی قابل قدر منثویاں وجود میں آنے سے قاصر رہیں''(36)

''نوبہار عشق'' کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں عوام کی زبان، عوام کے تلفظ ولہجہ کے ساتھ استعمال ہوئی ہے۔ اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں لفظوں کا تلفظ کیا تھا۔ روزمرہ محاورہ کی کیا صورت تھی۔ الفاظ کس طرح بولے جاتے تھے۔ ''نوبہار عشق'' کی زبان اس دور کی خالص اردو ہے۔ اس میں فارسی تراکیب بھی کم استعمال ہوتے ہیں۔ زبان صاف ورواں ہے۔ نامی کی یہ پہلی تخلیق ہے کہیں کہیں اظہار بیان کی کمزوری کے باوجود نامی نے اظہار قوت پر زور آزمایا ہے۔ نامی کا انداز بیان دیکھے جس میں تفصیل سے گریز کرتے ہوئے واقعات کی روانی سے پیوست کیا ہے۔ اشعار میں سلاست وروانی ہے۔ بعض اشعار تو موجودہ دور کی زبان سے ہم آہنگ نظر آتے ہیں۔ ایک ہی موضوع پر روانی کے ساتھ عورت کی عصمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

بڑا رہتا ہے عصمت کا خدا پاس — رکھے ہیں انبیا جس کے سیر پاس
لکھا دنیا میں ہے دامن پاس — ہو آندیشہ محشر سے نبی پاک
رخ ایمان کی عصمت ابرو ہے — سدا انسان کی حرمت آبرو ہے
خصوصاً ہے گی عصمت زیب عورات — بزرگی عورتوں کی آبرو سات
بہت ہوا تروی عزت زن — شرافت کی علامت زن
جہان میں جس کی جس کو ابرو ہے — پہاڑوں میں وہی زن سرخسرو ہے
عزیز دل ہے گوہر ابرو ہے — کہ شمشیروں کا جواہر ابرو ہے
جسے عزت ہے شرم حیا ہے — وہی ہے زیب مقبول خدا ہے۔ (ص ۹۹)

قصے میں حسب ضرورت ربط روا رکھا ہے۔ جس کی قرأت میں روانیت پائی جاتی ہے۔ جوانی، شباب پر

اشعار دیکھیے۔

عجب خوش روز ہے روز جوانی — جوانی ہے سرد زندگانی
جوانی سے ہے سارا الزت عش — جوانی سے ہے بیشک عزت عیش
جوانی سے ہو حسن و عشق مشہور — جوانی کا ہو عالم سب کو منظور
بہادر عمر دولت زندگانی — جوانی ہے جوانی ہے جوانی
جو کرنا ہے سو کر جب تک جوان ہے — کہاں یہ دل نہیں پھر اور نور کہاں ہے
جوانی چون تبسم تو لہو بہاراست — ولی بررنگ دیوئے گل سور است
گرش دریافت نے برداشت بوس — وگر غافل شدی افسوس افسوس
اگر کھودے جوانی اور دولت — تو پھر دونا ہوا سامان عشرت
شہ خسرو کو یہ سب کچھ تھا حاصل — جواں سن تھا جوان دولت جوان دل

(ص۴)

ربط اور تسلسل ہم وزن الفاظ کے ساتھ بیان کئے گئے اشعار کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو۔

گیا شکر کے گھر خسرو پھر ایک رات — رکھا تھا یاد وہ اس رات کی بات
وہی ساقی وہی سادہ وہی رنگ — وہی شکر وہی خرد وہی چنگ
وہی عاشق وہی مجلس وہی حور — وہی عشرت وہی صحت وہی سور
وہی فقرہ وہی عشوہ وہی ناز — وہی لٹکا وہی جھٹکا وہی ساز
وہی مستی وہی عالم وہی دور — وہی دہومین وہی چھلیں وہی طور
وہی باتیں وہی گھاتیں وہی سیج — وہی خلوت وہی جلوہ وہی پیچ
وہی آنا وہی جانا وہی چال — وہی ٹہکتا وہی چھنا وہی حال
وہی خرد کا ہونا عیش سے مستی — وہی شکر کا آنا شمع در دست

(ص۱۸۷)

افضل الدین اقبال لکھتے ہیں کہ

''اس مثنوی کی زبان نہایت صاف ہے کہیں کہیں دکنی محاورات کی کثرت ہے''۔

عزیزالدین نامی نے قصے میں دلچسپی برقرار رکھنے کے لئے دکنی محاورے اور روزمرہ کا اچھا استعمال کیا ہے۔ انہوں نے نظم کی شعریات کو بہت اچھی طرح بیان کیا ہے۔ چنانچہ ذیل میں مثنوی سے مثل روزمرہ، محاورے، صنائع بدائع اور تشبیہ واشتعارات کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

بڑا رکھتا ہے رتبہ جوھٹ سے۔۔۔ رنج   کہ کہتی ہیں نہیں ہے سانچ کو آنچ (ص ۲۱)

اس شعر میں سانچ کو آنچ نہیں کا محاورہ استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی کہ سچ کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا۔

عجب کعھ لعل سا بیٹا ہوا تھا

کہے تو چاند کا ٹکڑا ہوا تھا۔ (ص ۲۳)

اس شعر میں 'چاند کا ٹکڑا' کا محاورہ برتا گیا ہے

اگر تقدیر کا جوڑ نہیں ہے

تو رونہ یہ تیرا بے جا نہیں ہے (ص ۱۲۷)

اس شعر کے پہلے مصرعے میں 'تقدیر کا جوڑ' محاورہ لایا گیا ہے۔

سدا سے ایک تو تھا ہی وہ بیکل

یہ غم تازہ ہوا پھر دکھ پہ دل (۷۴)

اس شعر کے دوسرے مصرع میں ''دکھ بہ دول'' کا محاورہ استعمال کیا گیا ہے کہ پہلے سے ہی ایک غم سے پریشان ہے پھر دوسرا غم تازہ ہوا۔

کہ جب سے اٹھ گیا ہے باپ تیرا   ہوا ہے ملک سارا تین تیرا (ص ۸۹)

دوسرے مصرے میں تین تیرا کا محاورہ برتا گیا ہے یہ جملہ بکھر جانے کے معنوں میں کہا جاتا ہے۔

الم سے مارتی بے تاب ہوکر   زمین پر ہاتھ اور دیوار پر سر (ص ۱۲۱)

دوسرے مصرع میں دیوار سے سر ٹکرا جانے کا محاورہ لایا گیا ہے۔

کڑاڑی پاؤں پر اپنے میں ماری   کئے اپنے میں اپنے ہاتھ حواری (ص ۱۲۳)

پہلے مصر میں ''پیر پر کڑاڑی مارنا'' کا محاورہ استعمال ہوا ہے۔ یہ محاورہ تب بولا جاتا ہے جب خود ہی اپنے لئے نقصان پہنچا بیٹھے۔

یہ شعر دیکھئے جس میں زندگی سے ہاتھ دھونا کا محاورہ برتا گیا ہے۔

میں اپنی زندگی سے دھوئی ہوں ہاتھ　　یہ موںہہ دھونا نہیں درکار جھ کو
(۱۲۵)

ہوا فرہاد راضی اس طمع پر　　نہیں سمجھا بلا آتی ہے سر پر
(ص۱۴۲)

گزرتا عیش میں تھا ان کو دن رات　　انہیں نوروز دن تھا رات شب برات
(ص۱۳۵)

اس شعر میں نوروز دن اور رات شب برات کا محاورہ لایا گیا ہے

میسر گر نہیں حلوا شکر کا　　نہیں زہر کچھ گڑ کا ملیدا

اس شعر میں گڑ کا ملیدا کا دکنی محاورہ برتا گیا ہے

روزمرہ کی چند مثالیں دیکھئے

کہا آتی ہے میرے دل میں یہ بات　　کہ رہنا آب یہاں ہم رات کی رات (ص۲۹)

سفر کی تاب سے دل ہے کہٹ میں کہٹ　　نپٹ ماندی وہئے چلنے سے گئے ہٹ (۹۴)

نپٹ ہو مضطرب اپنے کو کھویا　　پدر کو یاد کر ہک ہک کے ویا (ص ۸۹)

اداسی ہو کے دل سے کھینچتی آہ　　فلک پر دیکھ کہتی ہائے اللہ (۱۲۱)

جہاں کی دلبری اس کی سخن سات　　بہاتا ہے دلوں کا بات کی بات (۳۸)

''مثل'' کی ایک مثال ملاحظہ ہو۔

اسے کہہ مجھ سے کچھ امید رکھ مت　　مثل مشہور ہے اکہہ بت رکہا بت (ص۱۴۰)

مثنوی نو بہار عشق میں ضائع بدائع کا بھی استعمال بڑی خوبی سے کیا ہے ان میں صنعت تجنیس بھی شامل ہے اشعار ملاحظہ ہو۔

سکون دل مجھ ہی کو آج کل دے　　بہر صورت دل بیکل کو کل دے (ص۱۱)

اس شعر میں شاعر نے قافیہ کے طور پر ایک لفظ 'کل دے' استعمال کیا ہے جس میں صرف معنی کا فرق پایا گیا ہے۔

قیامت قامت وقامت قیامت　　قیامت می کند آن قد وقامت (ص ۳)

نہیں درکار مجھ کو لعل وگوہر　　ہے بہتر مجھ سے جگ میں کون جوہر (۱۴۷)

مثنوی میں تجنس کی مزید مثالیں موجود ہیں لیکن یہاں طوالت سے گریز کیا گیا ہے۔ اسکے علاوہ عزیز الدین نامی نے صنعت تضاد سے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔

کہیں روشن کیا نار اور کہیں لور   کہیں پریاں کیا ظاہر کہیں حور (۲۰)

یہاں پہلے مصرع میں نار اور نور اور دوسرے مصرع میں پریاں اور حور ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

وہی ہے اول وآخر وہی ہے   وہی ہے باطن وظاہر وہی ہے۔ (ص ۳)

حمد کے اس شعر میں اول وآخر اور باطن وظاہر تضاد لفظوں کا استعمال کیا ہے۔ حمد سے ہی ایک اور شعر ملاحظہ ہو۔

تجھے زیبا ہے یارب بادشاہی   بنایا تو سفدی اور سیاہی (ص ۳)

یہاں دوسرے مصرع میں سفیدی اور سیاہی ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

منور ذات وعین الیقین تھی   چراغ آسمان شمع زمین تھی (ص ۵)

نعت کے س شعر کے دوسرے مصرع میں آسمان اور زمین تضاد معنی رکھتے ہیں۔

غرور وشان میں دائم میں سرمست   سمجھتی ہیں جہاں نیست کو ہیست (ص ۱۵)

ادا و ناسے آنا وجانا   غرض ہر طور سے دل کو لبھانا (ص ۲۴)

اس شعر میں شاعر نے آنا وجانا کے ا لفاظ استعمال کئے ہیں جو ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

مثنوی ''نو بہار عشق'' میں شاعر مختلف صنعتوں کا استعمال کیا ہے جہاں انہوں نے محاورے روزمرہ اور صنعت تجنیں و تضاد کا برملا استعمال کیا ہے تو صنعت تشبیہہ سے بھی فائدہ اٹھایا ہے تشبیہہ کے چند اشعار ملاحظہ ہو۔

عجب پر نور شب تھی جیو شب قدر   تصدق جس پو ہو سو لیلا اتبدر (ص ۷)

وہاں سے لے کر رخصت جبکہ آیا   بچھونا گرم تھا جیسے کا تنبا (ص ۱۰)

اس عر کے دوسرے مصرع میں بستر وگرم تنبا سے تشبیہہ دی ہے۔

برنگ رنگ روی عاشقان ہو   نکل گئی وہاں سے جیسے پھول سے بو (ص ۶۰)

اس شعر میں شاعر نے عاشق کی جدائی کو باسی پھول کی خوشبو اڑ جاتی ہے سے تشبیہہ دی ہے

روانہ روم سے خسرو کسی ہوئی فوج   جدا ماند دریا مارنا موج (ص ۱۱۷)

اس شعر میں عزیز الدین نامی خسرو کی فوج کو دریا کے موج مارنے سے تشبیہہ دی ہے۔

کبھو بجلی سے ہوجاتی تھی بے کل　　　　کبھو روتی تھی ڈہل ڈل مثل بادل (ص ۱۲۱)

اس شعر میں شاعر نے محبوب کے رونے کو بادل سے تشبیہہ دی ہے۔

سدا رہتی تھی ان کے سات دل تنگ　　　　رہے گل جس طرح مل خار کسی سنگ (ص ۳)

یہاں پہلے مصرعہ میں دل تنگ کو سنگ سے تشبیہ دی ہے

صنائع بدائع میں دو نعتیں ایسی ہیں جن کا تلفظ یکساں ہے۔یعنی تلیمح اور تلمیح، تلمیح کا تعلق صنائع لفظی سے ہے۔تلیمح کا تعلق صنائع معنوی سے ہے۔تلیمح وہ صنعت ہے جس میں دوسری زبان کے الفاظ یا فقرے شامل کئے جاتے ہیں۔

اس کی قل ہو اللہ احد جان　　　　اوسی کا وصف اللہ الصمد جان (ص ۳)

تلمیح معنوی اس صنعت کو کہتے ہیں جس میں کسی معروف قصے، واقعہ کردار یا اصطلاح کے ذریعہ کسی خاص بات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔یوسف زئی لکھتے ہیں کہ" یہ ضروری ہیکہ جسبات سے تلمیح لی جائے اس سے بہتر لوگ واقف ہوں ورنہ لطف ختم ہوجائے گا اور تشریح کی نوبت آئے گی (38)

گئی جب چور سب شب بھاگ کر دور　　　　الم نشرح ہوا خورشید کا نور (ص ۳)

پڑا جس کے ہتلی میں زیب　　　　یہ بیضا سمجھنا ہے وہ ----- (ص ۱۵)

تراشے گر صنم کی شکل دل کش　　　　پڑے لات و ہبل کی دل میں آتش (ص ۱۴۲)

دفیا حق راستی سے تیر کو پر　　　　عصا ہے طور میں حوس کا رہبر (ص ۲۱)

عزیز الدین نامی نے اپنی مثنوی "نور بہار عشق" میں صنائع بدائع کے استعمال کے ساتھ ساتھ ایسے لفظوں کا بھی استعمال کیا ہے جو آج ادبی لحاظ سے متروک ہو گئے ہیں لیکن آج بھی بولے جاتے ہیں جیسے ہو، سو، تک، کسو، کبھو، دسا وغیرہ وغیرہ۔یہ لفظات میرتقی میر کے یہاں بھی ملتے ہیں۔سید سجاد نامی کی زبان کے تعلق سے لکھتے ہیں۔

> "نامی مدراس کے ایک کامیاب کلاسیکی مثنوی نگار ہیں۔ نامی کی مثنویوں میں صنائع بدائع تشبیہ و استعاروں کی موزونیت اور روزمرہ محاوروں کا دلچسپ اور برمحل استعمال قارئین کی توجہ چاہتا ہے۔زبان و بیان

کے اعتبار سے بھی نامی کا کلام ترقی کی منزلوں سے ہمکنار ہے البتہ کہیں کہیں قدیم اور متروک الفاظ کے استعمال کی وجہ سے کلام کے حسن میں قدرے خامی نظر آتی ہے۔ تاہم نامی نے اپنی شاعری میں الفاظ و معنی کے آبدار موتی بکھیر دیئے ہیں۔ ان کے کلام پر کہیں ابتذال اور رکاکت پائی نہیں جاتی بلکہ پاکیزگی اور نفاست کی مہک شام دماغ کو تروتازہ کرتی ہے۔ نیز قارئین کو زبان و بیان کے ارتقائی منازل کا بھی کماحقہ اندازہ ہوجاتا ہے۔ غرض مجموعی طور پر نامی کی شاعری اردو کے کلاسیکی ادب میں ایک گراں قدر اضافہ سمجھی جائے گی(39)''۔

مثنوی نوبہار عشق سے دکنی لفظیات کی چند مثالیں ملاحظہ ہو۔

عجب پُر نور شب تھی جیو شب قدر ۔۔۔ تصدیق جس پو ہوسولیلا اتبدر (ص ۷)

متن میں مقامی الفاظ کا بھی استعمال کیا گیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہو۔

یہاں تک دے مجھے بھر بھر گلاچ (گلاس) ۔۔۔ کہ پی پی میں ہوجاوں آ بچی (۶۴)

بھولے سکتا نہیں ہے وقت پر سیر ۔۔۔ اسی تجویز میں رہتی ہوں دیگر (ص ۱۴۱)

اس شعر میں لفظ'' بھولے''، یعنی بھول جانے کے ہیں۔

کبھو پھر تا چپ جنگل بھٹکتا ۔۔۔ کبھو پتھر سے جا سر کو پٹکتا (ص ۱۴۸)

اس شعر کے پہلے مصرع میں لفظ چپ کا استعمال کیا گیا ہے جس کے معنیٰ'' بیکاری'' کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

جو تو فرہاد کا کاڑا ہے مذکور ۔۔۔ محبت اس کی تھی عالم میں مشہور (ص ۱۰۹)

پہلے مصرعہ میں لفظ 'کاڑا' استعمال کیا گیا ہے۔ یہ خالص دکنی لفظ ہے جس کے معنیٰ'' ذکر نکالنے'' کے ہیں۔

میرا معلوم ہوگا ماجرا تب ۔۔۔ تمارا بادشاہ آویگا یاں جب (۷۳)

دوسرے مصرع میں لفظ 'تمارا' استعمال کیا ہے جو 'تمہارا' ہے

مطول وہ میں اس موجز میں لایا ۔۔۔ عجب دریا کو زیمین اوتاریا (۲۲)

دکنی لفظ زیمین ہے جو اصل لفظ زمین ہے۔

مثنوی ''نور بہار عشق'' میں کتابت قدیم طرز روایت کی ہے۔ جیسے متن میں املا اکثر لفظوں کو ملا کر لکھا گیا ہے۔ قدیم املا کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ جسدن۔ جس دن، دلمیں = دل میں، اوسکے = اس کے، جہانکی = جہاں کی، لوگونسے۔ لوگوں سے۔ دنرات = دن رات، زمانیکا = زمانے کا، آیتو = آیا تو اونہونی = انہوں نے، فسادونمیں۔ فسادوں میں، حیرت میں = حیرت میں، یکماہ = یک ماہ وغیرہ۔ لسانی نقطہ نظر سے بھی یہ مثنوی اہم ہے۔ اس میں املا قدیم انداز نگارش کے مطابق ہے۔ لیکن املا میں دوسری زبانوں کے الفاظ اور مقامی رنگ بھی نمایاں ہے۔ جیسے فارسی لفظ 'من' = میں اور تلگو لفظ 'جاترو' یعنی 'میلا' کے ہیں۔

ہائے لٹکن اور ہائے مخلوط میں بھی فرق نہیں کیا گیا ہے۔ ہائے معروف اور ہائے مجہول میں بھی امتیاز نہیں کیا گیا ہے۔ متن میں بعض مقامات پر ہائے معکوس حرف (ٹ ڑ ڈ) پر ''ط'' کی علامت کے بجائے چار نقطے کا استعمال کیا ہے لیکن بعض الفاظ پر ''ط'' کی علامت کا بھی استعمال کیا گیا ہے۔ کہیں کہیں حرف پر باقاعدگی کے ساتھ نقطہ لگانے کا التزام نہیں کیا ہے۔ عدم نون کی صورت میں بھی نقطہ لگایا گیا ہے۔ ''ش'' کے تین نقطوں کی بجائے لٹکن کا استعمال ملتا ہے۔

اس مثنوی میں قدیم املا کا استعمال ملتا ہے جو آج بالکل ہی متروک ہوگئے ہیں۔ جیسے او = وہ، اودہر = ادھ، اونی = وہ، وس = اس، اوسکا = اس کا، اوسیکو = اسی کو وغیرہ الف پر ''مد'' کا بھی التزام نہیں رکھا گیا۔ جیسے ارزو = آرزو، اخر = آخر، کہیں کہیں ''مد'' کا استعمال ملتا ہے۔

تلفظ کے لحاظ سے لفظوں کو استعمال میں لایا گیا ہے۔ جیسے پوچتا = پوچھتا، غرز = غرض، حاظر = حاضر، طیار = تیار، وس = اوس اور مخطوطہ صفحہ نمبر (۴۶) پر لفظ رگڑتی کول سے ''لگڑتی'' لکھا گیا ہے۔ صفحہ (۱۵۷) پر لفظ 'جانا' کو 'ز' سے 'زنا' لکھا گیا ہے۔ اسی طرح 'گ' کے لئے دو مرکز کے بجائے بکثرت 'ک' ایک ہی مرکز سے لکھا گیا ہے اور بعض جگہوں پر دو مرکز بھی لگائے گئے ہیں جیسے بھکوبا = بھگویا، سنک = سنگ، نیرنک = نیرنگ، دہنک = ڈھنگ وغیرہ۔

الفاظ کی جمع بنانے کا طریقہ وہی ہے جو دکنی کا قاعدہ ہے۔ چنانچہ واحد لفظ میں الف اور لون غنہ، واؤ اور نون غنہ کا اضافہ کیا گیا ہے جیسے چیز کی جمع ''چیزاں''، سبھی کی جمع سبھوں، کام کی جمع کاموں، مادہ کی جمع مادیاں، روز کی جمع روزوں، گریز کی جمع گریزاں، بادشا کی جمع بادشاں وغیرہ اس کے علاوہ اعراب کی جہاں بھی ضرورت محسوس ہوئی وہاں پر پیش کے لئے حروف کے درمیان واؤ کا اضافہ ملتا ہے جیسے اوس = اس، اونکی = ان کی، اونہیں = انہیں، اونی = وہ وغیرہ۔

حوالے

1- علیم صبا نویدی، تاریخ ادب اردو ٹمل ناڈو، ص194

2- سخاوت مرزا مضمون ''مثنوی بلقیس وسلیمان'' مشمولہ نوائے ادب بمبئی اپریل 1950 ص ۴۰

3- افسر صدیقی، سرفراز حسین، مخطوطات انجمن ترقی اردو جلد اول ص ۲۹۴

4- نسیم الدین فریس، آٹھورویں صدی میں دکنی ادب غیر مطبوعہ مقالہ ص 51

5- افسر صدیق و سرفراز حسین، مخطوطات انجمن ترقی اردو جلد پنجم ص ۲۷۷

6- محمد یوسف کوکن عمری، عربیک اینڈ پریشن ص294، ص295

7- ایضاً ص296

8- ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور تذکرہ اردو مخطوطات جلد اول ص ۹۵

9- نصیر الدین ہاشمی، کتب خانہ سالار جنگ کی اردو قلمی کتابوں کی وضاحتی فہرست ص449

10- ڈاکٹر سید سجاد حسین، مستقیم جنگ نامی کی اردو مثنویاں مشمولہ نوائے ادب بمبئی اکتوبر 1994ء

11- عزیز الدین نامی، نو بہار عشق (مخطوطہ) نمبر ۵۱۷ ص ۱ تا ص ۴

12- ایضا ص4 تا ص6

13- ایضاً ص7 تا ص10

14- ایضاً ص10 تا ص 11

15- ایضاً ص11 تا ص12

16- ایضاً ص12

17- ایضاً ص13 تا ص15

18- ایضاً ص15 تا ص17

19- ایضاً ص17 تا ص18

20- ایضاً ص 19 تا ص22

21- عزیز الدین نامی مخطوطہ سلیمان پیغمبر

22- گیان چند جین، اردو مثنوی شمالی ہند میں جلد اول ص 1987ء ص 11

23- نصیر الدین ہاشمی، دکنی کے چند تحقیقی مضامین ص

24- سید محمد عقیل رضوی، اردو مثنوی کا ارتقاء ص ۴۷

25- عزیز الدین نامی ''نو بہار عشق'' ص 19

26- ایضاً ص ۲۰

27- ایضاً ص ۲۰ تا ۲۲

28- ایضاً

29- فقیر اللہ شاہ حیدر کی داستان تناولی کا تحقیقی، تنقید و تہذیبی مطالعہ از صالحہ بیگم جون 2001ء

30- عزیز الدین نامی نو بہار عشق ص ا

31- پروفیسر حبیب نثار، بیجاپور میں اردو ادب ص 2015 ص 69

32- ڈاکٹر فرحان فتح پوری، اردو کی بہترین مثنویاں ص 40

33- ڈاکٹر ملنسار اطہر احمد دکنی مثنویوں میں منظر نگاری 90-91

34- ڈاکٹر سید سجاد حسین، نوائے ادب بمبئی اکٹوبر 1994ء ص 19

35- ڈاکٹر جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو جلد اول صفحہ 391

36- ظفر انصاری ظفر جدید اردو مثنوی فن اور فکری العباد ص 129

37- افضل الدین اقبال، مدراس میں اردو ادب کی نشو ونما جلد اول ص 191

38- رحمت یوسف زئی، اردو شاعری میں صنائع بدائع ص ۴۲۳

39- سید سجاد حسین گنج قدرت، مضمون مشمولہ نوائے ادب بمبئی 1996ء ص ۲۹

بہارستان عشق

مثنوی کا تعارف

اردو کی طویل مثنویوں میں اور روایتی داستانوں میں جو مقبولیت اور شہرت قصۂ لیلیٰ مجنوں کو حاصل ہے شاید ہی اور کوئی داستان ہو۔ لیلیٰ مجنوں، ایک عربی اصل قصہ ہے۔ اس قصہ کو دلی لکھنو اور دکن کے کئی شاعروں نے اپنے ذوق وشوق کے مطابق نثری یا نظم کے پیرائے میں اعلیٰ درجہ کی بیانیہ شاعری کی بناء ڈالی اور اردو شاعری کے لئے ایک نیا میدان مہیا کر دیا۔ ان میں عاجز، احمد، نظامی، باقر آ گاہ، نامی وغیرہ کے نام لئے جا سکتے ہیں۔

بہارستان عشق نامی کی دوسری تصنیف ہے۔ اس سے پہلے وہ مثنوی ''نو بہار عشق'' لکھ چکے تھے۔ بہارستان عشق کا سال تصنیف ۱۲۱۳ ہجری ہے، اس میں لیلیٰ مجنوں کی عشقیہ داستان کو بڑی خوش اسلوبی سے نظم کیا ہے۔ صاحب مثنوی کا کہنا ہے کہ تنہائی کے عالم میں دل اُداس ہو گیا تھا۔ تصور میں انقلاب جہاں کی فکر ہوئی اور اپنے پیر سے خطاب کرنے لگا۔

ہو گیا ایک روز دل میرا اُداس — تھا اکیلا کوئی نہیں تھا میرے پاس
لاتعداد میں جہاں کا انقلاب — لاگا کرنے کو میرے پیر کو خطاب
کچھ نہیں دنیا کو نامی اعتبار — کاروبار اس کا ہے یہ ناپائیدار
عمر بیکاری میں جو کھوتا ہے تو — کیوں نہیں تخم سخن بوتا ہے تو
طبع موزوں تجھ کو بخشا ہے خدا — ہے جوانی اور ہے ذہن رسا
کیا خفا بیٹھا ہے ناخن ائیہہ شتاب — کر نئی تصنیف اب کوئی کتاب
مثنوی پھر یک بنائی دوستدار — نام تیراتا رہے نت برقرار

قصۂ شیریں خسرو جب کہا　　ایک عالم کے تئیں تو خوش کیا
اب حکایت لیلیٰ وہ مجنوں کی کہہ　　جان میری بات ہرگز چُپ نہ رہ
(ص۱۵تا۱۶)

یہ مثنوی خود نامی کی نظر میں کن خصوصیات کے حامل تھی اوران کا حاصد کسی شاعری کی مثنوی کو بنایا ہے۔ اس کا اندازہ ذیل کے اشعار سے کیا جاسکتا ہے۔

عشق کے اتبہ کو یہاں معراج ہے　　سارے عشاقوں کا یہ سرتاج ہے
جب سنا میں دل سے اپنے یہ سخن　　ہوکے خوش یکبار کیسے کھولا دہن
اُس کے کہنے کا ہوا از بس اثر　　ہوگیا میں مسند تصنیف پر
جامی و خسرو نظامی کی کتاب　　ہاتفی دکھنی زبان کی ہے کتاب
لیلیٰ مجنوں کا جس میں ہے بیان　　اُن سے لکھتا ہو میں یہ داستان
وہ نظامی جو ولی اللہ تھا　　مثنوی گویاں میں شہنشاہ تھا
(ص۱۶)

عزیزالدین نامی نے اس قصے کا ماخذ نظامی کی مثنوی لیلیٰ مجنوں، بہ نامی نے اس قصے کو نظم کرنے والے شاعروں کے نام بتائے ہیں جن میں جامیؔ، خسروؔ، نظامیؔ اور ہاتف ہیں۔ لہٰذا نامی نے نظامی کی کتاب کا انتخاب کیا اور نظامی کو ولی اللہ اور مثنوی نگاروں کا شہنشاہ کہا ہے۔

عزیزالدین نامی نے اپنے کلام کو روایتی انداز بیان سے مختلف بنانے کی کوشش کی ہے۔ مثنویوں میں ایک اہم خصوصیت یہ نظر آتی ہے کہ شاعر داستان کے آغاز سے پہلے عنوان سرخی کے بارے میں چند اشعار لکھتے ہیں۔ سرخی کا یہ جز فارسی مثنویوں سے مستعار لی گئی ہے۔ عزیزالدین نامی نے اس عنصر کو اپنی کلام میں برتا ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ انہوں نے پرانی ڈگر سے ہٹ کر نیا طرز اختیار کیا ہے۔ وہ خود اس کے متعلق بیان کرتے ہیں، اشعار ملاحظہ ہوں۔

خسرو شریں کو جب میں نے کہا　　ساقی...... اُس کی سرخی کو کیا
ہے بجائے سرخی سطرب نامہ یہاں　　دیکھ اس کو خلق ہونگے شادماں
طرز یہ میں نے نکالی ہے نئی　　راگ کے بھی نام ہیں اس میں کئی

ساقی نامہ جو کہے ہیں شاعراں — کہہ گئے ہیں آخر ہر داستان
بعض شاعر ابتداء میں بھی کہے — شعر کے تیئں زینت و رونق ہوئے
پر بجائے سرخی کوئی نیں کہا — درمیان اس کو کئی نے نیں لکھا
یہ سخن دل میں کیا میرے حضور — شان میں اوسطہ کے ہے خیرالا......
اس لئے میں نے کہا یہ اختیار — کیونکہ اگلا ہے نئے شئے کا وقار
ہے اب آگے حق تعالیٰ ہی سے آس — نسخہ یہ مقبول ہو عالم کے پاس

(ص۱۶ تا ۱۷)

عزیز الدین نامی نے ہر باب کے آغاز میں بطور عنوان سرخ روشنائی میں ایک شعر لکھا ہے جو مثنوی کی بحر سے جدا ہے۔ یہ عنوانی شعر موضوع کی نوعیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ عنوانی شعر لکھنے کی روایت دکنی دور میں نصرتی کی مثنوی ''علی نامہ'' اور ''گلشن عشق'' سے چلی آئی آگے چل کر گولکنڈہ کے مشہور شاعر ابن نشاطی کی پھول بن ، میں بھی یہی طریقہ کار ملتا ہے۔ اس کے علاوہ آرکاٹ کے شعراء کے یہاں بھی یہ روایت قائم رہی، فراقی ویلوری کی مثنوی ''مراۃ الحشر'' غوثی چنگل پٹی کی مثنوی ''شہادت جنگ سلطانی'' میں بھی اسی روایت اور رجحان کا اہتمام نظر آتا ہے۔

مخطوطہ کا تعارف

زیر بحث مخطوطہ کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد کا مخزونہ ہے'' جس کا اندراج نمبر ۴۸۵ ہے۔ اس کے کاتب کا پتہ نہیں چلتا۔ مخطوطہ کے سرورق پر عنوان'' لیلیٰ مجنوں قلمی'' لکھا ہوا ہے، کتاب دو مہریں ثبت ہیں۔ اسی صحہ کے دائیں جانب نیچے مخطوطہ نمبر ۴۸۵ مثنوی کا نام'' بہارستان عشق'' اور مصنف کا نام'' اعزاالدین خاں مستقیم جنگ نامحد'' لکھا ہوا ہے۔ دوسرے صفحہ پر صفحہ نمبر 1، مثنوی کا نام، نام مصنف مخطوطہ نمبر، کتب خانہ کی مہر اور عطیہ دینے والے کا نام لکھا ہوا ہے لیکن افسوس کے یہ تحریر دھندلی ہے، اس لئے پڑھنا مشکل ہے۔ صفحہ نمبر ۲ سے مخطوطہ کا آغاز ہوتا ہے۔ اس صفحہ پر جدول بنائی گئی ہے۔ ماباقی مخطوطہ سادہ ورق پر ہی لکھا گیا ہے۔ مخطوطہ کا آغاز'' وبہ نستعین'' رب یسر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' وتمم بالخیر'' کی تحریر سے ہوتا ہے۔ اس صفحہ پر حمد کے 8 آٹھ سطریں ہیں۔ صفحہ ۳ تا...... تک ۱۳ سطریں موجود ہیں۔ اس طرح مکمل مخطوطہ ۷۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ ہر صفحہ پر ترک موجود ہے۔ مخطوطہ کا خط نستعلیق ہے اور دیسی کاغذ پر لکھا گیا ہے۔ مخطوطہ کرم خوردہ ہے۔ کہیں کہیں دیمک کی وجہ سے متن کی قرأت میں دقت پیش آئی ہے۔ مخطوطہ کے صفحات پر بٹر پیپر (Better Paper) چسپاں ہے۔

مخطوطہ کا کاتب خوش خط ہے۔ تحریر کی قرأت آسان ہے۔ مخطوطہ کے ابتدائی چار صفحات آگے پیچھے ہوگئے ہیں۔ ترک کی مدد سے متن کی قرأت کی جاسکتی ہے۔ حمد کے آغاز میں عنوانی شعر نہیں ہے۔ نعت شریف کا آغاز عنوانی ایک شعر کی کہا گیا ہے جس میں مطربہ کو مخطب کیا گیا ہے۔ نعت شریف کے بعد معراج نامہ کی شروعات ہوتی ہے جس میں دو عنوانی شعر ہے اور سرخ روشنائی سے تحریر ہے۔ مخطوطہ کا آغاز حمد کے اشعار سے ہوتا ہے۔ حمد کے دو شعر ملاحظہ ہو۔

کون کرسکتا ہے حمد کردگار — عقل ہے مجنوں جہاں لیل و نہار
ہوش و فہم و وہم اور ذہن و ذکا — اس ...... میں سر بسر ہیں نارسا

(ص ۱)

حمد کے آخری اشعار ملاحظہ ہوں جس میں مصنف نے اپنا تخلص استعمال کیا ہے۔

کس کو اُس کے وصف کے مقدور ہے　　　عقل و دل بھی یہاں سبھی معذور ہے
کس طرح نامی سے ہو حمدِ خدا　　　جب نبی فرمائے لااحصی ثنا

(ص ۴)

نعت شریف سے اشعار دیکھئے۔ پہلے شعر میں مطرب سے مخاطب ہو کر شروعات کی گئی ہے۔

بول ستر سے راگ اے مطرب شتاب　　　چھیڑ آہنگ حجاز ہے رباب
نعت بھی اس سیر کی کہنا ضرور　　　......داوٴ دیں کو ہے جس سے سرور
احسن المخلوق و محبوب خدا　　　مصطفٰی ہے مصطفٰی ہے مصطفٰی

(ص ۴)

نعت شریف کے آخری دو شعر ملاحظہ ہوں

ہو ہزاروں سے درودان اور سلام　　　تجھ پہ اور تجھ آل پر ہر صبح و شام
ہے عزیز الدین نامی کمترین　　　رحم کر اے رحمتِ للعالمین

(ص ۵)

معراج نامہ کے ابتدائی دو شعر دیکھئے۔

ہے زیادہ دن سے روشن ایک　　　جس کے آگے ہے اندھیری شب
رات　　　برات
سربسر وہ شب بھری تھی نور سے　　　ہے شیاہی اُسکی چشم فور سے

(ص ۵)

معراج نامہ کے آخری ابیات میں عزیز الدین نامی نے اپنے مختصر حالات لکھے ہیں جس میں انہوں نے اپنے والدین کے لئے دعا کی ہے۔ شعر ملاحظہ ہوں۔

دین و دنیا میں کر اُن کو سرفراز　　　نام ہے تیرا کریمو کارساز
فکر کومت ان کے دل میں راہ دے　　　صحت و عزت انہیں دل خوار دے

ان کو اپنی حمایت میں مدام　　حافظ ان کا راہ الٰہی صبح شام
دشمن ان کے جو ہیں سو مشہور ہوں　　دوستان ان کے سبھی مسرور ہوں
(ص ۸)

اس کے بعد اپنے استاد باقر آ گاہ کے لئے خوشی کی دعاء کی ہے۔

خوش دو جگ میں رکھ میرے استاد کو　　نا خوشی آنے دی ان تک کبھو
گر انہیں ہیں فیض سے اپنی قرین　　رحم کر ان پر اسے رب العالمین

آگے چل کر اپنے بھائی، بہن اور ان کی اولاد کے لئے دعا مانگی ہے۔

ہیں میرے جتنے بہن اور بھائی یہاں　　روز و شب ساعت ساعت آن آن
ان کو اور اولاد کو ان کے مدام　　دو ج ہاں میں رکھ الٰہی شاد و کام
(ص ۸)

اس کے بعد اپنے بچوں اور بیوی کیلئے دعا کی ہے۔

اور میرے بھی زن و اولاد کو　　اپنے رحمت سے نہ کر محروم تو
کر انہیں دونوں جہاں میں بامراد　　دشمنوں کو اُن کے رکھ نت نامراد
(ص ۸)

اور آخری شعر میں تمام مسلمانوں کیلئے دعا کی ہے۔شعر ملاحظہ ہو۔

سب مسلمانوں کا یا رب کر بھلا　　فضل سے ان کے بھی کر حاجت روا
کام سب کے لطف سے اپنے بنا　　یہ دعا آمین ہو یا ربنا
(ص ۸)

ان اشعار کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ عزیز الدین نامی اس تصنیف کے لکھتے وقت ان پر بہن بھائی، بیوی ،اولاد اور والدین کا سایہ رہا۔

متن کے درمیان میں عزیز الدین نامی نے اپنے والدین کا احوال اور ان کی تعاریف کی ہے۔اشعار ملاحظہ ہوں۔

یہ نہ سمجھو ماں کی میں سب کی ثنا　　وصف ان کا بلکہ میں کچھ ہیں کیا
گر لکھوں وصف ان کا اور احوال خواب　　مختصر یہ ایک بڑی ہوگی کتاب

تین دختر پانچ بیٹے ان کے ہیں — بھائیوں میں اپنے سب اسطر برابر ہوں میں
گرچہ خوبی میں ہوں عاصی سب سے کم — پر زیادہ سب سے ہے ان کا کرم
ہر گھڑی ہر آن ہر لیل و نہار — ہے اس عاجز پر توجہ بے شمار
گر کبھی ہوتا ہوں میں ان سے جدا — بے قراری بیچ رہتے ہیں سدا
جب ہوا ان کی نظر سے میں نہاں — کر دیئے سب طفل آنسو کو رواں
ہوں چنانچہ ان دنوں میں ان سے دور — چرخ کے گردش سے چھوٹا وہ حضور
لوگ کہتے ہیں عجب احوال ہے — ایک دن دوری سے ان پر سال ہے
بھیجتا ہوں ان کو میں عرضی اگر — رونے لگتے ہیں اسی دہر آنکھ پر
جس قدر ہے ان کو یاد میں کمترین — کیا کہوں کہنے میں آسکتا نہیں
حق دکھاوے جلدی مجھ کو رو قدم — دور ہوتا ان کے جسے کا درد و غم
باپ کا میرے بھی ہے عالی جناب — ہیں بزرگی بیچ وہ کامل نصاب
خوش ہیں ان کے خلق سے خورد وکلاں — فیض و بخشش میں ہیں فخر خانداں
حاصد حق خلق کے محمود ہیں — بے گمان کو نیں کے مسعود ہیں
ہیگی ان میں تو خدا ترسی کمال — فعل یہ ان کے بزرگی پر ہے دال
کعبۂ دارین میں ہے اشتباہ — کیوں نہ بولوں ان کے تئیں میں قبلہ گاہ
دوست اور دشمن میں ان سے شادماں — ظاہر و باطن ہے ان کا ایک ساں
ہے بزرگی ان میں از سر تابہ پا — والد امجد کہو تو ہے بجا
ان کا بھی اولاد پر ہیگا پیار — ہر پسر پر ہے عنایت بے شمار
باپ اور ماں کو میرے جگ میں سدا — رکھ سلامت تاقیامت اے خدا
اوران کی آل اور اولاد کو — اوران کے بچے اور بنیاد کو
دوجہاں کے بیچ کر فرحت نصیب — یہ دعا مقبول ہو وے یا حبیب
مصطفیٰ کے واسطے اے ذوالجلال — انکو دو جگ میں بہومت دے ملال

(ص ۶۳)

مثنوی کا اختتام

.... اس کی اب تاریخ ہیگی داغ درد
.... اہل عشق ہے یہ بہتا ہل عشق
ہے .... جو یہ بستان عشق نام اس کے ہے بہارستان عشق
میں کیا جب سے میتوں کو شمار پایا گئے ہیں برابر دو ہزار
بھیج کر احمد یہ صلوات وسلام

....

......جناب کاتب الحروف سپد پیر
قلائی گر کمترین..........انسرام یافت تحریر بتاریخ بستم ہفتم
...........رجب ۱۲۰۰ءہجری (ص ۷۷)

اس مثنوی کے اختیام میں عزیز الدین نامی نے مثنوی کی تاریخ کا مادہ ''داغدرد''اوراس مثنوی کے اصل نام ''بہارستان عشق''اوراس مثنوی کے ابیات کی تعداددو ہزار بتائی ہے اوراخر میں اس کے کاتب''سپد پیر''بتایا ہے۔ مخطوطے کے دوآخری صفحات کریم خوردہ ہیں اس لئے ان ابیات کی صحیح قرات مشکل ہے۔

مدح

عزیز الدین نامی نے اپنی اس مثنوی''بہارستان عشق''میں نواب عمدۃ الامراء بہادر کی مدح سرائی کی ہے۔ اس مدح میں انہوں نے 72 اشعار لکھے ہیں جس کے ابتدائی اشعار میں نواب کو ملک کرناٹک کا شاہ اور خاندان انوری کا چراغ کہا ہے اشعار دیکھئے۔

عمدۃ المراء بہادر کا جناب فیض بخشی میں ہے بیشک آفتاب
ملک کرناٹک کا شاہ بے نظیر ہے امیر ابن الامیر ابن الامیر
دود مانِ انوری کا ہے چراغ اس سے تازہ خاندانِ خاں باغ
(ص ۹)

ان اشعار کے بعد عمۃ الامراء بہادر کے اوصاف بیان کئے ہیں چند اشعار ملاحظہ ہوں

نام کو اس میں نہیں ہرگز غرور　　دین والے کے تئیں یہ کیا صرور
بے تکلف ہے عجب اس کا مزاج　　شان و شوکت کی نہیں کچھ احتیاج
ہے مروت کے جہاں کا شہریار　　اس سے پائے ہے تواضع اعتبار
خندہ روی کے سوا کوئی کبھو　　اس کو دیکھا ہی نہیں کوئی ترش روح

عمدۃ الامراء بہادر کے جاہ و جلال کے بارے میں لکھتے ہیں۔

آیا گر غصے میں احیانا کہیں　　خوب جانو وہ ہے بے شفقت نہیں
اسکے غصے میں عنایت کا بھی ڈنگ　　کیا کہوں میں اس کی پھر رحمت کا رنگ
موم...... ہیں اس میں ذرا　　تب تو سرداری ایسے بخشا خدا
دشمنوں سے بھی اسے کینہ نہیں　　صاف اس کے سا کوئی سینہ ہیں
نہیں ہے اس کے تئیں کسو سے دشمنی　　دوست اس کے ہینگے درویش و غنی
سب پہ یکساں رحمت کی ہنگی نگاہ　　ذات اس کی والا اس کی ہے عالم پناہ

عزیز الدین نامی اپنے ممدوح کی علم پروری کی تعریف کرتے ہیں۔ خصوصاً فارسی شاعری کے متعلق تعریف کی ہے، اشعار ملاحظہ ہو۔

علم کا بھی اس میں خوب انداز ہے　　شعر کے فن میں بھی وہ ممتاز ہے
خوب کہتا ہے قصیدہ اور غزل　　فکر عالی اس کے نہ ہوگی بے بدل
...... کم کہتا ہے شعر فارسی　　پر ہے خوش ترکیب جیسے آ سی
جس کے سن نے سے ملے بیدل کو دل　　فارسی اپنے خرمن ہو وہی خجل
پیچ و خم میں اس کے ثابت ہو اسیر　　طالب اس کا بن غنی ہو وہی فقیر
سن کے اس کو گنگ ہو جاوے کلیم　　دیکھے گر اس کے نوشیدہ ہو سلیم
انوریؔ تھا شعر میں گرچہ وحید　　پر تھا اس کا ایک شاگرد رشید
ثاقبؔ اس کا شعر سن بیتاب ہو　　شرم سے گل کر سنچا بے آب وہ

مدح میں اس کے زلالی تر زبان مارے خجلت کے ظہوری ہے یہاں
نظم میں ہندی کے اس کو ہے کمال ہے بعین اشدو زبان میں بے مثال
اس کے مضمون سن کے ہے سودا کو درد آبرو کا شرم سے ہے رنگ زرد
آگے اس کے ہے وہی سر برزمین مظہر عاجز ہوا غزلت نشین
فکر کا اس کے بیان سن کر بیان سخت جرت سینی کرتا ......
سوز دیکھ اس کے زمین شعر کو خاکساری کسی ......
بیجے حشمت یہاں غلام کا پیام میر بندوں ساکر سے دائم سلام
اس سے ہے مجنوں سنو منت...... صحفی ہے طفل ابجد خواں......
مطلع ممتاز گر کوئی سنائے جرأت اپنی جراتوں کو بھول جائے
کیا کہوں ہے کس قدر روشن مزاج ہے سخن کے بزم کا تاباں سراج
خوش از بس میں ہے معجز قلم خوش خطی ہے ختم اس ہر یک رقم
اس کے خطہ کی ہے نیت شان جلی ہوگا کیا مسکین بیچارا میر علی
خوب لگتا ہے مسلسل ثلث خط خوشنما زلف عروسوں کے نخط
جو ہر اس ...... کا دیکھے ذرا دل شکستہ ہو ویگا یاقوت کا
اس ہنر میں ہیگا عارف سپظیر چرخ دوم پر خجل جیسے دبیر

(ص۱۰تا۱۱)

ان اشعار میں عزیز الدین نامی نے عمدۃ الامراء بہادر کی فارسی شاعری کی تعریف کرتے ہوئے شمالی ہند کے فارسی شعراء سے مقابلہ کیا ہے۔انوری کے شاگرد ثاقبؔ سے لے کر میر علی افسوس اور دبیرؔ تک شعراء کا ذکر کیا ہے۔

مدح کے آخری اشعار میں عزیز الدین نامی نے اپنے ممدوح کو دعا دیتے ہوئے اپنے مدح کا خاتمہ کیا ہے۔ اشعار ملاحظہ ہو۔

مدح میں اس کی زبان کوتاہ ہے ہے عجب کامل خدا آگاہ ہے
واقعی جو حال تھا نامیؔ کہا کچھ تکلف شاعرانہ نہیں کہا
حق تعالیٰ اس کو جیتا ہی رکھے جام کو عشرت کے پیتا ہی رکھے

دن بدن ہو عمر اور دولت زیادہ　　　نت رہے آبرو شاد و بامراد
بھائیان بہنا ہیں جو اس کی تمام　　　خوش رہیں دو جگ میں یارب صبح وشام
اور اس کے......سب اولاد و آل　　　کھاتے پیتے خوش رہے ہر ماہ سال

گیت

مداح کے بعد عزیز الدین نامی نے ایک گیت لکھی ہے جس میں اپنے فرزندوں کے نیک گن، نصیحت کی ہے۔ اس گیت کے ابتدائی اشعار میں اپنے دونوں لڑکوں حیدر حسین اور احمد حسن کو اپنی دو آنکھ کہا ہے اور دونوں جہاں میں شاد و آباد رہنے کی دعا دی ہے۔ اشعار دیکھئے۔

مطربا اس وقت کہہ یک گیت بھلی　　　جس کو سنتے ہی کھلے دل کی کلی
گر اثر ہو تیرا خوش الحان سُن　　　میرے فرزندوں کے ہووے نیک گن
اے میرے نور البصر حیدر حسین　　　نت تجھے دیوے خدا آرام چین
ہفت سالہ عمر تیری ہنگی اب　　　سن طبع کو تجھے پہنچائے رب
دین و دنیا میں تو برخوردار رہ　　　بخت سے اپنے بیدار رہ
بھائی تیرا دوسری احمد حسین　　　جو ہے تجھ سا وہ بھی میرا نور عین
تم جو ہو دو آنکھ میری بے گمان　　　دو جہان کے بیچ رہو شادان

(ص ۱۱)

عزیز الدین نامیؔ نے گیت کے ابتدائی سات (7) اشعار کے تعارف کے بعد اپنے فرزندوں کیلئے نصیحت کرتے اشعار ملاحظہ ہوں۔

اب نصیحت تم کو کرتا ہوں سون　　　بندگی گلشن سے یہ پھولیں چنو
قصد کرنا ایسے کاموں پر سدا　　　جس سے خوش ہووے خدا اور مصطفیٰ
صحبت بد سے رہو دائم نفور　　　جو ہیں بد افعال اُن سے رہو دور
واسطے دنیا کے دین مت کھوؤ تم　　　دین سے غافل کبھی مت ہو تم
حبۃً اللہ کرو سب سے سلوک　　　بخشیو گر زیر دستوں سے ہو چوک

مردم آزادی پہ مت باندھو کمر ایسے کاموں میں ہے نقصان بیشتر
نت رہو خلق مروت سے قرین ہے اسی میں خوبی یہ دنیا و دین
مت کرو ہرگز کسی سے بھی غرور احتیاطہ اس فعل بد سے ہے ......
عیب چینی خلق کی ہے سخت بد رفع میں اس وظغ کے لازم ہے کد
غیبت عالم نہ کرنا کوئی آن ہیگا اس شبوں میں دو جگ کا زماں
اقرباء سے ہے صلہ رحمی ضرور مت کرو ان کے ...... میں قصور
ہے بڑا حق سن ذوے القربا کا حق رحم کے پہلے ہے ہیں وہ مستحق
علم پڑھنے میں کرو اوقات صرف شوق بازی کا اٹھاؤ ایک حرف

حکایت

عزیزالدین نامی نے گیت کے بعد حکایت بیان کی ہے جس کا عنوان ''حکایت ابلیس معین شقاوت قرین'' ہے اور 68 اشعار پر مشتمل ہے۔ عزیزالدین نامی نیا س حکایت میں علم کی اہمیت کو واقع کیا ہے۔

سارے شیطانوں کا سردار ابلیس لعین ہے جو شیطانوں پر حکم کرتا ہے کہ وہ در بدر اور کو بکو جائیں اور انسانوں کو گمراہ کر آئیں۔ شیطان صبح جاتے ہیں اور شام کو اپنے سردار کیپاس آ کر اپنا کام کہتے ہیں۔ اشعار ملاحظہ ہوں۔

اتفاقاً ایک دن شیطان سب آئے اس مردود کے نزدیک جب
بولنے لاگے ہیں ہر ہر اپنا کام اس طرح سے ملکے دے صورت حرام
ایک نے بولا پلا آیا شراب کر دیا اس جرم میں اس کو خراب
دوسرا بولا انسان کو ...... خانہ جنگی سے کیا ہوں در بدر
اور ایک بولا کہ مجھ سے یہ ہوا آج کتنوں کو کھلا آیا جوا
اس طرح سے ہے غرض بر ہر کہے کوئی کچھ اور کوئی چپ کر ہوا ہے
اس میں ایک شیطان کا نا آن کنے یوں کہا ہے عرض اس ملعون سے
کچھ کیا نیں کام میں اس سرفراز پر رکھا یک طفل کو پڑھنے سے باز
کھیل میں اس کو لگا آیا ہوں میں یاد پڑھنے کا بھلا آیا ہوں میں

سنتے ہی ابلیس اس سے یہ بیان   پیٹھ ٹھکا اس کی ہوکر شادمان
کر کے اس کو شاہباش اور واہ واہ   کرنے لاگا ہے زیادہ اس کی چاہ
اور شیطانوں نے دیکھے جب یہ حال   کرحسد دل میں کئے اس سے سوال
خوش ہوا ہیں تو ہمارے کام سے   خوش کہا نہیں ہم کو تو انعام سے
کہا زیادہ کام یہ ہم سے کیا   اس قدر جو اس سے تو راضی ہوا
بولا تب ہنس کر کہ یوں وہ لعنتیں   کم تمہارا کام ہیگا اس سے

ابلیس اپنے ہمراہ سارے شیطانوں کوایک رات مئے خانہ میں لے جاتا ہے۔ یہاں ایک فاضل کوگمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن فاضل شخص گمراہ ہونے سے بچ جاتا ہے۔اس حکایت کے آخری اشعار میں عزیزا لدین نامی اپنا مدعا بیان کرتے ہیں۔اشعار ملاحظہ ہو۔

مدعا اس نقل سے ہے یہ میرا   ہے فضیلت علم کی بے انتہا
ایک نکتہ ہے خرد مندوں کو بس   علم دین حاصل کرو باقی ہو بس
علم دین فقہ است تعبیر و حدیث   ....ازین گرد و خبیث
ہووے فرزندوں کو میرے عنقریب   یا الٰہی علم کی دولت نصیب

(ص۱۵)

مثنوی بہارستان عشق کا خلاصہ

ملک عرب کے کسی شہر میں ایک نامدار نیک خلق وخوش خصال دولت مند شخص سید عامر رہتا تھا۔ یہ دنیا کی تمام فکروں سے آزاد تھا۔مگر اس کے کوئی اولاد نہ تھی۔ اولاد کی آرزو میں غریبوں میں سیم وزر بٹواتا، اس کے بدلے ایک لڑکے کی دعا چاہتا۔ خدا سے ہر وقت یہی دعا مانگتا کہ ایک فرزند اس کے یہاں پیدا ہوتا کہ دنیا میں اس کے خاندان کا نام ونشان باقی رہے۔اشعار ملاحظہ ہوں۔

رات دن رہتا تھا اس کو یہ خیال   خواہش یک فرزند کی رہتی دل میں کمال
دے غریبوں کو ...... سم و زر   آرزو کرتا کہ ہووے یک پسر
ہر کسی سے چاہتا ایسی دعا   تابر آوے اپنے دل کا مدعا

نیتیں کرتا ہمیشہ صبح و شام ہووے کوئی شکل سے تا اپنا کام
ہر گھڑی ہر آن اور ہر بامداد آرزو لڑکے کی ہتی حد سے زیاد
حق سے سایل تھا سدا فرزند کا سربسر پابند تھا دل بند کا
چاہتا تھا ایک ولد ہونامدار تا رہے نام اپنا جگ میں برقرار
الغرض اس پر ہو افضل کریم قطرۂ نیہاں ہوا دڑ یتیم

(ص ۱۷ تا ۱۸)

خدانے اس کی دعا قبول کی اور اس کے یہاں ایک حسین چاند سا لڑکا پیدا ہوا۔ سید عامر نے اس کی خوشی میں ہر ایک کو غنی کر دیا۔ چاروں طرف خوشیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ سید عامر نے اس کا نام قیس رکھا۔ اس کی پرورش اور تربیت کیلئے دائیاں ملازم رکھے تا کہ قسم کی پرورش میں کوئی کسر نہ باقی رہنے چاہئے۔

بزم فرحت کا ہوا روشن چراغ رشک سے جس کے ہوا مہتاب داغ
پائے ہیں ماں باپ نے از بس سرور لاگے کرنے خوب خوش راج چونکہ سور
ہوگئے وہاں جمع خوشبو خاص و عام چوطرف ہونے لگے ہیں دھوم دھام
تھا خوشی سے ہر کوئی اس روز شاد فرحت اس دن کی تھی عیدوں سے زیاد
جب ہوا ایک بار پیدا نو نہال باپ نے دے زر کیا سب کو خوشحال
یوں ہوا شامل جو اس پر فضل رب خوش ہوا یک ...... اہل طرب
کر حقیقہ اس کا با جشن تمام باپ نے اس کا رکھا ہے قیس نام
جابجا سے دائیوں کنین بلا ان کے گودی بچ بچے کو دیا
لاگا پلنے جاؤ سے وہ شیر خوار روبرو ماں باپ کے لیل و نہار
دائیوں کے اور ...... کھیلتا تھا گود میں ہر صبح و شام

(ص ۱۸)

جب قیس کی عمر دس سال کی ہوئی تو اس کی بسم اللہ خوانی مکتب اور رسم خطنہ سنت اسلام کے موافق ادا ہوئی۔ غرض اس خوشی میں مجلس طرب، عیش و نشاط جمی رہی۔

سید عامر نے اس کی علیم و تربیت کے لئے ایک ملا کے پاس بھیجنے لگا۔ اس مکتب میں دوسرے بچے بھی پڑھنے

کیلئے آیا کرتے۔ غرض قیس کچھ ہی دن میں دین و دنیا کی تعلیم میں یکتا ہو گیا۔ ان ہی بچوں میں ایک لڑکی لیلیٰ نام کی بھی تھی۔ قیس لیلیٰ کو دیکھ کر اپنی بے قراری کو تسکین دیتا، قیس کا دل پڑھنے لکھنے میں بالکل نہ لگتا۔ آہستہ آہستہ لیلیٰ کی رغبت بھی اس کی طرف بڑھنے لگی۔ یہیں سے ان دونوں کی لافانی محبت پروان چڑھنے لگی۔ جب یہ خبر ملا کو ہوئی تو طمانچوں سے ان کے گال لال کر دیئے اور ہر وقت انہیں احتیاط کرنے لگے لیکن ان دونوں میں اور بھی بے قراری پروان چڑھتی رہی۔ یہاں تک کہ یہ خبر لیلیٰ کے ماں باپ کو پہنچی تو لیلیٰ کو نصیحت کرنے لگے اور لیلیٰ کا مکتب جانا باہر نکلنا ہی بند ہو گیا۔

ادھر قیس لیلیٰ کے فراق میں پڑھنا لکھنا چھوڑ دیا۔ اب اس کے لئے مکتب ماتم سرا نظر آنے لگا۔ آخر کار اس کے باپ سید عامر کو بھی خبر ہو گئی۔ اس نے بیٹے کو بہت سمجھایا۔ عورتوں کی بے وفائی کے طعنیں نصیحتیں کی لیکن اکلوتا فرزند باپ کی نصیحتوں سے کب باز آنے والا تھا۔ اس پر تو لیلیٰ کی محبت کا دیوانہ وار اثر ہو چکا تھا۔ باپ کی بند و نصیحت کا کوئی اثر نہ ہوا۔ سودائی بن کر صحرا میں پھرنے لگا۔ سید عامر نے ایک ترکیب نکالی کہ قیس کو لے کر لیلیٰ کے گھر جائیں گے۔ دوسرے دن سید عامر اور قیس لیلیٰ کے گھر پہنچتے ہیں۔ قیس اور لیلیٰ کی شادی کا پیام رکھتے ہیں لیکن لیلیٰ کا باپ مجنوں کے خلاف بہت کچھ کہا لیکن جب اس نے مجلس میں مجنوں کو خود دیکھا تو اس کا مغالطہ دور ہو گیا۔ اتفاق سے اس وقت لیلیٰ کا کتا مجلس میں آ گیا۔ بس پھر کیا تھا جذبہ عشق نے غلبہ کیا اور وہ بھری مجلس سے کھڑا ہوا اور کتے کے پاؤں پر گرا اور سجدے کرنے لگا اشعار دیکھئے۔

آ گیا ادب میں سنگ لیلیٰ نظر — بھونکتا بیٹھا تھا درد از سے اوپر
دیکھ اس کو قیس ہو بے اختیار — پاؤں پر اس کے گرا زار و نزار
سجدے کرنے لگا ہے اس کے تئیں — کچھ نہ سمجھا ہے وہ کون اور کون میں
کہنے لگا تو ہے لیلیٰ کے حضور — اور میں رہتا ہوں اس دل پر سے دور
کیا کہوں میں کیا برے میرے نصیب — جو ہے ایسے یار کے دائم قریب
دیکھ یہ حالت ہوئے سب تنگ دل — اس حماقت سے ہوئے سارے خجل
بولے سب نے یہ تو مجنوں ہے عجب — ہو گیا اس روز سے مجنوں لقب

(ص۲۵ تا ۲٦)

مجنوں کی اس حرکت پر سید عامر ملول سا ہو گیا اور مجنوں آہ و زاری کرتا ہوا جنگل کی طرف نکل گیا۔ کئی روز بعد

سید عامر مجنوں کو اپنے ہمراہ حج کے سفر پر لے گیا۔ یہاں حرم میں سید عامر نے بیٹے کی خیر، درد و ملال اور لیلیٰ کے خیال سے دور ہونے کے لئے دعا کی لیکن قیس اس کے برعکس دعا کرنے لگا۔ سید عامر بیٹے کی اس دیوانگی پر مایوس ہو رہا قیس معشوق کے گھر کی طرف فقیروں سا ڈول ڈالے آیا، یہاں مجنوں سمجھ کر بچے پتھر مارنے لگے۔ قیس کا بدن زخموں سے چور ہو گیا اور معشوق کے فراق میں یہ بیتیں پڑھنے لگا۔

مضمون غزل عاشق بیدل

ہائے اے لیلیٰ دیکھا اپنا جمال
رو فکر دے مجھ سے مسکین کا سوال

عہد قربان ہے شماشے کو کھل
میرے لہو سے ہوئی ہے خاک لال

چھپ کے تو بیٹھی ہے اے خورشید
میں ہس یہاں پامال سالی کے مثال

یاد ہے ....
ہر گھڑی ہنس کھیل رہتے تھے بحال

یاد ہے وہ دن کہ مکتب میں سدا
بتے بہم دیدار سے فرحت کمال

یاد ہے وہ دن کہ چوری سے کبھی
جوش سے آپس میں ہوتا قیل وقال

میں کہاں اور تو کہاں اے دلربا
انتظاری میں گزر گئے ماہ و سال

(ص۲۸)

یہ غزل بڑھتا ہوا کوہ کی طرف چل دیا۔ دوسری طرف لیلیٰ بھی قیس کی جدائی میں اشک بہانے لگی۔ جنگل میں قیس کی ملاقات نوفل سے ہوتی ہے۔ نوفل نے جب قیس کی داستان عشق سنی تو بہت افسوس کیا۔ اس نے لیلیٰ کے باپ کے پاس شادی کا پیام بھیجا۔ لیلیٰ کے باپ نے نوفل کے پاس لکھ بھیجا کہ یہ رشتہ منظور نہیں۔ نوفل اس بات پر غصہ میں آ گیا اور مقابلے کیلئے فوج لے کر عراق ملک میں جا پہنچا۔ دونوں میں جنگ ہوتی ہے اور اس جنگ میں نوفل کی فتح ہوتی ہے۔ جب نوفل نے لیلیٰ کو دیکھا تو اس پر عاشق ہو گیا مگر خود ہی اپنی موت مارا گیا۔ لیلیٰ کا باپ بیٹی کو گھر لے گیا اور ہر مجنوں بھی جنگل کی راہ لے کر فریاد و آہ کرنے لگا۔

ابن اسلام نام کا ایک سردار عرب کے علاقے میں رہتا تھا۔ اس کا رشتہ لیلیٰ کے لئے آتا ہے تو لیلیٰ کے ماں باپ لیلیٰ کو سمجھا کر اس سے بیاہ کر دیتے ہیں۔ شادی اس رات لیلیٰ دولہا کو ایک طمانچہ مارتی ہے۔ لیلیٰ کی شادی کی خبر زید نامی ایک شخص نے قیس کو بتائی، اس کے دل پر سخت چوٹ لگی اس کے دکھ کا اندازہ اس خط سے لگایا جا سکتا ہے

جواس نے لیلیٰ کو لکھا ہے، ملاحظہ ہو۔

نامۂ تعریف ہے وہ ذوالجلال

لائق تعریف ہے وہ ذوالجلال   جو کیا یوسف زلیخا کا وصال
بعد حمد و نعت کئے اے جانجاں   یہ رقم کرتا ہے کلک دو زبان
یوں سنا جاتا ہے اس ایام میں   اس سخن کا غل ہے خاص و عام میں
جو ہوئی دل دار میری بے وفا   اس خبر کو جھوٹ کر ڈالے خدا
یہ اگر سچ ہے تو ہے تجھ سے بعید   ہو محرم مجھ پہ تجھ پہ ماہ عید
دوستی آگے کی تھی سو کیا ہوئی   کہنے اس یکسوئی میں ڈالی دوبی
اس محبت میں لگی جس کی نظر   یا الٰہی اس کو جلدی گور کر
کسی نے تیرا اس طرح پھرا مزاج   جو ترستے ہم ہیں تو کرتی ہے راج
مجھ سے ناخوش ہوگئی کس بات پر   اس طرح جو یک بیک بدلی نظر
....   آشنا ہو کیوں ہوئی ناآشنا
بے سبب کیوں مجھ سے تو...... تیرا   ....
دل لگائی اب تو تو اغیار سے   ہوگئی مشغلول دوسرے یار سے
رنج و ...... کو میرے برباد کی   سخت مجھ پر ہائے تو بیدار کی
میں ترستا ہے...... دیدار کو   تونے پیدا کی ہے اور ہی یار کو
واسطے تیرے میں رسوا ہوگیا   خوار و زار و کوہ صحرا ہوگیا
جانتا میں گر تو ہوگی بے وفا   کاہیکو کرتا میں یوں تجھ سے وفا
کہہ گئے ہیں سچ خردمندانِ پیر   بے وفائی عورتوں کی ہے ......

(ص ۴۵)

قیس کے اس خط کے جواب میں لیلیٰ قیس کو لکھتی ہے جس میں اپنی بے کسی و جمہوری کو بیان کرتے ہوئے اپنی پاک دامنی کا ثبوت ہر طرح کی قسمیں کھا کر دیتی ہے۔ اشعار ملاحظہ ہو۔

کیوں ہوا ہے مجھ سے تو یوں بدگمان
میں نہیں تجھ سے پھری ہوں ایک آن

ثابت اپنی دوستی پر ہوں سوا
مت سمجھ ہرگز تو مجھ کو بے وفا

اے میاں تیری وہی باندی ہوں میں
تیری الفت جانے باندی ہوں میں

گرچہ ظاہر میں پری ہوں تجھ سے دور
پر ہوں دل سے رات دن تیرے حضور

کیا کہوں مجھ پر عجب کچھ قہر ہے
کھانا پینا حق میں میرے زہر ہے

کس سے بولوں کیا کروں بے بس ہوں میں
ہے خدا شاہد نپٹ بے کس ہوں میں

کہہ نہیں سکتی کسو سے دل کی بات
کیا میرا چلتا کہ ہوں عورت کی ذات

کچھ نہیں تقصیر اۓ صاحب میری
دل میں میرے نقش ہے الفت تیری

کیا کروں یہ بوجھ دل پر دیتے دیۓ
ظلم سے سب ملکے شادی کردیۓ

کیا ہوا گر یوں کئے مجھ پر ستم
اپنی عصمت پر ہوں میں ثابت قدم

ہے قسم مجھ کو وہی سبحان کی
حسن کے تئیں آبرو جس سے ولی

عشق عالم سوز کے سر کی قسم
عاشقں کے دیدۂ تر کی قسم

ثابتی پائی ہوں عصمت کی قسم
رات بازوں کی محبت کی قسم

حسن کے انداز کی سوگنہ ہے
لہو شاں کے نیاز کی سوگنہ ہے

حظہ و حال و چشم کی سوگنہ ہے
دلبروں کے چشم کی سوگنہ ہے

اہل غربت کے حیا کی ہے قسم
با وفا یوں کے وفا کی ہے قسم

ہے مجھ سوگنہ اب انصاف کی
اور ہے سوگنہ سینہ صاف کی

اپنے مطلب کی قسم کھاتی ہوں میں
وصل کے شب کی قسم کھاتی ہوں میں

ہیں قسم جتنے بھی ان سب کی قسم
کہ نہیں بھولی ہوں ...... تو ایک دم

جیسے تھی ویسے ہی عاشق ہوں سو ہوں
اپنے الفتہ بچہ صادق ہوں سو ہوں

غیر سے ہرگز میں دل جوڑی نہیں
دوستی کے شرط کو توڑی نہیں

(۴۷تا۴۸)

ایک دن لیلیٰ شوہر کی فاتحہ کا بہانہ بنا کر جنگل کی طرف نکل پڑتی ہے۔ یہاں دونوں کی ملاقات ہوتی ہے اور

ایک دوسرے سے اپنے حالات بیان کرتے ہیں۔ جب اس حقیقت سے لیلیٰ کے ماں باپ واقف ہوتے ہیں تو بیوہ لیلیٰ کو سمجھاتے ہیں لیکن لیلیٰ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتی۔ باپ اس کی بے باکی کو دیکھ کر غم وغصہ کا اظہار کرتا ہے اور اس کو علاج کیلئے طبیبوں کے پاس لے آتا ہے۔ زید یہ خبر قیس کو سنانے آتا ہے لیکن یہاں قیس کی ایک عجب ہی حالت پا کر حیرت زدہ ہو جاتا ہے۔

ایک رات قیس بے قراری کے عالم میں کدہ کے اطراف پھرنے لگتا ہے۔ اتفاق سے ایک چرواہے سے ملاقات ہوتی ہے، اس سے بھی لیلیٰ کی خیریت دریافت کرتا ہے، لیلیٰ سے ملنے کیلئے قیس بکرے کا جرم پہن کر لیلیٰ کے گھر پہنچتا ہے۔ لیلیٰ کی آواز سن کر بیکل ہو اُٹھتا ہے اور بے جان ہو کر گر پڑتا ہے۔ لوگ اس حالت کو دیکھ کر اس بکرے کو حلال کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ چرواہے اسے کمبل میں چھپا کر گھر لے جاتا ہے۔ اس ماجرے سے لیلیٰ واقف ہوتی ہے تو چرواہا کو بلا کر انعام ومال دے کر کہتی ہے کہ اس کا خیال رکھے۔

دوسری طرف مجنوں کی ماں اپنے بیٹے کی حالت پر زار وقطار آہ بھرنے لگتی ہے اور اپنے بیٹے کو بہت سمجھاتی ہے لیکن ناکام رہ جاتی ہے۔ اپنے بھائی سلیم عامری کو کہتی ہے کہ قیس کو بہلاک پھسلا کر گھر لے آئے لیکن اس کی بھی محنت بیکار رہ جاتی ہے۔

ایک دن لیلیٰ زید کو کہتی ہے کہ وہ اس کو قیس کے پاس لے جائے، زید ایک مکان میں دونوں کی ملاقات کرواتا ہے۔ یہاں زید اور اس کی معشوق زینت کی بھی ملاقات ہوتی ہے۔ قیس اور لیلیٰ ایک دوسرے سے اپنی کسمپرسی، مجبوریوں کے درد وغم کا اظہار کرتے ہیں۔ اتنے میں لیلیٰ کے قرابت داروں میں سے ایک شخص وہاں آ پہنچتا ہے اور قیس کو قتل کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن ان کی حالت پر ترس کھا کر اپنی غلطی کی معافی طلب کرتا ہے اور واپس گھر لوٹ جاتا ہے۔ زید اور زینت بھی اپنے اپنے گھر لوٹ جاتے ہیں لیکن قیس لیلیٰ کی رسوائی کے ڈر سے لیلیٰ سے جدا ہو کر پھر صحرا کی طرف نکل جاتا ہے۔ پھر سے دونوں جدائی کے غم میں زار وقطار آہ کرنے لگتے ہیں۔ لیلیٰ محبوب کے فراق میں اپنی جان قربان کر دیتی ہے۔ لیلیٰ کی ماں اس کی موت کی خبر قیس کو بتانے جاتی ہے تو یہاں بھی مجنوں سکرات کی حالت میں پایا جاتا ہے۔ لیلیٰ کی موت کی خبر سن کر قیس بھی دم توڑ دیتا ہے۔ دونوں کی تدفین ایک ہی جگہ ہوتی ہے۔ زید اپنے دوست کی موت سے غمگین ہو کر فقیری اختیار کرتا ہے اور ان دونوں کی قبر پر مجاور بن کر شب وروز گزارتا ہے۔

کردارنگاری

داستان کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ عزیز الدین نامی نے اس میں دلچسپی برقرار رکھنے کی پوری کوشش کی ہے اور ترجمہ کو اس خوبی سے کیا ہے کہ یہ ان کی طبع ماد تصنیف معلوم ہوتی ہے۔ داستان بے حد دلچسپ اور موثر ہے۔ اس میں جو کردار کی دنیا ہے، وہ عام سادہ اور غیر پیچیدہ ہے۔ واقعہ درواقعہ کرداروں کی جھلک دکھائی دیتی ہے جو دنیا کرداروں کے اندر ہے یعنی قیس اور لیلیٰ اس داستان کے مرکزی کردار ہیں۔ ان کے جذبات عشق کشمکش اور تصادم، تذبذب، غم کی گھٹائیں ان کی فلطری عکاس کرتے ہیں اور یہی اصل دنیا کے کردار نظر آتے ہیں اور ایسے ہی کردار زندہ کردار کہہ جاتے ہیں اور ان کا وجود ہی تخلیق کو طویل عمر عطا کردیا ہے۔ اس داستان عشق کا آغاز عام داستانوں کیطرح ایک بے اولاد باپ کی تمنائے اولاد اس کی طلب آرزو اور دعاؤں سے ہوتا ہے۔ آخر کار اس کی دعا قبول ہوتی ہے اور اس کے گھر ایک حسین وجمیل لڑکے کی پیدائش ہوتی ہے جس کے عقیقہ کا جشن بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ اس لڑکے کا نام قیس رکھا جاتا ہے اور بہت ہی ناز و پیار میں اس کی پرورش کی جاتی ہے۔ چنانچہ عزیز الدین نامی نے قیس کے حسن و جمال کو اس طرح بیان کیا ہے۔ اشعار ملاحظہ ہوں۔

چونکہ گل خورشید دائم خندہ رو — خوار تھا مہتاب اس کے روبرو
نہایت روشن جبین نازک میان — خاندان کے حسن کا تھا وہ مکان
چشم و آبرو دیکھ اس کے خم بخم — بولتے تھے خلق آ ہوئی حرم
تو تھا سیدھا سرو سے اس کا زیاد — زندگی کے باغ کا نخل مراد
کیا کہوں از بس حسن ہر دل عزیز — یوسف ثانی ہے ست لیو باتمیز

(ص۱۹)

عزیز الدین نامیؔ نے بہت ہی مختصر اور موثر الفاظ میں قیس کے سراپا کو بیان کیا ہے۔ ایک مکتب میں دونوں کی ملاقات ہوتی ہے، لیلیٰ کے عشق میں دیوانہ ہوجاتا ہے۔ اس کی اس حالت پر لوگ مجنوں پکارنے لگتے ہیں۔ معشوق کے فراق میں مجنوں کی حالت ملاحظہ ہو۔

دل کو پڑھنے سے اوٹھایا ایک بار — رونے لگا ہر گھڑی بے اختیار

موج کے مانند چھاتی کوٹ کوٹ   بڑبڑے ساگر یہ کرتا پھوٹ پھوٹ
مثل دیار شور کرنے لگ گیا   عشق کی کشتی کو طوفانی کیا
پڑ گیا ہے درد کے گرداب میں   بہنے لگا اشک کے سیلاب میں
ہجر کے آتش سے کھایا پیچ وتاب   قلق سا ہی دل ہوا اس کا کباب
(ص۲۲)

کر فقیروں سا گدائی اختیار   چلدیا معشوق کے گھر کے شار
سینۂ صد چاک سے الفی کیا   سیلی سے آنسو کے سیلی کرلیا
گود بڑی کر کے دل پر داغ سے   اشک کے منکے گلے میں ڈال کے
چھوڑ کر مانند بستانوں کے کیس   ک رلیا اپنا ملنگوں کا سا بھیس
خاک اس کے کوچے کی لے بار بار   سر پر اپنے ڈالتا وہ خاکسار
یوہیں کہتا ہر طرف کرتا تھا سیر   وصل کے دے فی سبیل اللہ خیر
شوق میں دل بر کے سوکھے پاودست   اس طرح پھرنے لگا مست
دھوم تھی لڑکوں کی اس کے گردش   مارے پتھروں کے کئے تھیر تن کورش
پیچھے اس کے لگ گئی بچوں کی ریل   رنج اس دکھیا کا اور اپنا تھا کھیل
سخت اس عاشق کنیں عاجز کیے   ہر طرف سے سنگ باراں کردیے
جس طرف جاتا ادھر کرتے تنگ   سنگ دل اطفال پھرتے اس کے سنگھ
اس پہ جب کرنے لگے لڑکوں نے دھوم   یوں لگا کہنے کو دیکھ ان کا ہجوم
(ص۲۸)

مجنوں کو جب لیلیٰ کی شادی کی خبر ملتی ہے تو اس کا دل ٹوٹ جاتا ہے۔ لیلیٰ کو خط لکھ کر اس کی بے وفائی کا گلہ کرتا ہے۔ لیلیٰ بھی خط لکھ کر اپنی پاک دامنی اور اپنی وفا کا ثبوت دیتی ہے۔ جب لیلیٰ کو چوٹ لگتی ہے تو اس کا زخم قیس (مجنوں) کے تن پر دکھائی دیتا ہے۔ اس کے زخموں کا بیان ملاحظہ ہو۔

اس میں جو دیکھا ہے آ کر روبرو   پاؤں سے مجنوں کے جاری تھا لہو

جس جگہ لیلیٰ کو نشتر کا تھا زخم　　اس جگہ اس نے ہے پایا ہیو کا زخز
اور روزوں سے زیادہ ہے الم　　آنکھ سے آنسو ہیں جاری دمبدم
زید اس حال پر حیرت کیا　　یہ عجائب دیکھ سکتا ہوں گیا
جس قدر معشوق پر گزرا تعب　　یہاں دل عاشق یہ ہیں بیتاب
وہاں کدورت یہاں ہوا دلپر غبار　　یار کا تھا یار ہی آ:ینہ دار
ایک تھے دونوں مگر تھا فرق اسم　　جسم اس کا تھا گویا اس کا ہی جسم

(ص ۵۳)

قیس بے قراری کے عالم میں کوہ کے اطراف پھرنے لگتا ہے۔ اتفاق سے لیلیٰ کے بکریوں کے چرواہے سے ملاقات ہوتی ہے تو اس سے لیلیٰ کا حال دریافت کرتا ہے۔ قیس لیلیٰ سے ملنے کیلئے ایک تدبیر سوچتا ہے کہ چرواہا اس بکریوں کے ساتھ بکرے کا چرم پہنا کر لیلیٰ کے گھر لے جائے لیکن جب قیس بکرے کا بھیس بدل کر جاتا ہے تو جان مشکل میں آ پڑتی ہے۔ لیلیٰ کی آواز سن کر بے ہوش ہو جاتا ہے۔ بکرے کی اس حالت کو دیکھ کر لوگ اس کو ذبح کرنے آتے ہیں تو چرواہا بکرے کے چرم بے ہوش پڑے قیس کو بچا لیتا ہے۔ اشعار دیکھئے۔

سر سے پا تک قیس کے چمڑا مڑا　　بکریوں کے بیچ اسے بھی لے چلا
بیٹھ کر گڑگوں پہ وہ بکروں کے سنگ　　چلدیا دیدار کے رکھ کر ترنگ
بکریوں کو لے گیا جب گھر تک　　اس میں مجنوں نے سنا لیلیٰ کی ہانگ
یار کا آواز سن بیکل ہوا　　نیم لبمل سا تڑپنے لگ گیا
مضطرب ہوکر بزند بوج سا　　پڑگیا وہاں قالب بے روح سا
جی خوشی سے جارہا تھا دوست میں　　کس طرح سے وہ سماوے بہت م یں
دیکھ کر لوگوں نے اس بکرے کا حال　　لے چھری آئے اسے کرنے حلال
آن کر نزدیک اس بے دل کے سب　　ذبح کرنے پر ہوئے تیار جب
جلد چروے نے اس کے تیئں اٹھا　　لے گیا گھر اپنے کمل میں چھپا
بولا ان سب سے کہ یہ بیمار ہے　　کل سے اس بکرے کے تیئں آزار ہے

اس کو لیجا گھر میں کرتا ہوں دوا　　ہوگیا ہیگا مرض اسکو بڑا
مگر کر وہاں سے غرض گھر لے گیا　　آفتوں یتی بچاکر لے گیا
(ص۵۵۔۵۶)

مجنوں کی ماں جب بیٹے کی بدحالی دیکھتی ہے تو بیکل ہو اٹھتی ہے اور اپنے بھائی سلیم عامری سے اپنے کی دوری کا بیان رکتی ہے۔ایک ماں کا اپنے اولاد کیلئے تڑپ کا اندازہ ان اشعار سے ہوتا ہے،ملاحظہ ہوں۔

اس سے بدل کیا کروں اے بھائی جان　　بھانجے نے تیرے چھوڑا اپنا مکان
کوہ صحرا میں کیا ہے اپنی جا　　وحشت اس کی پہنچی ہوگی تا کجا
باپ سے الفت نہ ماں کا یاد ہے　　ذکر میں لیلیٰ کے دائم شاد ہے
گرائے لاتے ہیں پھسلاکے یہاں　　آن بھر مجھس پاس ٹکتا ہے کہاں
بھاگ جاتا ہے ، اس صحرا کے بیچ　　گھر کیا ہے اپنا اس فارا کے بیچ
پھرتے پھرتے گرچہ باپ اس کا تھکا　　راہ بر تس پر نہ آیا وہ زرا
حال میرا اس کے غم سے ہے خراب　　کھانا بھانا ہے نہ خش آئے ہے خواب
روز وشب گریوں ہی میں لاغم میں کھاونگی　　گھومتی گھومتی ایک دن مرجاؤں گی
ایک تھا اندھے کی لاٹھی سا مرا　　بے طرح سے اس کو اب یہ گھنلگا
غم میں اس کے واسطے اب تک ہیی　　جاکے تو بھی اس کو سمجھا تو کہی
تیرے کہنے کا مگر ہو وے اثر　　چھوڑ دیوی رات دن کا شور و شر
ساتھ اس کے ہیگی سب شادی میری　　ہیگی صحرا بچہ آبادی میری
اس کو تو ہرطور سے پھسلاکے لا　　آج میرے پوت سے مجھ کوں ملا
(ص۵۹)

ماں کی ممتا اور محبت کا یہ رنگ کتنا گہرا اور صداقت پر مبنی ہے،اس کے ایک ایک لفظ میں ماں کی محبت کا رس بھرا ہوا ہے۔سلیم عامری کے منانے پر بھی قیس گھر چلنے راضی نہ ہوا تو پھر سے پنے درد کا اظہار اس طرح کرتی ہے۔

وہ بیچاری جب سنی بیٹے کی بات
رونے لگی حیف سے مل مل کے ہات

بولی میں فرزند کو دیکھ آونگی
سر بہ چادر ڈال کر اب جاؤں گی

اس پہ واروںگی میں اپنا جان ومال
کس مصیبت میں پڑا ہے میرا لال

کھانا پانی ساتھ لے کر دل جلی
دشت کو پچھلے پہر سے اوٹھ چلی

پوچھتے بیٹے کو مادر ہیئتی
چلدی جنگل طرف سر پیٹتی

ڈھونڈتی تھی کوہ کے دامن میں
جسطرح یاقوت کتیں کان میں

(ص۶۰)

جب قیس کی ماں بیٹے سے ملاقات کرتی ہے تو اس حال میں پاتی ہے۔

صورت آگے کی نہ اگلا رنگ ہے
ہات سے ماتم کے حالت تنگ ہے

جم رہی ہے خاک سب رُخسار پر
بڑھ گئے ہیں بال سر کے سر بسر

ہے بدن برگ خزاں ساسوک ساک
صرصر غم سے ہے نزدیک ہلاک

جائے غم کے ہوگیا تھا ویں حقیر
کوئی بن سایہ نہ تھا جس کا نظیر

ماں نے صورت دیکھ کر فرزند کی
اس کو چھاتی سے لگا یک آہ کی

صدقی اپنے چاند پر ہونے لگی
حال اس کا دیکھ کے رونے لگی

وہ بھی ماں کے پاؤں پر آ کر گرا
جوش سے لوہو کے لوہو رو دیا

ماں نے جب جلدی سے ہات اس کا دہلائی
لائی تھی جو ساتھ سو کھانا کھلائی

بن تیرے دل کو میرے کب چین ہے
بیقراری بیکل دن این ہے

آ پڑا سر پر میرے غم کا پہاڑ
خانۂ دل ہوگیا ہے سب او جاڑ

کچھ نہ دیکھی میں نے تیرے جو چلی
جنکے ...... میں رہے سب حوصلے

کرنے پائی بھی نہیں میں تیرا بیاہ
نیں نکالی میں نے اپنے دل کی چاہ

اس لئے محنت سے پالی تھی تجھے
جو بڑا ہوکر تو چھوڑے گا مجھے

نو مہینے پیٹ میں لے کر پھری
آرزو میں تیرے کیا مضطر پھریق

دود میرا تو پیا بتیں دہار　　اب تو کیوں یوں مجھ کو بھلا لا ایک بار
ترک الفت کردیا یک بارگی　　اس قدر پیدا کیا آوارگی

(ص۶۰۔۶۱)

قیس کا کردار نہایت دلچسپ ہے یہ لیلیٰ کی رسوائی سے ڈر کر اس کے جدا ہونے میں ہی بھلا جانتا ہے اور آخر کار اپنے محبوب کے فراق میں تڑپتا مر جاتا ہے۔

قیس بھی لیلیٰ کی رسوائی سے ڈر　　یار سے رخصت ہو روتا یکسر
چلدیا کہسار کے جانب خریں　　کر جگر کو چاک مانند وتگیں

لیلیٰ کی ماں لیلیٰ کی موت کی خبر قیس کو بتانے آتی ہے اور اس خبر کو سن کر وہی دم توڑ دیتا ہے۔

قیس جب یہ خبر اس سے سنا　　بیقراری اور بے چینی پھر کیا پوچھنا
چلدیا ہے وہاں سے آنکھیں سر　　آیا اپنے دل بر کے قبر پر
گور پر ہو کے تصدق تین بار　　گر پڑا ایک بار کے بے اختیار
قبر پر سر رکھ کے یوں کہنے لگا　　ہوگئی مجھ سے جدائی دل ربا
برج خاکی میں گئی اے آفتاب　　آج مٹی میں ملاپ آب و تاب
ہائے اے جانی گئی ہے تو کدھر　　مجھ کو جنگل میں اکیلا چھوڑ کر
آرزو یوں تھی کہ میں آگے مروں　　پر بہت جلدی گئی تو کیا کروں
تن پہ تیرے بوج یک گل تھا بہار　　اس پو مٹی پڑگئی یہ بے شمار
بن تیرے ...... بے آرام ہے　　جاں سے اپنی مجھے کیا کام ہے
واسطے کس کے جیوں دنیا میں اب　　یک کھڑی دوری کا یہ ہے مجھ یہ غضب
تو میری اور میں جیوں　　خاک پڑیو اس طرح کی ریت پر
یوں ہیں کہہ کر ایک دم　　ہائے لیلیٰ بول کر یہ بھی مرا

(ص۷۳)

لیلیٰ

لیلیٰ کا کردار ایک عام ہیروین کی طرح ہے۔ اس کا تعلق عرب سے ہے۔ سرتاپا سراپا حسن ہے۔ عزیز الدین نامیؔ نے لیلیٰ کے سراپا کو اس طرح بیان کیا ہے۔

اور ایک عمدہ قبیلے سے کہیں — تھی عرب میں ایک لڑکی مہہ جبیں
تھی سراپا حسن وہ نازک بدن — اس کو کہناہ ے بجا رشک چمن
رخ پہ اس کی نور کا تھا رزق برق — مہر میں اسکے نہ تھا یک ذرہ فرق
وہ صنم ناز وادا میں خوب تھی — دل سے ہر ایک کی محبوب تھی
کہتے قامت سے قیامت الا حان — چاک پر پامال سوسرو روان
ہر قدم رکھنے میں کیا انداز تھا — جان عالم جس کا پا انداز تھا
چلبلی کرتی لٹک سے جب خرام — کبک کو نقش قدم ہوتا تھا دام
وصف بالوں کا قلم کے ہات ہے — دیکھئے کیا ہو اندھیری رات ہے
صبح سا منہ اس پہ بالیں مثل شام — تھے فجل جس سے بتاں سب روم شام
سانپ کے مانند بل کھائی ہوئی — عاشقوں کے جنکو الجھائی ہوئی
گر...... کو جاوے کا کل کی شمیم — ہو جگر نامی کا حسرت سے دونیم
اس کا چہرہ تھا نزاکت کا چمن — گال گل سنے اور غنچہ سا دہن
شور محشر سے نمک رح پر زیاد — انل بوں کے آگے تھی شکر زیاد
بے سخن تھے وہ دو برگ گل شکر — یا کہوں میں اس کیتھیں خرمائی تر
قوت دل قوت جاں ہے اس کی بات — تھا مگر منہ چشمۂ آب حیات
دانت ہنسے میں تھے ایسے خوش نما — جون شگفتہ ہو چمن میں
پھول چھیڑتے منہ سے ہر یک بات میں — تھی بہار اس کے حنائی ہاتھ میں
جس طرف کرتی تھی وہ کورے نگاہ — اس سے ہوتی حالت مردم تباہ
تن تھا اس کا گلبدن بوں سربسر — پیٹ یہ ہے وصف میں اس کے کمر

چوں گلاب از ناز باشد بربدن ۔۔۔ در غریبی بوئی گل یا یہ وطن
تھی نپٹ وہ دل بر نازک مگر ۔۔۔ تاب نین تھی بوج کی یک بال پر
سر سے پاتک نور میں بھرپور تھی ۔۔۔ یا پری تھی نار وہ یا حور تھی
تھی قیامت اور غضب شریں ادا ۔۔۔ کوہ کن سا اس پہ تھا ہر یک فدر
تھے نہایت اس کی چپ نخنے درست ۔۔۔ عشوہ غمزے میں رہتی چالاک چست
نام لیلیٰ موہنہ تھا روشن مثل روم ۔۔۔ بدر کی شب ہووے جوں گیتی فزون

(ص ۲۰ تا ۲۱)

لیلیٰ اور مجنوں کی ملاقات ایک مکتب ہوتی ہے ۔ لیلیٰ پر مجنوں دیوانہ وار عاشق ہوجاتا ہے اور بہت جلد ہی دونوں جدا ہوجاتے ہیں۔ مجنوں کا باپ لیلیٰ کے باپ کے پاس رشتہ کا پیام لے آتا ہے لیکن لیلیٰ کا باپ اس نسبت سے انکار کا اظہار کرتا ہے۔ مجنوں کے فراق میں لیلیٰ کی کیفیت کو اس طرح بیان کیا ہے۔ اشعار ملاحظہ ہو۔

گرچہ ظاہر میں تھی وہ یک گلعذار ۔۔۔ پر جگر مانند لالہ داغدار
منہ چھپا روتی تھی ہر یک جھاڑ پاس ۔۔۔ سخت تھی اس بار کے دل میں ہراس
دیکھنے ایدھر اودھر کہ کر کے آہ ۔۔۔ تا کہیں دلدار پڑ جاوے نگاہ
اس کے حق میں وہ چمن اور وہ بہار ۔۔۔ ہوگیا تھا یار بنیک خار زار
یار ہے اس کے جو خالی باغ تھا ۔۔۔ دیکھنا گل کا جگر میں داغ تھا

(ص ۳۱)

لیلیٰ کی اس حالت کو دیکھ کر لیلیٰ کا باپ ابن اسلام نامی سردار سے لیلیٰ کا رشتہ طئے ہوجاتا ہے۔ ان دونوں کی شادی بڑی دھوم سے ہوتی ہے۔ مگر اس نکاح کیلئے لیلیٰ راضی نہیں ہوتی، اس کی ماں نصیحت کرتی ہے۔ اشعار دیکھئے۔

سو طرح سے اس کو سمجھانے لگی ۔۔۔ کیا کیا مکروں ستی پھسلانے لگی
کہنے لاگی اس سے اے بیٹی بیٹی ۔۔۔ ہے تمہاری سب کمائی عمر کی
آرزو ہم کو تیرا سکھ دیکھنا ۔۔۔ نیں تیرا اس طرح سے دکھ دیکھنا

خواہش ہم کو ہے کہ کب جاگینگے بھاگ　　کب دیکھا ویگا خدا تیرا سہاگ
عقل سے ہے دور دیوانہ پنا　　کیا ہے شادی میں یہ رونا پیٹنا
تو تو لڑکائی میں تھی بھول بڑی　　کب سے تو ایسی شرات میں پڑی
باپ تیرا گر سنیگا یہ خبر　　آں کر کر دیویگا زیر و زبر
کیوں بنی ہے باوری اس طرح آج　　کیا تجھے کچھ ہے نہیں پنچوں کی لاج
کچھ تو کر ا پنے گھرانے پر نظر　　ماں میری بات رسوائی سے ڈر
ورنہ اعلامہ کہیں گے لوگ سب　　ہر کوئی بولے گا ہے آفت غضب
اب کئے ہیں ہم نے تیرا جس سے بیاہ　　صورت و سیرت ہے اس کی وا ہوا
کچھ نہ کر تکرار اچھا جفت ہے　　ہاتھ سے مت کھو یہ دولت مفت ہے
کر سنگھار اپنا پہن چوڑا شتاب　　بے شرم جس میں کر عارس سا حجاب
الغرض مان اس کی اس کو مارکوٹ　　زور سے راضی کرائے جھوٹ موٹ
ہوگئی اس ڈہیل میں جب صباح　　بانہ قاضی نے وہ دونوں کا نکاح

(ص ۴۱۔ ۴۳)

لیلیٰ شوہر ابن اسلام کی موت پر جھوٹ موٹ کے آنسو بہاتی ہے اور شوہر کی فاتحہ کا بہانہ بنا کر جنگل کی طرف قیس سے ملاقات کیلئے نکل پڑتی ہے۔ اشعار دیکھئے۔

سن کے یہ احوال رونے لاگے سب　　دن خوشی کا بن گیا ماتم کی شب
ظاہرا لیلیٰ ہے ہوکر سوگذار　　رونے لاگی سامنے ان کے زارزار
منہ یہ غم دل میں نہایت شاد ہوئی　　مجھلے سے روز کے آزاد ہوئی
یونہیں دونوں تک رہے غمگیں ہو　　تیسرے دن صبح کو نہائے دہو
قصہ شہر کے زیارت کا کئ　　بیکلی سے راہ جنگل کی سی
شوق میں مجنوں کے ہوفرحت قریں　　جانب صحرا چلی محمل نشین
ہانکی ناقی کو طرف کہسار کے　　گھر سے باہر ہوئی طلب میں یار کی
منزل مقصود کی رکھ کر ہوس　　چل دیئے فریاد کرتی جتوں جرس

آ کے وہاں کر کے کھڑا ڈیرا سیاہ — اترے وہ مغموم با اند وہ قوہ
قبر پر شوہر کے جاکر اونگار — سور دل سے ہوگئی شمع مزار
تعزیت کے رسم سے رونے لگی — گرم آنسوں سیتی منہ دھونے لگی
گرچہ ظاہر میں تھا شوہر کا الم — پر جو دل میں پوچھو تھا مجنوں کا غز
آز و بازو دکھتی آنکھیں پیار — شاید آجاوے نظر وہ یار خار

(ص۔۵۰)

لیلیٰ اپنے معشوق کے لئے اپنی عصمت کا کوئی لحاظ و پاس نہیں کرتی، ایک بے باک شخصیت کی مالک ہے۔ یہاں تک کہ اپنے والدین کی عزت کا بھی لحاظ نہیں کرتی اور ماں باپ کی نصیحت کا بھی اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا، بڑی بے باکی سے قیس کی طرف داری کرتی ہوئی بے جھجھک کہتی ہے، اشعار ملاحظہ ہو۔

باپ اور ماں کا دیکھ لیلیٰ نے عتاب — یوں دی ان کو جواب باصواب
عشقکے مجنوں کو کوئی کچھ کہے — میں نہ چھوڑوں جان جاوے یار ہے
وہ میرا صاحب ہے میں اس کی کنیز — بے ادب مجھ کو کھویا بے تمیز
......گو سینے کے جو کم جوش تھا — عقل کا اسکے اوپر سرپوش تھا
آپ کیا اس پر سے وہ ڈہگتا نکل — مثل روغن یہ چلے آنسو ابل
میں نے بدنامی قبولی ہوں تمام — اس کی تو کھچڑی پکاویں خاص وعام
عشق کی یہ آنچ بجھتی ہے کہیں — یہاں کسی کی دال میں گلنے کی نہیں
دم نہ کھاوینگی کسی کی بات سے — ہات دھوئی میں نے دال و بہاتی سے
گر نکل جاوے گی بچہ اس درد سے — دم نہ لیووں گی میں آہ سرد سے
کوفتہ ہوجاوے گر میرا بدن — اس محبت سے نہیں پھرنے کا من
جب تلک ہووں نہ میں جل کر کباب — دل سے جانے کا نہیں یہ پیچ وتاب
داغ لاگا ہے میرے سینہ میں جب — گر رہوں ہریاں سوزاں کہا عجیب

(ص ۵۲۔۵۳)

جب قیس بکرے کے بھیس میں لیلیٰ سے ملنے آتا ہے اور ناکام رہ جاتا ہے تو اس واقعہ کا علم لیلیٰ کو ہوتا ہے تو وہ

چرواہے کو مخفی بلا کر سچائی دریافت کرتی ہے اور حقیقت سے واقف ہوتی ہے۔ چرواہے کو انعام و اکرام دے کر کہتی ہے کہ قیس کی حفاظت کرے، اس کے غذا کا خاص خیال کرے، ایک دن لیلیٰ قیس کے دوست زید کو قیس سے ملانے کا کوئی راستہ نکالنے کو کہتی ہے اور اس کے غم میں دربدر پھرنے لگتا ہے اور لیلیٰ بھی محبوب سے جدائی برداشت نہیں کر پاتی، آخر میں اپنے ماں باپ سے اپنے کئے کی اور نافرمانی کی معافی چاہتی ہے۔ اشعار ملاحظہ ہوں۔

دیکھ لیلیٰ حال کو اپنے خراب	ماں سے یوں کہنے لگی ہے بیجاب
اس مرض میں میری حالت عجب	کچھ نہیں آتا نظر جینے کا ڈھب
مجھ پہ قوت ضعیف کی ہر آن ہے	جان دنیا بیچ اب مہمانہ ہے
حکم سے تیرے کئے ہر دم عدول	کی نہیں تیرے نصیحت کو قبول
تو دیری کرتے رہے دن اور رین	ہے میرے گردن پہ حق والدین
تیرے فرمانا بجالائے ہیں	مجھ سے تو فرحت کا پھل پائے نہیں
اب میرا ہے وقت آخری خلاف	بولا چالا سو سو جو کیجئے معاف
عاجزی پر رحم سے کر یہ عطا	بخش اگلے پچھلے میرے سب خطا
بخش اے ماں جو پلائی مجھ کو دود	تا کرم مجھ پر کرے رب و دود
بعد میرے موت کے میرا سلام	کہہ میرے دل بر کو اور دے یہ پیام
زندگانی اس کو بس آخر ہوئی	آج تیرے عشق میں لیلیٰ موئی

(ص ۱۷)

لیلیٰ کا کردار فطرت کے عین مطابق ہے۔ پورے قصہ میں ہماری توجہ کا مرکز بنی رہتی ہے۔ مکتب سے ہی داستان عشق شروع ہو جاتی ہے۔ جب اس کی شادی ہوتی ہے تو وہ اس شادی سے راضی نہیں۔ شوہر کی فاتحہ کے بہانے عاشق کو ڈھنڈنے نکلتی ہے۔ عشق کرتی ہے اور عشق میں ثابت قدم رہتی ہے۔ اپنے معشوق کے غم سے غمگین نظر آتی ہے۔ ان دونوں کے ملاقات کے کم ہی موقع میسر آتے ہیں۔ فراق میں رو رو کاٹتی ہے، اس کردار میں نہ زمانے سے رسوائی اور نہ ہی غیرت کا عنصر موجود ہے۔ غرض لیلیٰ کا کردار ایک بے باک لڑکی کی طرح سامنے آتا ہے۔

لیلیٰ اور قیس کی مدد کے لئے قصہ میں چھوٹے چھوٹے کردار بھی لائے گئے ہیں۔ ان چھوٹے کرداروں میں

ہیرو اور ہیروئن کے ماں باپ ہیرو قیس کا دوست نوفل، زید، زینت، چرواہا، ابن اسلام قیس کا ماموں سلیم عامری شامل ہے۔

نوفل کی ملاقات جنگل میں ہوتی ہے قیس جب دردِ عشق کو بیان کرتا ہے تو اس کی مدد کرنے کے لئے تیار ہوتا ہے اور قیس سے لیلیٰ کا رشتہ کرنے کیلئے لیلیٰ کے باپ کے پاس پیام بھیجتا ہے۔

بعد یک پلوا کے قاصد تیز کام ۔۔۔ باپ کو لیلیٰ کے بھیجا یوں پیام
قیس سے لڑکی کا پانے کر تو بیاہ ۔۔۔ میرے خاطر سے ہو راضی خواہ مخواہ
خوب ہنگی نسبت یہ بیجا نہیں ۔۔۔ ایسا پھر داماد ملنے کا نہیں
کب تلک بٹھا رکھے گا اس کو تو ۔۔۔ بوج یہ کاندھے کا ٹالے گا کیہو
اس کی اس دیوانگی پر توں نجا ۔۔۔ بعد نسبت کے درست ہو جاویگا
ہے بہت لائق یہ لڑکا بات مان ۔۔۔ اُسکو تو اور سنا دیوانہ نجان
اس کی میں تو اپنے فرزندوں میں لے ۔۔۔ مان جا میرا کیا بیٹی کو دے
جتنا ہے درکار زر دیتا ہوں میں ۔۔۔ بل دو طرفہ شادی کر دیتا ہوں میں
گر تو لاویگا بہانہ درمیان ۔۔۔ دیکھ ہو ویگا بہت تیرا زبان
ہوویگی گر اس میں تجہ سے کرشی ۔۔۔ آ میں کرتا ہوں پھر شکر کشی
فوج لے آتا ہوں تیرے سر اوپر ۔۔۔ دم میں کر دیتا ہوں سب زیر و زبر
حال تیرا تب اگر ماضی ہوا ۔۔۔ فائدہ کیا جو اگر راضی ہوا
خوش بہ خوش یہ کام کرنا ہے بھلا ۔۔۔ لو ...... تو اپنی سر پہ لاتا ہے بلا
تجھ سے گر اس بات میں تکرار ہے ۔۔۔ خوب جانو میں ہوں اور تلوار ہے

(ص ۳۴۔۳۵)

لیلیٰ کا باپ اس رشتہ سے صاف انکار کرتا ہے۔ دونوں میں زبردست جنگ ہوتی ہے اور نوفل فتح حاصل کرتا ہے۔ جب لیلیٰ اس کے سامنے آتی ہے تو یہ قیس سے کئے وعدہ سے مکر جاتا ہے اور لیلیٰ کا عاشق ہو جاتا ہے۔

(کارڈ 96)

الغرض نوفل ہوا جب فتح یاب   اپنے وہاں منگوایا لیلیٰ کو شتاب
لائے اس محبوب کو جب اس کنے   دیکھ اس کی شکل خود ...... بنے
آپ اس کے حسن کا ہو مبتلا   بولا سودا قیس کا ہو کا بجا
یہ بھی اس معشوق کا عاشق ہوا   جو کیا تھا شرطہ اس سے پھر گیا
اس کے اُپر آپ راکھا ہے نظر   مارنے پر قیس کیے باندیا کمر

(ص۳٦)

نوفل اپنے وعدہ سے مکر جاتا ہے لیکن اس کو ایک محرم شربت میں زہر ملا کر دیتا ہے تو یہ اپنی جاں سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ اشعار ملاحظہ ہو۔

اپنے ایک محرم سے تب محض کہا   دو پیالے جلد شربت کے بنا
زہر قاتل یک پیالے میں ملا   صرف شربت کا بنا لا دوسرا
اپنے اس کے حکم پر ہو جلد تر   جام دونوں لادیا تیار کر
بھول کر خود زہر کا پیالہ پیا   جو کہ سادا تھا سو مجنوں کو دیا
جب کیا شربت سے انے زہر مار   بیکلی کرنے لگا سر مار مار
یوں اثر سم نے جگر میں کر کیا   تل ملا کر جس سے نوفل مر گیا
تن بدن سب اس کا...... ہوگیا   یک پیالہ ہوگیا
ہوگیا ہے دم میں قصہ ......   آرزو میں وصل کے پایا وصال

(ص۳٦)

قیس اور لیلیٰ کے سراپا کے علاوہ عزیز الدین نامی نے زید اور زینت کا مختصر سا سراپا بیان کیا ہے۔ زید اور زینت لیلیٰ کے پڑوسی ہیں۔ پہلے زید کا سراپا ملاحظہ ہو۔

ایک مرد آدمی تھا زید نام   زہد وتقویٰ میں تھا او عالی مقام
رات دن رہتا تھا حق کی یاد میں   دمبدم تھا نالہ و فریاد میں
کوئی فرض اس سے نہیں ہوتا قفا   جس قدر واجب تھا سب کرتا ادا

دانہ تسبیح سا او سے ہر صبح و شام شغل تھا ورد و ظایف کا مدام

(ص ۴۳)

زید کے اس مختصر سے تعارف کے بعد زینت کا تعارف اس طرح بیان کیا ہے، ملاحظہ ہو۔

وہ محل میں تھی اور یک استری رشک سے جس حسن کے جلتی پری
ناز و نخرے میں نہایت دلربا یک ادا میں دل کو لیتی تھی لبھا
مہر بھی گر دیکھتا اس مہکا روپ مثل ذرہ کرنے لگتا دوڑ دھوپ
زلف کافر اور آنکھیں ہے بلا عاشقوں کو قتل کرتی برملا
جو بلی اس کے گورے گورے واہ ہوا جسکے آگے چاند دستا روسیاہ
اس بت ظلم کا زینت نام تھا زیب پیراہن وہی اندام تھا
کیا کروں میں وصف اسکے چالکی زاہدوں کا زہد جو پامال کی
وہ بھی وہاں رہتے تھے لیلیٰ کے پڑوس جس طرح رہتی تھی گل کے پاس اوس
زید بیچارہ تھا اس کا مبتلا اس کے کاکل اس کو تھی جام بلا
عشق کا اس کے بھی ذوق وشوق تھا اس کے الفت کا گلے میں طوق تھا

ابن اسلام سے لیلیٰ کی شادی کی خبر زید ہی قیس کو بتاتا ہے۔

الغرض شادی کی لیلیٰ کی خبر زید بولا قیس سے یوں سر بسر
اب تو تیرے دلربا سے شاد کام ہے رقیب روسیہ ابن سلام
یہ حقیقت سن ہوا مجنوں تنگ غیرت کے اوڑا چہرے کا رنگ
جب سنایا یار کا احوال زید ہوگیا یکدست اس سے ناامید
خون دل آنکھوں سے جاری کردیا کوہ کا دامن لہو سے بہر دیا
بس کہ اس حالت سے ہوا س کو ہراس ہوگیا ہے سخت اس کا دل اداس

(ص ۴۴)

جب لیلیٰ زخمی ہوجاتی ہے اور اس کو علاج کیلئے طبیبوں کے لئے جایا جاتا ہے تو زید لیلیٰ کی اس حالت کو دیکھ کر

دوڑتا ہوا قیس کے پاس آتا ہے تو لیلیٰ کے زخموں کو قیس کے بدن پر پا کر حیرت زدہ ہو جاتا ہے پھر ایک دن لیلیٰ زید سے مدد چاہتی ہے۔ زید لیلیٰ کی مدد کرتا، ان دونوں عاشقوں کی ملاقات کا انتظام کرتا ہے اور خود بھی اپنی محبوبہ سے ملاقات کرتا ہے۔

آخر میں لیلیٰ اور قیس کی موت کے بعد ان دونوں کی قبر پر مجاور بن کر رہنے لگتا ہے۔

زید و مجنوں کا تھا جو راز دار　　غم سے کی فقیری اختیار
غم سے ان دونوں کے دنیا ترک کر　　ہو مجاور رہنے لاگا قبر پر
.... کرتا مدام　　خادم اس درگاہ کا تھا صبح و شام
دل جلاتا تھا وہاں شب آڑ روز　　اپنے سینے کو کیا تھا عود سوز
ان کو اس کے درد سے دل داغ داغ　　شب کو کرتا آنکھ سے روشن چراغ

(ص ۷۴)

اشرف ابن سلام

اشرف ابن سلام عرب ملک کا سردار ہے۔ یہ ہیروئن کا شوہر ہے۔ اصل ہیرو قیس کے مقابلہ میں یہ کردار بہت معمولی ہے۔ اس میں ایسی کوئی خوبی نظر نہیں آتی جو ہماری دلچسپی یا جذبہ کو متحرک کر سکے۔ کہانی میں اس کردار کی جھلک اسطرح دکھائی گئی ہے۔

اس میں ایک سردار صاحب اقتدار　　خوب صورت خوب لائق مالدار
حق دیا تھا شان و شوکت اس کے تئیں　　سب طرح سے تھی فراغت اُس کے تئیں
سیکڑوں رکھتا تھا اونٹوں کی قطار　　اور گھوڑوں کے طویلہ بے شمار
قوم میں اشراف نام ابن سلام　　روز لیتا تھا ہزاروں کے سلام
یہ بھی لیلیٰ کے خریداروں میں تھا　　اسکے کا کل کے گرفتاروں میں تھا

(ص ۴)

شادی کی رات ہی دلہن کے طمانچہ کی نظر ہو جاتا ہے لیکن پھر بھی اس کو منانے رچانے میں اپنا وقت گزارتا

ہے۔ جب قیس کے بارے میں جان جاتا ہے تو اس کو مارنے کا ارادہ کرتا ہے۔ تلوار لے کر جنگل پہنچتا ہے جہاں قیس کا مقام ہے۔ اس جنگل کے ہرن جو قیس کے دوست دار ہیں، اپنی سنگوں سے مار کر موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں۔ اشعار ملاحظہ ہوں۔

آرزو میں وصل لیلیٰ کے سوام
کیا کیا تدبیریں کیا ابن سلام

اس سے کرتا تھا سدا کیا کیا گرفت
بات کچھ ہوتی نہیں واں بیش رفت

رات دن کیوں کیوں مناتا تھا اسے
آپ بن جن کر رجھاتا تھا اسے

تا کسی صورت سے ہووے اپنے رام
پروہ چھڑ کاتی ہی رہتی تھی مدام

جب یہ جاتا وصل کی تجویز کا نہٹہ
دیکھ اس کو ڈالتی تھی بہوے میں وہ کانٹہ

دیکھتا یہ پیار سے اس کو اگر
کرتی وہ تھوڑے چڑھا تیڑی نظر

دل سے دونوں ایک ہیں جوں صبح و شام
یہ ہے باندھی اس کی وہ اس کا غلام

ہے یہ بد …… اسی کے واسطے
دل لگائی ہیگی اس دلدار سے

سن کے یہ غریت سے گل پانی ہو
قیس کا پھر دشمن جاتی ہوا

قتل مجنوں کے بڑا تدبیر میں
بے سبب عارم ہوا تعزیز میں

ایک دن غصے میں آ وہ بدخصال
مارنے کا قیس کے کر کر خیال

تیغ لے کر ہات میں کس کر کمر
چلدیا صحرا کو تنہا بے خطر

ڈھونڈنے لاگا ہے مجنوں کو وہاں
اس میں آیا کان میں شور و فغاں

چلدیا بے راہ اس آواز پر
آیا اتنے میں وہ دیوانہ نظر

کوہ کے دامنے میں بیٹا ہے ملول
بیتیں پڑھتا ہے اکیلا چھول چھول

طور سے دیکھو تو سودا باری
غور سے جو دیکھئے ہوشیاری

آنکھ کے پانی سے مٹی گھولتا
ہائے لیلیٰ ہائے لیلیٰ بولتا

جب اسے دیکھا ہے یوں ابن سلام
کچھ نہ سمجھتا یہ کہ غصہ ہے حرام

بات اس کی سن کے غصہ چیڑ گیا
مارے غیرت کے زمین میں گر گیا

اس کی حالت سے نہایت ہو خفا   قتل کو کر تیغ ننگی چل دیا
چاہا اس کو مارنے شمشیر سے   اس میں دوڑے جا ....
چوطرف رسید کرنے لاگے چوٹ   چوٹ سے ان کے سوا ہو لوٹ پوٹ
بسکہ سینگوں سے اسے مارے ہرن   قیمہ قیمہ ہوگیا اس کا بدن
خاک وخون میں یہ ادھر غلطاں تھا   قیس اپنے حال میں حیراں تھا
اس کی ح الت کی نہ تھی اس کو خبر   قافلہ آیا ہے یک اس راہ پر
دیکھ اس کی لاش پہچان نے تمام   روکے بولے ہیگا یہ ابن سلام
سخت اس کے حال پر افسوس کھا   دفن اس کو اس بیاباں میں کیا

(ص۴۹۔۵۰)

مکالمہ نگاری

مکالمہ کے معی لغت میں ''گفتگو'' اور'' خودکلائی'' وغیرہ کیھیں۔ عام طور پر ایک آدمی جب کسی دوسرے سے مخاطب ہوتا یا اپنے آپ سے باتیں کرتا ہے تو مکالمہ کا عمل شروع ہوجاتا ہے۔ مکالمہ میں دراصل احساسات اورجذبات کا تبادلہ ہوتا ہے۔ اس کی نوعیت مختلف اوقات میں مختلف ہوتی ہے۔ مکالموں میں فکر، مسرت، غصہ، کشمکش، اندرونی تصادم تمنائیں آرزوئیں، نفرت، محبت، انسیت، حیرت وغیرہ بہت سے انسانی اظہار تعاون کرتے ہیں۔ اس لئے مکالمہ کا ایک احساس وجود ہوتا ہے جو متحرک ہوتا ہے۔ جسے سماعت کی لہروں سے یا محسوسات کی انگلیوں سے چھوکر اس کے مزاج اور اسکی حرارت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ادب میں مکالمہ کا دائرہ بہت وسیع ہوتا ہے۔ یہاں محسوسات کو بھی زبان ہوتی ہے۔ نگاہیں بھی گفتگو کرتی ہیں۔ یہاں مراسلہ کو بھی مکالمہ بنادیا جاتا ہے اور خاموشی بھی تکلم کی ایک شاخ بن جاتی ہے۔ یہاں آنکھوں کی شوخیوں اور سروں کی جنبش سے بھی جملے پھوٹتے دکھائی دیتے ہیں۔ اسی لئے ادب میں مکالمہ کی بڑی اہمیت ہے اور اسے کرداروں اور واعات کی تہہ در تہہ تک رسائیوں کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ جہاں تک ''بہارستان عشق'' میں مکالموں کا سوال ہے عزیز الدین نامی کی پہلی مثنوی ''نو بہار عشق'' کی بہ نسبت بہت کم مکالمے ادا ہوئے ہیں۔ جب قیس مکتب میں لیلیٰ کو دیکھ اس پر دیوانہ وار عاشق ہوجاتا ہے تو قیس کا باپ بیٹے کو نصیحت کرتا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہو۔

کہنے لگا اے پسر یہ خوب نیں　　نیک نامی کا تو یہ اسلوب نیں
یہ حرکت عاقلوں سے ہے بعید　　عاقلان تجھ کو کہینگے نارشید
اپنی حالت پر تجھے کچھ غور ہے　　چھوڑ سودا کونسا یہ طور ہے
مت فضیحت کر تو بڈھے باپ کو　　دکھ شرما تو سہی تک آپ کو
چھوڑ دے جانے دے لیلیٰ کا خیال　　درد میں چنکے بھلے جی کو نڈال
عورتوں کی ذات بینگی بے وفا　　کوئی بھی دیکھتا نہیں ان سے وفا
ایک ادا سے پہلے کرتی مبتلا　　بعد کرتی ہنگی اس سے سو دغا
..........لیلیٰ تو کچھ پدمن نہیں　　کاے کہوں تجھ میں خرد لاکن نہیں
گر تجھے ہوتی ذرا عقل و شعور　　مٹی سے اس کے عشق کے کر جتانہ چور
کچھ نہیں اب بھی کیا ہے چھوڑ دے　　اس کیسے کو چھوڑ سیدھی راہ لے
ہاں اگر ایسا جوانی کا ہے جوش　　بول مجھ سے سر بسر مت ہو خموش
چنگی میں اپنے راحت سے تمام　　ایک لڑکے خوب صورت ماہ نام
ساتھ تیرے بیاہ میں کردوں گا اب　　خوش پلچل تو اس سے روز شب
کی نصیحت تیری خوبی کے لئے　　مت پھرے اس طرح بدنامی لئے

(ص ۲۳)

قیس باپ کی نصیحت سن کر اس طرح گویا ہوتا ہے۔

بولا یوں اے قبلۂ آماد من　　پاس لیلیٰ کے ہے دائم میرا من
روز و شب اسکا ہے دل میں دھیان ہے　　کچھ نہیں اس بن مجھے ارمان ہے
بند لرز ان کی طرح ہے میرا حال　　کسطرح رکھوں میں اپنے کر سنبھال
میری حالت کی وہی جانے خبر　　عشق نے جس کو کیا ہو در بدر
آپ جو فرماتے ہیں سو ہے بجا　　پر کروں کیا ہاتھ سے دل جا چکا
دل میں لاگا عشق کا تیت مجھے　　کب ہے رسوائی کا اندیشہ مجھے
میری قسمت میں جو ہونا تھا ہوا　　جی کو اپنے مت کرو ناحق خفا

جان سے اُس یار کا شیدا ہوں میں   عیش سے دو جگ کے لئے پرواہوں میں
نیں غرض رکھتا ہوں اب شادی میں   ہوں نپٹ آزوردہ آبادی سے میں
کام ہے مجھ کو خیال یار سے   کچھ نہیں مطلب رہا گلزار سے

(ص ۲۴)

سید عامر بیٹے کی بات سن کر حیران ہوتا ہے۔ باپ سید عامر کی خود کلامی ملاحظہ ہو۔

باپ......اس نے سنا جب یہ کلام   دل میں بولا ہے یہ حیرت کا مقام
بیٹھے بیٹھے اس پسر کو کیا ہوا   یہ مرض دستا ہے مجھ کو لا دوا
کیجئے جلدی سے اب کچھ اس کی راہ   ورنہ اس کی ہوتی ہے حالت تباہ

(ص ۲۴)

سید عامر بیٹے کی لیلیٰ سے نسبت کا پیام لے کر لیلیٰ کے گھر پہنچتا ہے۔ یہاں لیلیٰ کے باپ اور سید عامر کے درمیان گفتگو ہوتی ہے۔

رخت کو بے جفت رکھنا کیا حصول   ہے مناسب ہووے یہ نسبت قبول
ہے بنا بھی خوب اور بہتر بنی   گر بن آوے بات تو اچھی بنی
یہ ادا کرنا تو ہمیں فرض ہے   بوج اس کا بھی زیاد از فرض ہے
چاہتے ہو گر رضا صندیئے رب   لو اسے اپنی غلامی بیچ اب
ہے مناسب بات یہ دونوں طرف   گر قبول آفتد زہے غر و شرف
سن کے بولا باپ نے لیلیٰ کا یوں   اب قبولوں جاں بوج یہ بات کیوں
ہے تمہارے لڑکے کو سودے بخت   پاس اس کے ایکساں ہے فوقت تحت
آدمیت ہے نہ پاس ننگ ہے   کوہ میں حیوان تو نت سنگ ہے
عقل کی اس میں ذرا بھی بو نہیں   شخصیت کی اس میں کچھ بھی خو نیں
میں بلا لاتا ہوں اب سب کے حضور   بات کر کے دیکھئے اس کا شعور
صورت و سیرت دیا ہے حق اسے   بے ہنر مت بوجھو تم مطلق اسے
مت کہو اس میں نہیں اصلا تمیز   کوئی کم ہوویگا اس سا باتمیز

مت یو سمجھو اس کے ئین بے ہوش ہے　　　یہ جدائی کا سراپا جوش ہے
(ص ۲۵)

جنگل میں قیس کی نوفل سے ملاقات ہوتی ہے تو دونوں آپس میں گفتگو کرتے ہیں۔

پوچھا نوفل نے کہ ہیگا کون تو　　　کیوں پریشان اس قدر ہے ......
کیوں تو اس صحرا میں کرتا ہے گزر　　　حکم میں تیرے ہوئے کیوں جانور
کس لئے تو ہوگیا ہے جان　　　کس کیخاطر اپنا چھوڑا آشیان
جو حقیقت اپنی ہو سو بول یار　　　مت چھپا مجھ سے کہ ہوں میں دوست دار
مجھ سے یاری میں نہ ہوویگا قصور　　　ہیگی تجھ سے شخص کی یاری ضرور
کہنے لاگا قیس بے برگ ونوا　　　ہے میرے احوال سے واقف خدا
حال اپنا کہہ ہیں سکتا ہوں میں　　　عشق کی آتش لئے یکتا ہوں میں
آگ سے الفت کے میرے بند بند　　　جلتے جلتے جل گئے مثل پسند
کردیا لیلیٰ نے دیوانہ مجھے　　　اسلئے بہایا ہے ویرانہ مجھے
ناگ نے اس زلف کے دل کو ڈسا　　　بے طرح میں دام ماتم میں پھنسا
ہے اسے کے چشق سے یہ پیچ وتاب　　　ہوگیا اس کے سبب خانہ خراب
میں بھیاس غم سے گیا بن جانور　　　اس لئے آتے ہیں مجھ کن جانور
مجھ کو دیکھے اس طرح جب اپنا رام　　　چوکڑی بھولے ہرن اپنی تمام
سن کے یہ نوفل بہت افسوس کہا　　　بولا ہے اللہ مت ہوگیا برا
حکم سے اللہ کے لیلیٰ کے تیئں　　　تجھ سے لاکر اب ملا دیتا ہوں میں
جتنی کوشش ہو سکے گی مجھ سے آج　　　یوں کروں خوش جس میں ہو تیری مزاج
دم بہ دم خوش ہو تو اب مت رہ خریں　　　آج ہے ...... تجھ سے جانب نہیں
(ص ۳۳۔۳۴)

جب قیس کو ایک پیر کے پاس لے آتے ہیں تو پیر سے قیس اس طرح کہتا ہے۔

دن بدن الفت ہو لیلیٰ کی زیاد　　　غم میں اس کے میں رہوں حیران شاد

عشق کی آتش سے جلتا رہوں
موم بتی کے طرح گلتا رہوں
(ص ۳۸)

قیس کے دردوغم کو سن کر پیر اس طرح دعا دیتا ہے۔

یا الٰہی عشق میں کر اس کا نام
عش کی مستی میں رکھ اس کو صدام
درد الفت سے اسے دمساز رکھ
دوستی کے بھید سے ہمراز رکھ
کر اسے محرم حقیقی عشق سے
رنج اور محبت میں اس کو صبر دے
دے اسے یا رب کمال عاشقی
سر ہو اس کا پائے مال عاشقی
(ص ۳۹)

پیر کی یہ دعا سن کر سید عامر پیر سے کہتا ہے۔

یہ دعا جب باپ نے اس کے سنا
کہنے لاگا دیو مت یہ بد دعا
میں نے لایا آپ کے قدموں کے پاس
اس کی تا اوے ٹھکانے پر حواس
اپنے سودائی پنے سے باز آئی
رنج سے ہر روز کے آرام پائے
اس پیر کے پیچھے میں خوں بار ہوں
آپ یوں فرمان پہ لاچار ہوں

اس طرح سید عامر کی بات سن کر پیر پھر سے یوں گویا ہوا۔

کہنے لاگا اس سے یوں وہ مردحق
مجھ کو تجھ سے زیادہ ہے حلق
پر یہی ہے اس کی قسمت کا لکھا
ہے اسی میں تیرے لڑکے کا بھلا
اس کو تو اس کی رضا پر چھوڑ دے
سونپ کر فضل خدا پر چھوڑدے
عشق میں لیلٰی کے یہ مجذوب ہے
اس کے حق میں یونہیں رہنا خوب ہے
مت ستا پھر اس کے دل کے تیئں کبھی
ہے اسے اور تجھ کو اب بہتر یہی
(ص ۳۹)

زید جب قیس کے فراق میں لیلٰی کی بدحالی دیکھی تو یہ حال قیس کو بتاتا ہے اور قیس کو تسلی دیتا ہے۔

کر بہت فہمایش اس کی زید تب — بولا غم مت کھا تو بولوں روز شب
ہے خدا تیرا تو چندی صبر کر — آہ کو تیرے بھی دیویگا اثر
ہوگئی باہم کے باتوں بیچ شام — زید سمجھا کر کیا پھر کر سلام
(ص۵۴)

لیلیٰ کے بکریوں کے چرواہے سے جب قیس کی ملاقات ہوتی ہے تو اس سے لیلیٰ کا حال دریافت کرتا ہے۔ دونوں کے مکالمے ملاحظہ ہوں۔

پہلے پوچھا کیوں ہے لیلیٰ کا مزاج — کیا مرض ہے کیون کرتا ہے علاج
دیکھ اس کہتے ہیں کیا اس کے سگے — مجھ سے کہہ احوال وہ گر کہہ سکے
جب سنان یہ حرف مجنوں سے سنا — حال اس کا جو سنا تھا سو کہا
بولا میری پہونچ ہو اس جا کہاں — پر خبر ہے فصد کے کل سے وہاں
قیس پھر اس سے کہاے دوستدار — ہے ستم مجھ پر عجب لیلیٰ و نہار
ہجر کے غم میں نکل جاتا ہے جاں — اب نہیں برداشت کی تاب وتواں
دل میں میرے ایک اب ارمان ہے — گر قبولے تو بڑا احسان ہے
بکریاں لیجا ویگا جب شام کو — یہاں ستی اس دلربا کے گھر کو تو
(ص۵۵)

قیس کی ماں بیٹے کے غم سے پریشان ہوجاتی ہے۔ قیس کو ہر طرح سے سمجھانے کی کوشش کرتا ہے۔ اپنے بھائی سلیم عامری سے قیس کو بہلا پھسلا کرلانے کو کہتی ہے۔ سلیم عامری قیس کو اس طرح سمجھانے کی کوشش کرتا ہے۔

ماں تیری تجھ بن ہے ہر دم بیقرار — خیال تیرا ہے اسے لیل و نہار
تیرے پیچھے وہ بھی دیوانی بنی — ہوگئی ہے اس الم سے ......
وہ ترستی ہے تیرے دیدار کوں — یہاں پڑا ہے چھوڑ تو گھر بار کو
اب مجھے بھیجے ہے سمجھانے کے تئیں — پاس تجھ کوا پنے لئے آنے کے تئیں
ہے غنیمت دیکھنا ماں باپ کا — تیرے پر سایہ رہے اُن کا سدا
(ص۵۹)

تب کہا ہے قیس نے اے ماموں جان — کیا کروں اپنی خرابی کا بیان
دل نہ سینے میں نہ دلبر پاس ہے — ابتو جینے سے نہ مجھ کو آس ہے
رات دن لیلیٰ کا سودا ہے مجھے — خوش نہیں آتا بجز صحرا مجھے
دل میرا ہے عشق کے آتش سے پور — اس لئے رہتا ہوں سب سے دور دور
یار کو دیکھا ہوں جب اس دشت میں — کیوں نہ دائم یہاں رہوں میں گشت میں
دل میرا ہے عشق کے آتش سے پور — اس لئے رہتا ہوں سب سے دور دور
یار کو دیکھا ہوں جب اس دشت میں — کیوں نہ رائم یہاں رہوں میں گشت میں
خوش لگا ہے مجھ کو جنگل کا مقام — کچھ نہیں میں شہر سے رکھتا ہوں کام
والدہ کے تیئں قدم بوسی کہو — کہیو میرا ہر گھڑی مت غم کرو
تھا لکھا یوں ہیں میرے تقدیر کا — چل نہیں سکتا ہے یہاں تدبیر کا
(ص۵۹)

کرداروں کی ترتیب میں حسن سلیقہ سے کام ضرور لیا ہے لیکن جب یہی کردار اظہار جذبات واحساسات کی منزل میں آتے ہیں تو ان سے ایسے مکالمے ادا ہوئے ہیں جو قاری پر اپنا اثر چھوڑ جاتے ہیں جب مکالمے ادا ہوئے ہیں تو طویل وسیع جملوں کی روانی، بے ساختگی اور معنی خیزی بلاشبہ ہمارے ذہن میں ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔

جیسے قیس جب اپنی ماں کی نصیحت سے اس کو کسی قدر چین وسکون نہیں آتا ہے تو وہ خود اپنی ماں سے پھر یوں گویا ہوتا ہے۔

یو کہا قیس نے اما جنی — ہے میرے دل پر عجب جان کندنی
حال میں اپنے کہہ سکتا نہیں — جی میرا ہرگز کہیں لگتا نہیں
زندگی سے دل میرا بیزار ہے — کیا کہاں مجھ کو عجب آزار ہے
دل میرا یک لخت ڈاواں ڈول ہے — یہ دلواز سخت دلپر حول ہے
چین میرے دل کا لیلیٰ کے گئے — داغ غم سینے میں میرے دگیئے
کون جانے کیا میرا احوال ہے — یک گھڑی مجھ پر گزرتا سال ہے
دیکھتا ہوں میں اس شور و گداز — نیک وید کی کچھ ن ہیں ہے امتیاز

گرچہ مجھ سے باپ نت نہ شاد ہے پر کروں کیا عشق کا درزاد ہے
دل کو سینے میں ہے بیتابی نصیب جوں قفس میں ہووے بیکل عندلیب
تم کو کیا حاصل ہے غم کھانے سے اب کیجئے کیا تھی یہی مرضی رب
مت گڑ وہ ہر دم کہ ہے پرور دگار اس کو بندوں پر ہے ستر ماں کا پیار
(ص۶۱)

قیس ماں کے جذبات کو نظر انداز کر کے جنگل میں ہی زندگی گزارنے کی ضد پر قائم رہتا ہے۔اسی طرح جنگل میں جانوروں کے ساتھ زندگی گزارنے لگتا ہے۔ایک دن صیاد کے جال میں ہرن پھنس جاتا ہے تو اس ہرن کو بچا کر خود اس صیاد کے دام میں پھنس جاتا ہے۔یہ احوال دیکھ کر صیاد کہتا ہے۔

کیوں تو چھوڑا بے سبب میرا شکار ہیگا دیوانوں سا تیرا کاروبار
میرے بچوں کا تھا قوت یہ آج کا کیوں میری محنت کے تیئں ضائع کیا
کردیا نقصان میرا سر بسر اپنے بچوں کو کھلاؤں تیرا سر
اپنے پاؤں بیچ کیوں پاندھا ہے دام طور سودا یوں سا ہے تیرا تمام
جلد پیدا کردے اب میرا شکار ورنہ کرتاہوں گا میں تیرا شکار

اس پر قیس صیاد سے کہتا ہے۔

قیس بولا تب وہ ہے تقصیر تھا یہ دیوانہ لائق زنجیر تھا
اس لئے چھوڑ اس کو میں اکر پھسا پانوں کو میں اپنے پھاندے کے کہا
مجھ سا ہے کوئی کہاں تقصیر مند ہے بجاگر میں رہوں یوں پائے بند
پھر رہا ہوں ہوچکا رہ میں یہاں نہیں کیا تھا کچھ خطا وہ بے زبان
چشم سے دل برکے میرے لا کلام آنکھ میں اس کے شباہت ہے تمام
قید میں اسکو میں دیکھوں کس طرح جی میرا اس غم سے کیوں پاوے خرح
عین نسبت ہے وہ دل آرام سے کیوں نہ چھوڑوں اس ہرن کو دام سے
چشم بدسا گرچہ عاشق دور ہے پر رعایت اس کی نت منظور ہے

صیاد اس بات سے قیس کا پیچھا نہیں چھوڑتا کہتا ہے کہ اس شکار کے بدلے اس کا مول دے تب قیس نے اپنے کپڑے اتار دیئے۔ صیاد اس پر راضی ہوگیا۔ دونوں کے مکالمے ملاحظہ ہوں۔

ایسے باتیں مکر کے مجھ سے نہ بول　　　یا میرا آہود سے یا دے اُس کا مول
ہے قسم مجھکو نہ چھوڑوں گا تجھے　　　ان بہانوں سے مت پھسلا مجھے
آج بچوں کو میں اپنے کیا کھلاؤں　　　کس طرح میں گھر کو خالی ہاتھ جاؤں
کھودیا تو ہاتھ سے میرا ہرن　　　لے تجھے جاتا ہوں اب کوتوال کن
اس شکاری سے کہا مجنوں نے تب　　　اس قدر کرتا ہے کیوں مجھ پر غصب
جو بدن میں میرے کپڑے ہیں سولے　　　ائے ستم گر میرا پیچھا چھوڑ دے
ہے ہرن کے مول سے اعد و لباس　　　مت کر اس آہو کے ...... ہر اس

(ص ۶۴ تا ۶۵)

زید جب لیلیٰ کو قیس سے ملاتا ہے تو قیس اور لیلیٰ کے درمیان گفتگو کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے سے اپنے احوال بیان کرتے ہیں۔

قیس کے مکالمے ملاحظہ ہو۔

ائے پیاری کیا تیرا احول تھا　　　کس قدر دل پر تیرے جنجال تھا
کون سمجھا کر سلاتا تھا تجھے　　　کوں افسانہ سناتا تھا تجھے
دل بہلتا تھا تیرا کس کام سے　　　روز و شب کٹتا تھا کس انجام سے
کون کرتا تھا تسلی بھی کبھی　　　تھا کوئی اس غم میں تیرا دوست بھی
کون کرتا تھا دلاسا دم بہ دم　　　کس طرح ہوتا تھا کم ہ درد و غم

(ص ۶۷)

قیس کی اس بے قراری وفکر کا جواب لیلیٰ اس طرح دیتی ہے۔

بولی لیلیٰ نے آجی میں کیا کہوں　　　اپنی شب کا حال یا دن کا کہوں
دوست جو تھے ہوگئے دشمن تمام　　　طعن مجھ پر کرنے لاگے خاص و عام
باپ صورت سے میرے بے زار ہے　　　ماں کو میرے نام سے انکار ہے

دیکھ میرا تو رب دائی دوا — مجھ کو تنہا چھوڑ کر ہوگئے جدا
سب نے ٹھرائے ہیں مجھ کو خبط ہے — اس لئے مجھ پر عجب کچھخبط ہے
باپ ماں کہتے ہیں دیوانی مجھے — سخت وحشی ہنگی حیرانی مجھے
گھڑتے گھڑتے حال کچھ باقی نہیں — ہورہی ہوں جوں خطہ چین جین
اب بھی مجھے جینے کا کچھ اسلوب ہے — موت کے بن کچھ نہیں مرغوب ہے
کھانا پینا مجھے سے چھوٹا ایک دم — اس کے بدلے رات دن کھاتی ہوں غم
کوئی نعت دل کے تیئں بھاتی نہیں — یک نوالہ روز شب کھاتی نہیں
نیند میری اڑگئی ہے ایک لخت — ہاں مگر ہر دم میرا سوتا تھا بخت
کیا کہوں اپنے نصیبوں کا ستم — دم بہ دم رہتے ہیں میرے چشم نم
اگے ہے نابود ہوتی کاش کے — خوب تھا مٹی میں سوتی کاش کے
یا نہ پیدا ہوتی میں دنیا کے بیچ — تا نہ پڑتی آج اس ...... کے بیچ

(ص ۶۷۔۶۸)

اسی طرح ان دونوں کے درمیان گفتگو کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ آخر میں قیس لیلیٰ کی رسوائی کے ڈر سے الگ ہوجانا ہی مناسب جانتا ہے لیکن لیلیٰ اس جدائی کو برداشت کرنہیں پاتی۔ آخرکار موت کے قریب پہنچ جاتی ہے اور اپنی ماں سے اپنی نافرمانی پر معافی مانگتی ہے۔ بستر مرگ پر لیلیٰ ماں سییوں کہتی ہے۔

اس مرض میں ہے میری حالت عجب — کچھ نہیں آتا نظر جینے کا ڈھب
مھ پہ قوت ضعیف کی ہر آن ہے — جاں دنیا بیچ اب مہمان ہے
حکم سے تیرے کئے ہر دم عدول — کی نہیں تیرے نصیحت کو قبول
خود بسری کرتے رہے دن اور رین — ہے میرے گردن پہ حق والدین
تیرے فرمانان بجا لائے نہیں — مجھ سے تو فرصت کا پھل پائی نہیں
ابمیرا ہے وقت آخری خلاف — بولا چالا سو سو جو کیجئے معاف
عاجزی پر رحم سے کر یہ عطا — بخش اگلے پچھلے میرے سب خطا
بخش اے ماں جو پلائی مجھ کو دود — تا کرم مجھ پر کرے رب و دود

بعدم یرے موت کے میرا سلام	کہہ میرے دل برکو اور دے یہ پیام
زندگانی اس کو بس آخر ہوئی	آج تیرے عشق میں لیلی موئی
تیری الفت......کئی ہے زیر خاک	پاک آئی تھی گئی ویسی ہی پاک

(ص ۱۷)

ان مکالموں میں احساس وجذبات کی لہریں اور دل کی دھڑکنیں ساتھ ساتھ رواں دواں ہے۔ان مکالمات میں ایک دوست کی محبت ایک ماں کی ممتا، ایک محبوب کا دردوغم ایک ماں کا اولاد کی خاطر کرب جیسے احساسات کی بڑی اچھی ترجمانی ملتی ہے۔اس مثنوی میں وسیع مکالمے بیان کئے گئے ہیں اوران پر اثر مکالمے کے بعد چھوٹے چھوٹے مزید مکالمے بھی ہیں۔

منظر نگاری

مثنوی میں فرضی اور حقیقی دونوں طرح کے واقعات منظوم ہوتے ہیں۔ان میں تاثر پیدا کرنے کے لئے منظر نگاری کی شدید ضرورت ہوتی ہے تا کہ قصہ کے تسلسل میں ایسی فضا بن جائے جو قاری کو مکمل طور پر اپنی گرفت میں رکھے اوران کے ذہن ودل کو مسرت وفرحت کا سامان ہو سکتے اور یہ کیفیت منظر کشی کے ذریعہ ہی ممکن ہوسکتی ہے۔جہاں تک مثنوی ''بہارستان عشق'' میں منظر کشی کا سوال ہے تو یہ واضح ہے کہ اس مثنوی میں منظر کشی کا بہت ہی کم استعمال کیا گیا ہے۔

جب لیلی قیس کی جدائی میں نہایت بیقرار ہوجاتی ہے تو باغ کی سیر کرنے کا ارادہ کرتی ہے۔اس باغ کا نقشہ اس طرح کھینچا گیا ہے۔

دیکھئے جاکر تماشا ...... باغ کا	اس سے شاید کم ہو سوار سداغ کا
دستہ باری گر کرے اپنے نصیب	اس بہانے سے نظر آوے حبیب
باپ کا اس کے تھا ایک باغ تھا	جس سے سینہ میں ارم کے داغ تھا
روز شب سرسبز مثل آسمان	اس جگہ ہرگز نہ تھا دخل خزاں
کیا کہوں پھولوں کی کھلنے کی بہار	چو طرف پھولا ہوا تھا لالہ زار
ہر جگہ خوشبوئی کی مہیا کار تھی	پرورش عطار کی بازار تھی

کہیں پھولا چنبیلی اور گلاب اورکہیں چنپا کھڑا با آب تاب
نرگس و سوسن کا تھا عالم جدا کھل رہا تھا رائی بیل اور موگرا
تھے کئی تختے گل و صد برگ کے منتظر بلبل کے شادی مرگ کے
اس طرح سے تھے بھرے میوے کے جھاڑ تھے کھڑے گویا کہ میوے کے پہاڑ
ایکطرف انگور کے منڈوے تمام یک طرف انجیئر کا تھا اژدہام
کیا کہوں سبو بھی گل موزو انار تھے درختاں آم کے بھی بے شما
قوت شفا لو اور عین الناس بیر دیکھتے ہے جس کو دل ہوجاوے سیر
تھے فواکہ وہاں کئی اقسام کے جھاڑ لاکھوں سے گلابی جام کے
تھے عجب اس باغ کی با سج روش جس کے آگے تھے فلک کے کچھ روش
سب زمین الماس سے سونے سے ریت خوشنما مثل زمرد سبزم کھیت
حوض با فوارہ ہر یک جامیں تھا صاف آب ہنر جاری جا بجا
ہر جگہ ٹھنڈی ہوا سترے مکان چھاؤں جسکی دیکھ دل پاتا تھا جاں

(ص ۳۰۔ ۱۳)

ان اشعار میں عزیز الدین نامی نے پھولوں میں چنبیلی، چنپا، نرگس، سوسن رائی بیل، موگرا کا ذکر کیا ہے اور پھلوں میں انگور، انجیر، موز، انار، آم، شفتالو اناناس اور گلابی جام کا ذکر کیا ہے۔اس کے بعد خوشنما کھیت کا بیان اور پھر حوض فوارہ اور ہنر ٹھنڈی ہوا کا ذکر کیا ہے۔اسی طرح اس باغ میں شام کا منظر اس طرح بیان کیا ہے۔

ہوگئی آخر تو ان اتوں میں شام ہوگیا سن سان وہ گلشن تمام
جبکہ دونوں وقت باہم مل گئے پھول خشبو کے تمامی کھل گئے
آسمان پر بھی نکل آئے نجوم اور دل پر ہوگیا غم کا ہجوم
اس طرف ظاہر تھا جلوہ ماہ کا اس طرف روشن تھا شعلہ آہ کا

(ص ۳۲)

عزیز الدین نامیؔ نے اس مثنوی میں جانوروں کا بھی ذکر کیا ہے لیکن اس جنگل کی صاف تصویر کشی ظاہر نہیں ہوتی۔قیس جنگل میں ہی اپنا جائے مقام بناتا ہے، اس مجنوں کے اطراف جانور بھی مجنوں بنے ہوئے ہیں۔

قیس کو انسانوں سے وحشت اور حیوانوں سے انسیت ہے۔

وحشیوں کے سات دائم بود باش
گھاس وبتوں کو کیا اپنی معاش

جانور بھی سب دل سے اس کے رام تھے
بند اس کے حکم میں بے دام تھے

پاس اس کے رہتے صحرائی ہرن
وارتے تھے اس پہ اپنا جان و تن

حق نے اس کو کردیا ایسا بزرگ
مانتے تھے جس کے سب شیر و گرگ

اس کنے کوئی آدمی آتا اگر
آنے ہیں دیتے تھے ہرگز جانور

گر کسی کو قیس کرتا تھا طلب
جانور اس سے جدا ہوتے تھے سب

وہ گئے کے بعد آتے بے ہراس
بکریاں جس طرح چروتی کے پاس

اسطرح رہتا غرض جنگل میں وہ
مل کے سب حیوانوں کے ڈنگل میں وہ

(ص ۳۲)

نوفل کی ملاقات قیس سے ہوتی ہے تب قیس اپنے عشق کا المناک واقعہ بیان کرتا ہے تو اس کی مدد کے لئے نوفل راضی ہوتا ہے جس کی خاطر نوفل لیلی کے باپ کے پاس پیام بھیجتا ہے کہ قیس اور لیلی کا نکاح کیا جائے ورنہ جنگ وجدال کرنے کی دھمکی دیتا ہے تو لیلی کا باپ ان کے نکاح سے صاف انکار کرتا ہے۔ ایسی صورت میں ان دونوں کے درمیان زبردست جنگ ہوتی ہے۔ نوفل اپنی فوج لئے میدان جنگ میں حاضر ہوتا ہے، اشعار دیکھئے۔

جب چلا لشکر کوے با طمطراق
ہو مسلح پہلواناں عراق

لوگ ادھر کے بھی ہوئے تیار سب
ہو مسلح پہلواناں عرب

ادھر ادھر سے جو دونوں مل گئے
خواب آپس میں دلیراں بل گئے

دوطرف سے تیغ یوں چلنے لگے
جس کے صد میں سے نہیں ہلنے لگی

ہونے لاگا اس طرح جنگ و جدل
کانپتی تھی دیکھ کے جس کو اجل

ہر طرف تلوار ننگی ہوگئی
کچھ عجب وہاں خانہ جنگی ہوگئی

جب ہوئی شمشیر مردوں کی علم
ہوگئے ہیں سر ہزاروں کے قلم

چلنے لاگی ہے دو طرفہ بس کہ تیر
ہوگئے قرباں سب یک جسم غفیر

لڑنے لاگے ہیں پیاپے صف بصف
حکم نوفل کا ہوا تیر ہدف

مار کر ایسا کئے ہیں ان کو پست ہوگئی ہے بے طرح اُدھر شکست
جبکہ دیکھے لوگ آدھے گھٹ گئے جو رہے باقی سو ڈر کر ہٹ گئے
اس طرف کے بھی کئی مارے گئے واسطے مجنوں کے وہ وارے گئے
(ص ۳۵۔۳۶)

اور ایک جگہ عزیزالدین نامی نے کالی رات کا منظر بیان کیا ہے۔

وہ اندھری رات اس پر بدستم کیوں نہ ہو وے مبتلائے دردغم
اس کے حق میں تھے چنگاریاں شب نہ تھی گویا وہ تھا کالا دھواں
(ص ۵۴)

الغرض عزیزالدین نامی نے اس مثنوی میں رسم و رواج، مناظر قدرت وغیرہ کی منظر کشی کو نہایت مختصر الفاظوں میں سرسری طور پر بیان کیا ہے۔

زبان و بیان

زبان و بیان کی حیثیت سے یہ مثنوی کسی قدر کمزور نظر آئی ہے۔ اس مثنوی کا مطالعہ قاری کو توجہ کا باعث نہیں بنتا۔ اس مثنوی کی زبان سادہ ہے۔ عزیزالدین نامی نے ٹھیٹھ دکنی زبان اختیار نہیں کی بلکہ اس میں نہایت ہی صاف اور عام فہم اردو کا استعمال کیا ہے۔ چنانچہ اس مثنوی کی زبان سے متعلق سبب تالیف میں لکھتے ہیں۔

اس لئے میں اس کی کر کے پیروں بولتا ہوں گا یہ ہندی مثنوی
گر زمانہ دیویگا مزمر شتاب بولوں گا ہندی میں خمسے کا جواب
(ص ۱۶)

مثنوی کے آخر میں لکھتے ہیں۔

نظم یہ اردو زبان میں میں کہا فکر میں اس کے .... سہا
روزمرے میں جو ہو اس کے خلل یہاں نہیں ایراد کا ہرگز محل
.... یہاں کے لوگوں کی زبان دکنی تمام
(ص ۷۶)

سبب تالیف کے اشعار میں اس مثنوی کی زبان کو ہندی لکھا ہے اور مثنوی کی آخری سرخی میں اردو زبان، کہا ہے۔ دراصل لفظ ہندی اور اردو ابتدائی زمانے میں ایک ہی زبان کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ موجودہ دور میں مبان ہندی اور زبان اردو دو مختلف زبانوں کے طور پر جانی جاتی ہے۔

عزیز الدین نامیؔ نے اس مثنوی میں صنائع بدائع کا کم ہی استعمال کیا ہے۔ لیکن محاورے اور روزمرہ جملوں کا اچھا استعمال کیا ہے۔

محاورات کے چند اشعار یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

خوب صورت سر بسر مہتاب سا　　پاک طنت تھا دل احباب سا
(ص۱۸)

بات اس کی سن کے غصہ چڑ گیا　　غیرت کے زمین میں گڑ گیا
(ص۴۹)

آنکھ کے پانی سے مٹی گھولتا　　ہائے لیلیٰ ہائے لیلیٰ بولتا
(ص۴۹)

میں نے بدنامی قبولی ہوں تمام　　اس کی تو کھچڑی پکاویں خاص عام
(ص۵۳)

عشق کی یہ آنچ بجھتی ہے کہیں　　یہاں کسی کی دال بھی گلنے کی نہیں
(ص۵۳)

دم نہ کھا وینگی کسی کی بات سے　　ہاتھ دھوئی میں نے دال وبھات سے
(ص۵۳)

ایک تھا اندھے کی لاٹھی سا میرا　　بے طرح سے اس کو اب یہ گہن لگا
(ص۵۸)

آ پڑا سر پر میرے غم کا پہاڑ　　خانہ دل ہوگیا ہے سب اجاڑ
(ص۶۰)

سارا چمپرا یوں ہوا بے آب وتاب   جوں کہ گہن لاگے ہے بعد از آفتاب

(ص ۷۰)

کہانی بالکل سیدھی سادی ہے۔ کہیں پر بھی جھول نہیں اور قصے کو بے جا طول نہیں دیا گیا ہے۔ قصہ عربی اصل ہے۔ مسلمانوں کی تہذیب و معاشرت کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ کہانی میں سادگی و سلاست ازل تا آخر تک برقرار ہے۔ کہانی میں جو روزمرہ کی بول چال کے محاورات استعمال کئے گئے ہیں۔ وہ عزیز الدین نامی کی قادرالکلامی اور وسعت معلومات کا پتہ دیتے ہیں لیکن عزیز الدین نامی نے جتنے ماورات، روزمرہ اور ضائع و بدائع کا اپنی پہلی مثنوی ''نو بہار عشق'' میں استعمال کیا ہے۔ یہ انداز اسلوب اس مثنوی بہارستان عشق، میں نہیں استعمال کیا گیا ہے۔ سرسری طور پر ہی چند واقعات کو سمیٹ کر کہانی کو مکمل کیا گیا ہے۔

لسانی نقطہ نظر سے یہ مثنوی اہم قرار پاتی ہے۔ متن کا اصلا قدیم انداز نگارش کے مطابق ہے لیکن اصلا میں دوسری زبانوں کے الفاظ اور مقامی رنگ بھی نمایاں ہے۔ جیسے پونچاوے = پہنچائے، ہیتی = رہتی، لکہا = لکھا، پیچے = پیچھے، دونو = دونوں، اوس = اُس، نیں = نہیں، بہائیاں = بہت سے، ہینگے = ہوں گے، دستا = دیکھتا، طو = تو، عارم = آرام، کوں = کو وغیرہ وغیرہ۔

ہائے شکن اور ہائے مخلوط میں بھی فرق نہیں کیا گیا ہے۔ پائے معروف اور بائے جمہول میں بھی امتیاز نہیں رکھا گیا ہے۔ متن میں بعض مقامات بر ہائے معکوس حرف (ٹ، ڑ، ڈ) پر ''ط'' کی علامت کے بجائے چار نقطے اور کہیں کہیں دو زبر ''// کا استعمال کیا گیا ہے لیکن بعض الفاظ پر 'ط' کی علامت کا استعمال بھی ملتا ہے۔ حرف پر باقاعدگی کے ساتھ نقطہ لگائے کا التزاز نہیں ہے۔ عدم نوں کی صورت میں بھی نقطہ لگایا گیا ہے۔

اس مثنوی میں قدم الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے جیسے نہیں کے لئے ''نیں'' کو، کے لئے کوں، اُس کے لئے ''اوس'' اُن کے لئے ''اون'' دیگر کو ''دگر'' لکھا گیا ہے۔ کبھی کیلئے کبوہ، کیوں کیلئے کاہے وغیرہ۔ اسی طرح ''ک'' کے دو مرکز بکثرت ایک مرکز کے ساتھ 'ک' لکھا گیا ہے اور کہیں اس کے برعکس بھی لکھا گیا ہے۔ متن میں دو لفظوں کا ملا کر لکھا گیا ہے۔ مثلاً راتدن = رات دن، اُسکا = اس کا، نہوا سدن = اس دن اس طرف = اس طرف اور اسی طرح تین لفظوں کو ملا کر لکھا گیا ہے جیسے بیطرحے = بے طرح سے اسطرحسے = اس طرح سے اوسکن = اس کے پاس وغیرہ وغیرہ۔

مثنوی ''مدینۃ الانور''

دنیا اردو ادب میں سیرۃ النبی پر وسیع ذخیرہ محفوظ ہے۔ شاید ہی ادبی جہاں میں کسی ریفارمر، کسی مصلح یا کسی عظیم شخصیت کے حالاتِ زندگی اور سوانح کو ائف مرتب ہوئے ہوں جس قدر آنحضرت رسول کریم کے حالاتِ زندگی تحقیق اور کدو کاوش سے جمع کئے گئے یا شائع کئے گئے ہیں۔ نصیر الدین ہاشمی لکھتے ہیں۔

> ''مورخین، محدثین اور مفسرین نے آپ کے حالات جمع کرنے اور
> ان پر تنقیدی نظر ڈالنے، روایت اور روایت پر موشگافی کرنے رد و قدح
> کرنے کا کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا۔ غرض کہ آپ کی سیرت کا کوئی پہلو ایسا
> نہیں ہے جس پر متقدمین نے روشنی نہ ڈالی ہو (۱)''

نصیر الدین ہاشمی کا یہ دعویٰ بالکل درست ہے۔ عربی ہو یا فارسی یا ہو اردو یا پھر غیر زبانوں میں بھی سیرت طیبہ پر لکھا جا چکا ہے۔ ارکاٹ کے شاعر عزیز الدین نامی نے بھی ''مدینۃ الانوار'' کے نام سے اسی موضوع پر مثنوی لکھی ہے۔ کتب خانہ سالار جنگ میں اس مثنوی کے دو نسخے ملتے ہیں، ایک نسخے کا سالِ تصنیف ۱۲۱۳ ہے اور کتابت ۱۲۱۶ء کی ہے۔ مخطوطہ کا اندراج نمبر (971) ہے۔ راقمۃ الحروف نے اس مخطوطہ کا مطالعہ کیا ہے۔ اس کے اندرونی صفحہ پر نسخہ کی تمام تفصیلات درج ہے جس کے مطابق مخطوطہ کا سائز 7X41/2 ہے سطور فی صفحہ (12) خط نستعلیق میں تحریر ہے۔ اس مخطوطہ کی تاریخ تصنیف 1213 ہجری اور جملہ اوراق کی تعداد (112) ہے۔ عنوان نثر میں فارسی زبان میں تحریر ہے۔ مخطوطہ کا خاتمہ ''تحت'' لکھا ہوا ہے اور سالار جنگ کی مہر ثبت ہے۔

اس کتب خانہ کی بیاض میں 8 مثنویاں ہیں جن میں عزیز الدین نامی کی مثنوی مدینۃ الانوار بیاض کے آخر میں درج ہے۔ عنوانات کی جگہ خالی ہے۔ شاید کاتب نے آمد جگہ چھوڑی ہے۔ اس بیاض کا اندراج نمبر (970) ہے، خط نستعلیق ہے۔ بیاض کے کمل صفحات 594 ہیں جس میں مثنوی کے اوراق (74) ہیں۔ نسخہ کا سائز 12X18 ہے اور ہر صفحہ پر جدولوں کے تحت اشعار لکھے گئے ہیں۔ فی صفحہ سطور کی تعداد (17) ہے۔ سنہ تصنیف 1214 ہے خاتمہ اس طرح لکھا ہوا ہے۔

> ''تحت الکتاب بعوان الوہاب بتاریخ یازدہم شہر جمادی الثانی بروم
> جمعہ بوقت مغرب ۱۲۱۴ھ کاتب الحروف عاصی پر معاصی سید علی بن سید

ملک برائے خواندن سید دستگیر صاحب (2)"

بیاض نمبر (970) اس میں شامل مثنوی "مدینۃ الانوار" کی تفصیلات کو نصیر الدین ہاشمی نے "فہرست مخطوطات کتب خانہ سالار جنگ" میں لکھا ہے جس کے مطابق سائز 8X12 صفحے (76) کتابت 1216 ہے جو درست نہیں ہے۔ راقمۃ الحروف نے بیاض کا مطالعہ کیا ہے جس کے مطابق سنہ کتابت 1214ھ ہے اور نسخہ نمبر (970) کو انہوں نے (971) لکھا ہے اور خاتمہ درج کیا ہے۔

کتب خانہ آصفیہ میں اس مثنوی کا ایک نسخہ ہے جس کا کیٹلاک نمبر 409 ہے۔ 600 مخطوطہ کا سائز 5X9 اور جملہ اوراق 100 ہے۔ سطور فی صفحہ (13) ہیں اور خط نستعلیق میں تحریر ہے۔ تاریخ تصنیف 1220 قبل اور کتابت 1292 کی ہے۔ نصیر الدین ہاشمی لکھتے ہیں۔

"اس مثنوی کو مولانا شاہ عبدالحق کی کتاب مدارج سے اخذ کیا گیا ہے۔

اختتام

اور شفاعت دے اس کی روز قیام مجھ کو یاذ الجلال والاکرام

نامی اب تو وفات نامے کو ختم کر دو مرثیوں پو ہی اس کے بعد دو مرثیے آنحضرت کے متعلق لکھے گئے ہیں ان کا آغاز اور اختتام درج ہے۔

آج ہے فخر معیار کا وفات

آج ہے شاہ دوسرا کا وفات

ترقیمہ

"وفات نامہ تصنیف نامی بتاریخ نوردھم ذلحجہ 1292ھ روز دوشنبہ باہتمام رسید (3)

مثنوی کا تعارف:

عزیز الدین نامی کی یہ مثنوی مختصر اور اہم مثنوی ہے۔ اس مثنوی کا موضوع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال وفات ہے۔ قصہ کا آغاز حضور نبی پاکؐ کے رحلت فرمانے کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والوں کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد نبی پاکؐ کی وفات کے احوال یعنی کہ نبی پاکؐ کے آخری حج کے بعد بیماری میں مبتلا ہونے کا بیان ملتا ہے۔ پھر دنیا سے پردہ پوشی فرمانا، حضرت بتولؓ کا غم حضرت بلالؓ کا غم روایات، معجزات اور آخر میں مرثیے درج ہیں۔

عزیز الدین نامی کی یہ مثنوی 1213 ھ میں تصنیف ہوئی ۔ اس کے قلمی نسخے حیدرآباد اور مدراس اور پاکستان کے کتب خانوں میں محفوظ ہوئی مثنوی کی ابتداء حمد سے ہوتی ہے، اس کے بعد نعت شریف، مناجات، التجا بحضور سید المرسلین، استاد باقر آگاہ کی مدح اور سبب تالیف کا بیان اور اصل موضوع کا آغاز کیا گیا ہے۔

اس مثنوی میں عزیز الدین نامی نے ''معراج نامہ'' نہیں لکھا ہے۔ اس موضوع کی مناسبت سے انہوں نے جز کو حذف کیا ہے۔

عرض مناجات: عرض مناجات میں تمہید کے طور پر خدا تعالیٰ کی ثناء بیان کرتے ہیں، اپنے لئے دعا کرتے ہیں، اس سلسلے کے چند اشعار لاحظہ ہوں۔

یا الٰہی ہے تو کریم و رحیم　　ہوں میں بندہ گناہ گار عظیم
گرچہ خالی ہوں تیری طاعت سے　　پر بھرا ہوں تیری اطاعت سے
سر سے پا تک اگرچہ کندہ ہوں　　ہوں سو ہوں اب تو تیرا بندہ ہوں
یا شقی یا سعید تیرا ہوں　　کمتریں عقید تیرا ہوں
اور کچھ جانتا نہیں بد و نیک　　پر تجھے جانتا ہوں دل سے ایک
فضل سے تیرے ہے مری بنیاد　　یا تو آباد کردے یا برباد
تو نہ بخشے گا کون بخشے گا　　تو ہی وہاب ہیگا دو جگ کا
اپنے سے مجھ کو آشنائی دے　　الفت غیر سے رہائی دے
یاد سے اپنی بھردے سینے کو　　درد سے بر کر اس سفینے کو
محو کر آنکھ سے تصور غیر　　ہے یہی آرزو مری بس خیر
دل میں شیطان کو نہ سیر کرا　　اس حرم کے تئیں نہ دیر کرا
روح کو دے شراب روحانی　　دل سے حک کر ہوائے نفسانی
نفس سرکش سے رکھ مجھے محفوظ　　عاجزی بیچ رکھ مجھے مخطوط

(ص ۴)

مناجات کے ان اشعار میں عزیز الدین نامی نے اپنے ماں باپ بہن بھائی بیوی اور اولاد کے لئے دعا کی ہے۔ اشعار ملاحظہ ہوں۔

میرے ماں باپ کو سلامت رکھ ‏ ‏ اُن کو مسرور تا قیامت رکھ
دین و دنیا میں دے انہیں عزت ‏ ‏ صحت و عافیت کی دے دولت
اور بھائی بہن جو میری ہیں ‏ ‏ دوسرا بیچ خوش رکھ ان کے تیئں
اور میرے جو ہیں زن و اولاد ‏ ‏ ہوں حصول مراد سے دلشا
واسطے مصطفیٰ کے یا اللہ ‏ ‏ بخش نامی کی سارے جرم و گناہ

(ص ۵)

التجا

ایک الگ سرخی کے تحت عزیز الدین نامی نے ال تجا کی ہے کہ زمانے کی نہ انصافی سے ان کا دل اداس ہو چکا ہے۔ ہر گھڑی دل کو چین نہیں درد سے نہ ادہر کے رہے تو اُدھر کے چنانچہ وہ بیان کرتے ہیں۔

ہے بہت یہ زمانہ ناانصاف ‏ ‏ اے رسول خدا چکا انصاف
جی میرا ہے اداس دنیا سے ‏ ‏ ہوں خفا بے قیاس دنیا سے
نہیں ایک آن مری دل کو چین ‏ ‏ ہے بگولے سا مضطرب دن دین
سوز سے روز شب کے بجلی سا ‏ ‏ نہ ادہر کا نہ مین اُدھر کا رہا
میرے مطلب سے تو ہے خوب آگاہ ‏ ‏ کر کرم مجھ پہ یا رسول اللہ
رحمت خلق ہمگی تیری ذات ‏ ‏ دے مجھے اب تو اس بلا سے نجات

ان اشعار کے عزیز الدین نامی نے اولیہ اللہ حضرت خواجہ غریب نواز سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں۔

تج سوا کون ہے غریب نواز ‏ ‏ تیرے در پر ہے سب کو روی نیاز
یہاں ہے تجھ سے امید رحمت کی ‏ ‏ آس وہاں تجھ سے ہے شفاعت کی
ہے ترے پاس سب مرض کی دوا ‏ ‏ کہ ہے تجھ در کے مٹی خاک شفا
دے خزانے سے اپنی اے سرور ‏ ‏ مجھ کو محتاج خلق کا مت کر
ہے نہایت حزین اعزالدین ‏ ‏ بخش شاہ کہ تاب صبر نہیں

(ص ۹)

اس کے بعد مثنوی کے موضوع کو واضح کرتے ہوئے اس نسخہ کی مقبولیت کی دعا کرتے ہیں۔ دو اشعار ملاحظہ ہوں۔

ایسی توفیق دے مجھے الحال | کہ لکھوں میں ترے وفات کا حال
اور میری کتاب ہو مقبول | بحسین و حسن علی و بتول

(ص۹)

مدح

عزیز الدین نامی نے اپنی اس مثنوی میں اپنے استاد مولانا باقر آ گاہ کی مدح لکھی ہے جبکہ انہوں نے اپنی دوسری مثنویوں جیسے ''نو بہار عشق' اور بہارستان میں عمدۃ الامرا اور ان کے اہل خاندان کی مدح سرائی کی ہے۔ اس مثنوی میں انہوں نے اپنے کسی بادشاہ وقت یا کسی امراء کی مدح سرائی نہیں کی بلکہ اپنے استاد مولانا باقر آ گاہ کی مدح لکھ کر ایک استاد کے مرتبے کو بلند کر دیا۔ لہٰذا مدح کے اشعار ملاحظہ ہوں۔

منبع فضل مولوی باقر | عالم علم باطن و ظاہر
اس قدر علم کا ہے اس میں کمال | جس کا اس عصر میں نہیں ہے مثال
فقہ و تفسیر اور حدیث و سیر | اس کو اس علم میں ہے خوب خبر
اس سوا جو علوم ہیں مشہور | کر چکا ہیگا اوس نے سب سے حیور
عربی فارسی میں کامل ہے | نظم اور نثر بیچ قابل ہے
ہیں تصانیف اس سے بے تعداد | اس زمانے کا ہے بڑا استاد
عالم با عمل ہے وہ واللہ | اس کو کہنا بجا ہے حق آ گاہ
سب فضائل میں بس ...... ہے | ثانی جامی و نظامی ہے
دیکھ کر اس کی قدرت تصنیف | کبھی علامہ اس کو میر شریف
علم تفسیر کا جو ہو راوی | بارک اللہ لو لے بیضاوی
جب خبر میں صحیح ہے عالم | خوش ہے روح بخاری و مسلم
کر زمانے میں اس کے ہوتا کہیں | فخر کرتا امام فخر الدین

کرتا ہے اس کے سدا ثنا خوانی   عید قاہر فصیح جر جانی
گو تھا سبحان ایک لاثانی   پر خجل ہو سن اس کی نشانی
متبہ اگرچہ سیبویہ ہوا   یہاں بہر نحو مبتدی ہیگا
علم تعریف میں تھا کب یہ ظرف   گو ایو عمر و عمر سب کی طرف
گم ہو یہاں عقل صاحب صاپے   نطق کوہول جاوے فارا بی
دیکھ کر اس کا حکمت سینا   وہی سا ہو بہو بو علی سینا
الغرض وہ ہے یک بڑا فاضل   علم جو ہے سو ہے اسے حاصل
علم کا اس کی فیض ہے جو کرو   میں بھی ادنٰی یک اس کا ہوں شاگرد
یا رب اس کو سدا تو قائم رکھ   نام اس کا جہاں میں دائم رکھ

(ص۹۔۱۱)

سبب تالیف:

عزیز الدین نامی نے سبب تالیف میں اپنی اُداسی میں ملول زندگی کو بیان کیا ہے، ایسے میں ایک پیر نے اس تصنیف کو تحریر کرنے کی اجازت دی۔ لہذا عزیز الدین نامی لکھتے ہیں۔

اور فکروں کے بھی ہجوم ہوئی   جی یہ میرے الم کی دہوم ہوئی
چرخ کجر و کا جور یاد آیا   آپنی قسمت کا طور یاد آیا
ہوگیا میں اُداس یکباری   آنکھ سے اشک ہوگئے جاری
تھا میں ہر چند اس گھڑی خاموش   پر تھا سینے میں میرے بحر کا جوش
دوپہر رات تک ہو آزردہ   یو ہیں بیٹھا رہا میں افسردہ
کیا کہوں کس طرح تھا میں مغموم   حال میرا خدا کو تھا معلوم
اس میں پیر خرد شتاب آ کر   یون لگا کہنے مجھ کو سمجھا کر
کیوں تو بیٹھا ہے اس قدر دلگیر   نوجوانی میں کیوں ہوا ہے پیر
غم دنیا سے کیا تجھے حاصل   واسطے اس کی کیون ہے تو بے دل

غم دنیا مخور کہ بے سود است　　ہیچ کس در جہان نیا سود است
عمر ضائع نہ کر تو اس غم میں　　اس الم سے نہ رہ تو ماتم میں
مت تو دنیا کا درد ہر دم کر　　گر تو کرتا ہے دین کا غم کر
دین کے غم میں ہے دوجگہ کی نجات　　اس الم ہیچ صرف کر اوقات
رات دن درد دین سے رویا کر　　نافہ مصیبت کو دھویا کر
اب تو رقت سے دل کے کہہ فی الحال　　مصطفیٰ کے وفات کا احوال

(ص ۱۲)

پیر کی اس ہدایت سے عزیز الدین نامی نے اس مثنوی کو لکھنے کا ارادہ کیا جس کے بارے میں وہ لکھتے ہیں۔

سنتے ہی پیر عقل سے یہ بات　　غم دنیا سے میں نے دھویا ہات
وہیں پھر مستعد ہوا اس پر　　کہ کروں سیر گلستان سیر
رکھ نظر ہیچ روفتہ الاحباب　　اورمعارج جو ہے سیر کی کتاب
اور شواہد یہی جو ہے جامی سے　　دیکھنے لاگا شاد کامی سے
اس میں جو تھا وفات کا احوال　　وہ میں کہتا ہوں اب تمام و کمال
کیونکہ اس میں جو ہے سو ہے سب راست　　نہیں جائز ہے راست میں کم و کاست

(ص ۱۳۔ ۱۴)

مخطوطہ کا تعارف

زیر بحث مخطوطہ کتب خانہ سالار جنگ حیدر آباد کا مخزونہ ہے جس کا اندراج نمبر (971) ہے اور اس کا سال تصنیف ۱۲۱۳ھ ہے، سنہ کتابت ۱۲۱۶ھ ہے۔ اس کے کاتب کا کوئی علم نہیں۔ مخطوہ کے سرورق کیبعد پہلے صفہ پر ایک عبارت لکھی ہوئی ہے جو اس طرح ہے۔

"وفات نامہ ہندی موسوم بہ مدینتہ الانوار من تصنیف غلام اعجز
الدین خان بہادر نامی تخلص

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کر ہماری خشایے برحال کا کہ ہستم اسیر کمند ہوا داروغہ بنام حسین علی

صاحب آقدہ

۱۷رجب ۱۳۱۱ھ"

(ص ۱)

دراصل مخطوطہ کا آغاز "بسماللہ الرحمٰن الرحیم" سے ہوتا ہے، اس تحریر کے نیچے ایک عربی تحریر لکھی ہوئی ہے۔ اس کے اوپر تصنیف کا نام اور مصنف کا نام اور نیچے نام اور تاریخ لکھی ہوئی ہے۔ یہ عبارت بعد میں شاید کسی نے لکھی ہے چونکہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم درمیان میں لکھا ہوا ہے۔ اسسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تحریر کاتب نے لکھی اور دوسری تحریر جو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے پہلے اور آخری میں ملتی ہے، اضافی ہے جو کسی نے آمداً لکھا ہے۔ اس صفحہ پر بائیں جانب اوپری حصہ میں جملہ ابیات کی تعداد ۱۲۸۹ لکھا ہے اور نیچے کی جانب کتب خانہ کی مہریں ہیں۔ مخطوطہ کے جملہ اوراق (112) ہیں، صرف مخطوطہ کے پہلے صفحہ پر 9 سطریں ہیں اور دوسرے صفحہ سے آخر تک (12) سطور ہیں۔ مخطوطے کے ہر صفحہ پر ترک موجود ہے۔ مخطوطہ کا کاغذ دیسی ہے۔ عمدہ کاغذ ہے۔ اس لئے ورق کی دوسری جانب سیاہی کے نشانات نہیں ہیں۔ مخطوطہ کا کاتب خوش خط ہے۔ مخطوطہ کا آغاز "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" سے ہوتا ہے ۔اس کے بعد (19) اشعار پر مشتمل حمد باری تعالیٰ ہے۔ ابتدائی دو اشعار ملاحظہ ہوں۔

لایق حمد ہے اسی کی ذات | جس کے قبضے میں سبکی موت و حیات
وہی بخشے دو جہاں کو وجود | وہی کرتا ہے سب کے تیں نابود

(ص ۲)

مثنوی کے عنوان عربی نثر میں ہیں۔ مثنوی میں عربی اور فارسی مصرع بھی درج ہیں۔ ابتدائی چند صفحات تک عربی مصرعہ کا اردو میں ترجمہ لکھا ہوا ہے۔ املا قدیم ہے۔ کہیں کہیں دکنی الفاظ کا استعمال ملتا ہے۔ آخر میں کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔ صرف "تحت" لکھا ہوا ہے۔ مثنوی کا اختتام ملاحظہ ہو۔

فضل سے حق کے اب بخش نظام | ہوگیا یہ وفات نامہ تمام
اس رسالیے کو میں نے کر تیار | نام رکھا مدینۃ الانوار
ختم کر جب وفات کا احوال | اسکی تاریخ کا کیا میں خیال

سن کہ ہاتف نے یہ کہا رو رو　　　صلوات خدا بنی پو ہو
مر کہ خواند دعا طمع دارم　　　زانکہ مے مذمہ کنبہ کارم
(ص۱۱۲)

مثنوی کی ابتداء

مثنوی کا آغاز اس سرخی ''آغام احوال وفات حیات النبی علیہ والسلام والصلوات'' سے ہوتا ہے۔اس کے بعد ابتدائی اشعار میں نبوت کا دعویٰ کرنے والوں کے بارے میں بیان کیا ہے۔مسلیمہ کذاب کے علان نبوت کا قصہ بیان کیا ہے۔مسلیمہ کذاب نے حضور صلی علیہ وسلم کے پاس بہت سارے لوگ لے کر آیا اور کہنے لگا کہ آپ میرے ساتھ وعدہ کریں کہ آپ کے بعد میں خلیفہ بنوں گا۔آپ کا تو میں آپ کو مان لیتا ہوں۔حضورؐ کے ہاتھ میں کھجور کی ٹہنی کا ایک ٹکڑا تھا اور حضورؐ نے فرمایا تو خلافت کی بات کرتا ہے، میں تجھے ٹوٹی ہوئی ٹہنی بھی دینے کو تیار نہیں ہوں اور پھر فرمایہ تو ہلاک ہے اور مسلیمہ کذاب اپنے کفر کا دھوم کرنے لگا تو آپ صلی علیہ وسلم نے خالد بنولید سیف اللہ کی قیادت میں تیرا ہزار کا لشکر مسلیمہ کذاب کی سرکوبی کیلئے بھیجا اور مسلیمہ کذاب کو تباہ و برباد کردیا۔چنانچہ عزیز الدین نامی نے اسی قصہ کو یوں نظم کیا اشعار ملاحظہ ہوں۔

دعوا کرنے لگے نبوت کا — لاگے کرنے خیال قوت کا
اس میں ایک تھا مسلمہ کذاب — اوسکو شطان کردیا تھا خراب
اوس کا قصہ ہے یہ کہ سال دہم — آیا شیرب مین سات لے مردم
لوگ اس کے ہوئے مسلمان سب — دل سے سرور یہ لائی ایمان سب
وہ لگا کہنے اس طرح اس آن — لاؤں گا میں نبی پہ تب ایمان
کہ پس از موت اپنی شاہ عرب — دیوے مجھ کو حکومت اپنی سب
یہ سخن سن نبی نے فرمایا — شاخ خرمی کے بھی نہ دیونگا
بعد میرے رہیگا گر ناپاک — حق تعالیٰکرے گا اس کو ہلاک
وہاں سے ہوکر سلیمہ بی آس — شہر کواپنی آن کر خناس

کفیر پر اپنی کرنے لاگا دھوم — خلق کا اس پہ ہوگیا ہے ہجوم
جرحلت کیا رسول اللہ — کرلیا یہ بہت کتین گمراہ
لے کے پھرتا تھا یہ شقی اہد — سو ہزار آدمی کو کر مرتد
کیا کیا جادو کے کھیل کرتا تھا — لاف سے آتی ہے مجھ پہ وحی مدام
الغرض وہ تھا یک بڑا شیطان — پور فرعون و والہ ہامان
پھر تو بوبکر کے خلاف میں — کیا مارا اسے شقاوت میں
خالد بن ولید سیف اللہ — اسکی دولت کو کردیا ہے تباہ

(ص۱۵ تا۱۶)

دوسرا دعوا کرنے والوں میں ایک زن سجاج بی کا واقعہ بیان کیا ہے جو مسلیمہ کذاب کی بیوی تھی۔ اس کے بارے میں یہ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

دوسری زن سجاج بی دھنکی — وہ بھی دعوا پیمبری کا کی
تھی اس کے زمانے میں یہ بھی — اور نزدیک اس کی ملک سے تھی
یہ خبر سن سلیمہ ڈر کے — دل میں تجویز اپنی یہ کر کے
بھیجا اس کو تحائف و سوغات — کیا اُس کا نکاح اپنے سات
یہ مقرر کیا تھا مہر اس کا — کہ ہے ساقط نماز صبح و عشاء
جب ہوا ہے مسلیمہ مقتول — بھاگی وہاں سے سجاج ہو کے ملول
پھر زمانے میں وہ معاوید کی — ہوئی ہے بہریاب ایمان سے

(ص۱۶)

نبوت کا دعوا کرنے والوں میں تیرا شخص روسیاہ اسود تھا۔ اس کا واقعہ اس طرح بیان کیا ہے۔

تیرا روسیاہ اسود تھ — وہ بھی دعوا کیا نبوت کا
کا نہی علم میں تھا یہ پکا — شعبدہ بازی میں یہی تھا پکا
دوتھی شیطان اس کی اس مدام — تھا تحیق و تحقیق ان کا نام
اس سے کہتی تھی وہ خبر ہزیک — تھا وہ گمراہ اس لئے مردک

تھا نبی کی طرف سے جو باذان   سب یمن بیچ صاحب فرمان

وہاں کے لوگوں پہ وہ خروج کیا   تب سے مردود نے عروج کیا

جب نبی سے کہی ہیں اس کا غلو   یوں لکھا وہاں کے اہل ایمان کو

کہ اسے تم کس طرح مارو   دشمن حق ہے اس سے مت ہارو

آخر اس کو فتور سے مارے   ہوئے لوگ اس کے منتشر سارے

جب مدینے کو آئی ہے یہ خبر   ہوچکا تھا وفا پیغمبر

نبوت کا دعوا کرنے والوں میں چوتھا شخص ابوطلحہ ہے جس نے بعد میں اسلام قبول کیا ہے۔ اس واقعہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔

چوتھا ان میں سے تھا طلحہ نام   دعوا کرتا نبی نبی کا صدام

جب جہاں سے ہوا نبی کا وفات   خوب دنیا دیتی تھی اس کو بات

شہدی لوگوں کو جمع کرکے کر   بولتا ان سے ہوں میں پیغمبر

اخرش اس کا سن فساد و مکر   بجا خالد کو فوج دے بوبکر

جاکے خالد نے اس سے جنگ کیا   اس کی لشکر کو سخت تنگ کیا

بھاگی یکبارگی فوج اس کی تمام   وہ بھی بھاگا اکیلا جانب شام

بعد فاروق جب خلیفہ ہوا   داخل اسلام میں ہوا وہ آ

توبہ کر کے جب وہ سعید ہوا   جانبحاو نہ میں شہید ہوا

مروی ہے کہ آٹھویں تاریخ ذی الحجہ کو خاتم النبیین نے اپنے یاروں کے ساتھ عرفات میں دو رکعت نماز ادا کی ،اتنے میں جبرئیل علیہ السلام آخری آیت لائے۔ جس کا ترجمہ ہے۔

"یعنی آج کے دن کامل کیا میں نے دین تمہارا اور تمام کی تم پر نعمت
اپنی اور راضی ہوا میں بھیج کر واسطے تمہارے دین اسلام کو"

سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے جان لیا کہ سفر آخرت کا قریب آیا بعد ادائے حج کے جنت البقیع گئے وہاں زیارت کے بعد مدینہ کی طرف روانہ ہوئے، یہاں فرمایا کہ "شاید دوسرے سال مکہ معظمہ میں آنا میرا نہ ہوگا"

تمام صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم یہ سن کر گریہ وزاری میں آئے، آپ کو اسی وقت درد پہلو پیدا ہوا چنانچہ مدینہ میں تشریف لائے ماہ صفر کے آخری بدھ کے دن حضرت میمونہؓ خاتون کے گھر میں آئے شدت مرض میں ردسر اور تیز بخار شروع ہوا، یہاں سب ازواج مطہرات تیمارداری کو وہاں آئیں، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اہل بیت سے کسی کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کے عائشہؓ خاتون کے حجرے میں تشریف لائے۔ عائشہؓ نے فرمایا کہ رسولؐ اللہ بن مبارک آپ کا بہت کرم ہے۔ فرمایا اے عائشہؓ مفارقت کا دن نزدیک آیا۔ بی بی عائشہؓ نے سرد آہ پر درد سے بھری حضرت نے فرمایا صبر کرو کیونکہ شربت موت کا ہر ایک کو چکھنا ہے۔ لہذا عزیز الدین نامی نے اسی قصہ کو نظم کیا ہے۔ اشعار ملاحظہ ہوں۔

کیفیت شروع مرض الموت مسرت فوت
جناب رسالت نصاب علیہ صلاۃ والسلام الوہاب

ہوگئے جتنی عالمان جلیل
یون کئے اس بیان کی تفصیل

سن ہجری ہوئی ہیں کیا رجب
مصطفیٰ کے تھی عمر ترسٹھ تب

دن تھا شنبہ کا اور ماہ صفر
ماہ دنیا سے کرچکا تھا سفر

یعنی تاریخ ہست و ششم تھی
روشنی اس کی سر میسر کم تھی

ہوا اس دن سے پھر نبی بیمار
دردسر تھا اور اس پہ تب کا بخار

پایا اپنی کو جب ذرا سا علیل
حکم سے حق کے پھر خدا کا خلیل

مرتضی کا وہین پکڑ کر ہات
اصحاب کو بھی لے کر سات

چلدیا تھا بقیع عرقد کو
دیکھنے دوستوں کے مرقد کو

گور پر ان کے آ سلام کیا
واسطے انکے بدہر دعا مانگا

بعد اصحاب کے طرف منہ کر
یون لگا کہتے دینکا سرور

مجھ کو ہر سالمین امین خدا
مصحف یک مرتبہ سناتا تھا

...... بارے منایا دو باری
موت کی ہے مگر یہ تیاری

یون کہا پھر علی میتی سالار
حق تعالیٰ مجھے کیا مختار

جس قدر چاہوں عمر اور دولت
لیون میں پاؤں بعد ازین جنت

میں کیا اختیار حق کا تھا — اور قبولا ہوں آخرت کی بقا
اس کے دیدار سے ہے مجھ کو کام — ہے اس میں سدا مجھے آرام
بعد فرمایا یوں رسول خدا — ہوئی جب تن سے میرے روح جدا
تو مجھے غسل دے کفن پھرا — اور اس م یرے تن کو چپا
اور جو آب جمع ہو یکسر — آ مکہ کے گھر میں ناف کے اندر
قطرہ قطرہ وہ پانی تو پی جا — علم پیغمبران تجھے ہوگا

(ص۱۹۔۲۰)

احوال پردہ پوش کے اشعار ملاحظہ ہوں۔

پیر کے دن نبی وفات کیا — چار شنبی کے روز دفن ہوا
دفن کے وقت آ پڑی تکرار — کہ کہاں کجیی مدفن سالار
کوئی بولا بقیع ہے بہتر — کوئی مسجد میں کوئی بولا کہر
اس میں صدیق بولا سب کے میں — ایک دن یوں سنا تھا شاہ سے میں
کہ ہوا دفن ہر پیمبر وہان — روح اس کی ہوئی تھی قبض جہاں
سب نے اس سے جب اس خبر کو پائے — آئی اس بات برسبوں کی رائے
پھر نبی کا لپیٹ کر بستر — قبر کہدواے ہیں اسے جا پر
لاش انور ا تارے قبر کے بیچ — ماہ کے تیئں چھپائی ابر کے بیچ
سونپے مٹی کے بیچ وہ تن پاک — گنج رکھتے ہیں جس طرح نہ خاک
باعث خلقت تراب گیا — برج خاکی میں آفتاب کیا
رحمت خلق نے کیا آرام — اب نیسان کیا صدف میں مقام
یون سمایا زمین میں سرور — جان جوں آوے جسم کے اندر
ماہ سابرج میں ہوا مخفی — لعل سا درج میں ہوا مخفی
خاک میں سونپے شاہ عالم کو — کئے تعویذ اسم اعظم کو
یوں کیا گورمین نبی کا مکان — جیسے جزدان میں رکھیں قرآن

(ص ۹۴۔۹۵)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ پوش ہونے کے بعد شہر کی حالت کا بیان۔

ہے روایت نبی کیا جو وفات — روز روشن ہوئی اندھیری رات
سب مدینہ ہوا ہے یوں سنسان — جیسا رہتا ہے قالب بیجان
گیا شرب سے یوں اجالا ڈوب — گوسا خورشید کر چکا تھا غروب
شہر سے اوڑ گیا ہے رونق و نور — تھا وہی دن کو با شب دلجور
نہیں دستا تھا مونہہ کو مونہہ اصلا — تیرہ و تار ہر طرف کو تھا
حال اصحاب کا ہوا برہم — زخم دل کو لگا تھا لی مرہم
روز شب بیقرار رہتی تھی — اسالم سے فگار رہتی تھی

جب آقا صلی اللہ علیہ وسلم پردہ فرما چکے تو حضرت بلال حبشی کی کیفیات کیا تھی۔ ان حالات کو عزیز الدین نامی نے بیان کیا ہے۔

حضرت بلال حبشیؓ کو جب پیارے نبیؐ کی جدائی کا درد اس قدر رہا کہ جب مدینہ منورہ کی گلیوں میں چلتے ہر طرف آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے مبارک کو تلاش کرتے۔ آقا کے حسن کے متلاشی تھے کہ کسی طرح آقاؐ کا حسین چہرہ نگاہوں کے سامنے آجائے۔ رسالت مآب صلی علیہ وسلم کے بارے میں دیگر صحابہ اکرام سے حضرت بلال حبشیؓ یہ سوال کیا کرتے تھے کہ میرے محبوب کو تم نے کہیں دیکھا ہے۔ میرے آقاؐ اس دنیا سے پردہ فرما چکے ہیں۔ وہ وقت بھی آتا جب حضرت بلال حبشیؓ مدینہ منورہ کو چھوڑ کر شام کی طرف جاتے تھے۔ چونکہ مدینہ منورہ میں آقا کی یاد آتی ہے۔ تقریباً ایک سال کے قیام کے بعد ایک روز ایسا آتا ہے۔ قسمت انگڑائی لیتی ہے۔ خواب میں آقاؐ کا دیدار ہوتا ہے۔ آقاؐ فرماتے ہیں۔ اے میرے بلال میرے شہر کو کیوں چھوڑ دیا، کیوں مجھ سے بے وفائی کی، کیا میری یاد نہیں آتی، کیا مجھ سے ملنے کا جی نہیں کرتا۔ حضرت بلال حبشیؓ رات کے وقت آنکھ کھلتی ہے۔ بے چین ہوجاتے ہیں۔ فوراً اٹھتے ہیں اور مدینہ منورہ پہنچ جاتے ہیں۔ آقا کے ڈھنڈنے لگتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے حضرت زہراؓ کا وصال ہو چکا ہے۔ بہت روتے ہیں۔ الغرض جب حضرت بلال حبشیؓ اذان دیتے ہیں، عوام و خواص حضرت بلال حبشیؓ کی آواز سن کر جمع ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ اس واقعہ کو عزیز الدین نامی نے اس طرح بیان کیا ہے۔

ہے چنانچہ کہ ہو ملول بلال — شام کے جانے کا کیا ہے خیال
تب تو صدیق نے کہا اس کو — آ کے سابہان اذان دیا کر تو
جیسے ہر وقت میں نبی کے حضور — تھا موذنتو ون وہیں رہ مامور
باکمال ملال بولا بلال — بن نبی کے نہیں ہے مجھ میں جمال
کہ مدینہ میں رہ کے دیوں اذان — مجھ کواس بات کے ہے تاب کہاں
کر کیا ہیگا مجھ کو تو آزاد — نفع دنیا کے نیں تو کر ارشاد
تا بجا لاؤں جو کہی تو کام — دل سے خدمت کرے قدیم غلام
کر خدا کی خوشی کے واسطے تو — صرف آزاد کردیا مجھ کو ......
ہوکے راضی خوشی سے یکسر — چھوڑ دے مجھ کوحق کی خواہش پر
پھر تو منظور رکھ رضای خدا — روکے صدیق اسے دیا ہے رضا
شام کے میں گیا ہے وہاں سے بلال — رہنے لگا وہان بدر و ملال
خواب میں ایک اور یون دیکھا — کہ نبی اس سے بولتا ہے کا
کیوں کیا مجھے اے بلال جفا — کس لئے چھوڑا تو پردیس میرا
جا مری قبر کی زیارت کر — جلدکر جانب مدینہ سفر
ہوکے بیدار خواب سے بلال — پھرمدینے کو آیا ہے فی الحال
جب مدینہ کے تئیں بلال آیا — ہوچکا تھا وفات زہرا کا
سن کے اس بات کو بہت رویا — ہوکے بےتاب اس طرح سے کہا
اے جگر گوشۂ رسول خدا — باپ سے جا ملے تو اے زہرا
جلد دنیا سے کر گئی تو سفر — ہو تحیات تجھ پہ شام و سحر
غرض اصحاب نے کہی ہیں تب — دے اذان آج کی ذرا تو اب
ہیگی خواہش کہ سنیے تجھ سے اذا — تاہو تازی ہماری روح و روان
ان کے کہنے کو کر قبول بلال — آیا مسجد کی بام پر فی الحال
اس کے سینے کی آرزو میں تمام — ہوگئی جمع سب خواش و عوام

جب کیا ہیگا وہ شروع اذان — کہر بہ کہر سے اٹھا ہے شور وفغاں
ہو اس روز اس قدر ماتم — کہ ہوئے روتے روتے سب بے دم
جیوں ہوا تھا الم وفات کے روز — انہیں اس دن ہوا ہے غم سے سود
کر اذان کو غرض تمام بلال — یوں کہا سب کو باکمال ملال
جو کے سرور کو یادک ر روئے — غم دوری سے آپ کو کھودے
اک دوزخ کی اس پہ ہوگی حرام — دین میں وہ رہے گا شاد صدام

(ص۹۸تا۱۰۰)

اس واقعہ کے بعد عزیزالدین نامی نے چار معجزات کو بیان کیا ہے۔

ہے روایت کہ قبر سرور کی — رشک تھی آفتاب انور کی
سر بسر نور سے تھی مالا مال — روشنی میں تھی کوہ طور مثال
نہیں اس جا چراغ تھا درکار — کیون کہ وہ قبر خود تھی شمع مزار
دیکھتا جو کے قبر کو اس کے — ہونا سرور کا معتقد جی سے
بس کہ تھی گور شمع سان روشن — مثل پروانہ سب لگائے لگن
ایک اعرابی ایک روز آ کر — دیکھا جب اس نے تربت سرور
دل سے ایمان لایا حضرت پر — کلمہ پڑنے لگا ہے یکسر
تب کہی سب نے کیا سب ہیگا — کہ تو ایمان جو قبول کیا
کہا اس نے سبوں سے کھا کے قسم — میں نہیں تھا یہ کور سے محرم
لے کہ اس قبر کو جو میں دیکھا — پھر ہدایت دیا ہے مجھ کو خدا
شاہدی یوں دیا ہے دل یک بار — کہ ہے یہ قبر احمدؐ مختار

(ص۔۱۰۱)

معجزہ دویم۔

یک روایت ہے مرتضی سے اور — اس روایت کو وہ کہا اس طور
تین دن بعد دفن پیغمبر — ایک اعرابی قبر پر آ کر

مٹھی مٹی اٹھا کے وہاں سے شتاب　　سر پہ ڈالا ہے اپنے ہو بے تاب
عجز کرتا تھا خاک اسے سے　　بولتا تھا یہ آہ و زاری سے
یا نبی تو کہا سنے ہم سب　　ہم لئے تجھ سے تو لیا ار رب
تجھ پہ آیات جو ہوئی منزل　　اس میں یک یہ بھی اے شہ مرسل
کہ اگر ان سے جو کئے ہردم　　ذات پر اپنے جرم کر کے ستم
آتی تجھ پہ اس لئے کہ عذر گناہ　　اور ہوئی خدا سے بخشش خواہ
مغفرت چاہتا رسول کریم　　پاتی وہ حق کے تیں غفور رحیم
ہوں نپٹ میں تو مجرم و مخطی　　ذات تیری ہے شافع و معطی
رحمت خلق تجھ کو پایا ہوں　　تیری درگاہ بیچ آیا ہوں
اے رسول خدا شفاعت کر　　میرے احوال پر عنایت کر
جب کیا اس نے عاجزی سے دعا　　قبر سے تین بار آئی ندا
کہ تیرے گناہ بخشا رب　　تیرے برلایا سر بسر مطلب

(ص۱۰۲تا۱۰۳)

معجزہ سیوم

یوں کہے ہیں کے راویوں نے تمام　　یک یہودی کا شام میں تھا مقام
لے کے توریت اور کرکے وضو　　بیٹھا پڑتا تھا روز شنبہ کو
اس میں نعت محمد مرسلؐ　　دیکھا اس میں لکھا ہے چار محل
جب یہود اس صفت کو پایا ہے　　پھاڑ اس نعت کو جلایا ہے
دوسرے شنبہ کو جو پھر دیکھا　　پایا نعت رسول آٹھ جگہ
اس کو بھی ہو خفا کیا ہے چاک　　کردیا اس کے تئیں جلاکر خاک
تیرے شنبہ کو کیا جو نظر　　پایا نعت آگے سے زیادہ تر
جیوں جیوں یہ نعت کو مٹاتا تھا　　نبو نبو اس کو زیادہ پاتا تھا

دنگ و حیران ہو یہودی پھر
دل میں بولا کہ ہیگا یہ کیا سر

جس قدر نعت میں مٹاتا ہوں
اس سے وہ چند پھر میں پاتا ہوں

جب یہودی یہ معجزہ دیکھا
وہاں سیجلدی مدینہ کو آیا

جمع مسجد میں تھی تمام اصحاب
اس جگہ آئے یوں کیا ہے خطاب

السلام علیک اے احمد
السلام اے محمد امجد

سنے اصحاب اجنبی سے جب
نام پاک رسولؐ فخر عرب

رونے لاگے نبی کے میں کرو یاد
آہ کرتی تھی بندۂ و آزاد

اس میں حضرت علی کہا یہ بات
کہ نبی کر چکا جہاں سے وفات

کون ہے تو کہاں سے آیا ہے
زخم پر لوون کیون لگایا ہے

آسمان پر کیا ہمارا رسول
ہم پری ہیں زمین پہ ہو کے ملول

سن کے یہ بات رو دیا وہ یہود
ہوگیا اس کا درد غم افرد

بیقرار یسے رونے لاگا ہے
غم سے بیتاب ہونے لگا ہے

کہا ہوے سیعی رایئگاں میری
کاش جنتی نہ مجھ کو ماں میری

نہیں دیکھا میں شہدین کے قدم
اس تاسف کا سخت ہیگا الم

پھر کہا کوئی ایسا ہیگا یہاں
کہ شمایل کرے نبی کے بیان

تب علی نے کیا بیان تمام
سر سے بالک جمال خیرا نام

پھ یہودی امیر سے پوچھا
ہیگا تو کون کیا ہے نام تیرا

مرتضی نے کہا ہے نام اپنا
سن یہودی نے اسم اس کا کہا

ہیگا توریت میں بھی تیرا نام
سانچ ہے جو سنایا تونے کلام

اب میری آرزو ہے یک اس آن
گر تو برلاوے ہے بڑا احسان

کہ نبی کا ہو کوئی جامہ اگر
مجھ کو خوش کردے اس کو ملاکر

تار سے آنکھ سے لگاؤں میں
اس کے بوسے جان پاؤں میں

کہا سلمان فارسی کو علی
جا کے اب فاطمہ کنے جلدی

مانگ لا تو نبی کا پیراہن | نا اسے دیکھ چشم ہو روشن
جائے زہرا کی بہن تب سلمان | لایا پیراہن رسول جہاں
آیا مجلس میں جب سرور | کئی پیوند تھے وہ خرقی پر
دیکھ جبی کو روئی سب اصحاب | اس کو لے آنکھ سے لگائی شتاب
پھر یہودی وہ پیراہن لے کر | آنکھ کے تیئں لگا رکھا سر پر
بعد آکر نبی کے قبر کے پاس | کلمہ پڑ کہا اے رب الناس
گر قبولا ہے تو مرا ایمان | روح کو میرے قبض کر اس آن
کہہ کے یہ قبر پر کر ایک بار | مرگیا جان کو کیا ہے نثار

(ص۔۱۰۳۔۱۰۶)

معجزۂ چہارم

نقل ہیگی کہ ایک مرد خدا | آیا تھا قصد کر مدینہ کا
راہ گم کر کے ہوگی سر گرداں | رہا چھہ روز دشت میں حیراں
سات دیں روز بھوکا اور پیاسا | بیکلی سے مدینے میں پہونچا
آکے جلدی نبی کے تربت پر | بولا ہیگا سلام وہاں کر کر
یا نبی میں غریب ہوں لاچار | بھوک سے سخت ہورہا ہوں خوار
آج در پر ہوں تری میں مہمان | فضل سے اپنی مجھ پہ کر احسان
سو کیا وہ بزرگ یہ کہہ کر | خواب میں اس کی آیا پیغمبر
لادیا ایک نان اس کو نبی | کہا یارو سنے وہ نان سے آدھی
اٹھیں جاکا جو نیند سے اس آن | دیکھا ہے ہات بیچ آدھی نان
بعداس جا سے یوں ہوئی ہے ندا | کہ یقین جان تو اے عبد خدا
جو ہے شوقی مری زیارت کا | ہے وہ لایق مری شفاعت کا
یعنی بخشاؤں کا اسے یا رب | اس پہ رحمت کرے گا عالم غیب

یو نہیں آیا حدیث میں مذکور   که کہاہے شفیع روز نشور
جو زیارت کا مری طالب ہے   اسکا بخشنا نا مجھ پہ واجب ہے
اورکہا ہیگا یون حبیب خدا   میرے تربت پہ جو کوئی آیا
جب مری قبر کی زیارت کے   گویا دیکھا وہ مجھ کو جیتی جی
اور فرمایا یوں رول اللہ   جس کو ہے سب طرح سے دولت وجاہ
نہ کرے وہ میری زیارت اگر   عذر اس کو نہیں ہے در محشر
یعنی اس کو گناہ ہووے گا   دین میں بے رفا ہووے گا
ایسی اخیار آئی ہیں بے حد   ہے عبادت زیارت احمد
یا الٰہی زیارت سالار   کردے میرے نصیب بھی یک بار
بہر محبت نبی کے سینے میں   جلد پہونچا مجھے مدینہ میں
رات دن میری آنکھ کے اندر   خاک سے اس کلی کے سرمہ کر
رہے وابستہ یا الٰہی سدا   سر مرا اور آستان اس کا
کر مرے تن بدن کو بعد ممات   خاک کوئی نبی علیہ صلات
اور شفاعت دے اس کے روز قیام   مجھ کو یا ذالجلال والاکرام

(ص ۱۰۷۔۱۰۹)

عزیز الدین نامی نے چار معجزات بیان کرنے کے بعد آقا رسالت مآب صلی علیہ وسلم پر دو مرثیے بیان کیئے ہیں۔

آج ہے فخر انبیا کا وفات   آج ہے شاہ دوسرا کا وفات
آج ہے جگ کی رہنما کا وفات   آج ہے آہ مصطفیٰ کا وفات
اسے ملک آج ہوؤ تم مخرون   اے فلک جوں شفق رہو پر خون
اے مہ و مہر بھولو صبر و سکون   آج ہے محرم خدا کا وفات
عرش و کر سے یہ آج ہیگا غم   مضطرب ہو رہے ہیں لوح و قلم
مرسلون کا بھی حال ہے برہم   آج ہے سب کے پیشوا کا وفات

ہژدہ عالم میں بیقراری ہے
بحر اور بر میں شور و زاری ہے

ربع سکون میں سوگواری ہے
آج ہے صاحب سخا کا وفات

بیکلی بیچ آج ایمان ہے
حال اسلام کا پریشان ہے

دین کا جسم اب تو بے جان ہے
آج ہے خاص کبریا کا وفات

سب قاصہ کا اُڑ کیا ہے تاب
ہے سید پوش کعبہ ہو بے تاب

ہے جگر چاک منبر و صحراب
آج ہے دین کے مقدا کا وفات

مبتلا ہے خزاں ہوئی سب جھاڑ
سخت مغموم ہورہی ہیں پہاڑ

پر کٹی ارض کے جگر میں دراڑ
آج ہے مہر ذوالعطا کا وفات

چار یا اس الم سے ہیں بریان
ہیں درندو کر نہ بھی کریاں

سب پرندوں کے اوڑ گئی اوسان
آج ہے عرش کے ہما کا وفات

کیوں لکھوں غم کے بات اے نام
دل ہے مشغول خوں آ شامی

کیا کہیں اپنے آہ نا کامی
آج ہے رحمت الورا کا وفات

(ص ۱۰۹ تا۱۱۱)

مرثیہ دویم

غم سے ہے آسمان کے سر میں درد
مہر اور مہ کے ہے جگر میں درد

ار کو بھی چشم تر من درد
سارے کو ہونگے ہے گر میں درد

آج جگ سے گیا رسول اللہ
رحلت یہاں سے کیا رسول اللہ

بن ترے آہ یا رسول اللہ
پر کیا ہیگا بحر و بر میں درد

تیری دوری سے اے نبی کریم
بسکہ امت کا دل ہوا ہے دو نیم

ماتم و محنت والم ہے عظیم
بھر کیا اب تو دل کے گھر میدرد

تجھ کلے کیے ہے خاک ہوتے ہم
اس بہانہ سے دیکھنے وہ قدم

خلق اس غم سے ہیں زبس برہم
ہیگا ہر شہر و ہرن کر میں درد

تجھ سے دنیا کا باغ تھا برباد　　تو گیا خار زار کو کل زار
کیوں نہ ہوں یں تری اے ابر بہار　　خار غم سے دل شجر من درد
اے ملایک کے قوت بازو　　فیض تجھ سے ہے جن و انساں کو
جب سے دنیا سے گیا ہے تو　　عقل کل کے ہے بال و ہر من درد
صرف نامی کو ہے نہیں ہے بر اس　　ہیں نباتات اس الم سے اداس
غم سے ہر ذرہ کم کا ہے حواس　　گھر کیا سینہ حجر میں درد
فضل سے حق کے رب بحسن نظام　　ہوگیا یہ وفات نامہ تمام
(ص ۱۱۱۔۱۱۲)

اسمرثیہ کے خاتمہ میں مثنوی کا نام اور سن تاریخ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

اس رسالے کو میں نے کر تیار　　نام رکھا مدینۃ الانوار
ختم کر جب وفات کا احوال　　اسکی تاریخ کا کیا میں خیال
سن کے ہاتف نے یہ کہا رو رو　　صلوات خدا نبی پو ہو ۱۲۱۳
مر کہ خواند دعا طمع دارم
زانکہ مرندہ کنہ گارم (ص ۱۱۲)

حوالے

1 - نصیرالدین ہاشمی، قدیم اردو (دکھنی) میں سیرۃ النبی کا ذخیرہ مشمولہ دھنی کے چند تحقیقی مضامین (ص ۲۲)
2 - نصیرالدین ہاشمی، فہرست مخطوطات کتب خانہ سالار جنگ (ص ۴۷۷)
3 - نصیرالدین ہاشمی، کتب خانہ آصفیہ اسٹیٹ سنٹرل لائبریری۔ جلد اول
4 - مولوی غلام نبی ابن عنایت اللہ، خلاصۃ الانبیاء قصص الانبیاء۔ ۱۳۷۶ھ ص: ۴۳۲

سلیمان پیغمبر

مثنوی سلیمان پیغمبر عزیز الدین نامی کی طویل مثنوی ہے۔ اس مثنوی کے قلمی نسخے کتب خانہ سالار جنگ، کتب خانہ آصفیہ، مخطوطات انجمن ترقی اردو پاکستان اور نصیر الدین ہاشمی (مدراس میں اردو) کی اطلاع کے مطابق مولوی خلیل اللہ حیدر آبادی کے ذاتی کتب خانہ میں محفظ ہے۔ کتب خانہ سالار جنگ میں محفوظ مخطوطہ کا اندراج نمبر ۶۶۳ ہے۔ سائز 5X7 جملہ اوراق (۳۳۲) سطور فی صفحہ ۱۲ ولایتی کاغذ پر خط نستعلیق میں لکھا ہوا ہے اور نصیر الدین ہاشمی تاریخ تصنیف ۱۲۲۷ھ لکھا ہے۔ جو درست نہیں ہے بلکہ صحیح تاریخ ۱۲۲۶ھ ہے۔

خاتمہ کے اشعار ملاحظہ ہوں۔

بس اے نامی وہ ذکر کر کے تمام — کہ اس نظم دکشن کا تاریخ نام
ہوا ختم جب نسخہ دلکشا — میں تاریخ کی فکر کرنے لگا
یکایک سروش سعادت سرشت — کہا ہے ندا بوستان بہشت
جو پوچھا میں سال شروع کتاب — کہا روضۂ حور سے کر حساب
یہ تاریخ دونوں کیا جو بیاں — ہے آغاز و انجام اس سے عیاں

آغاز تصنیف کا مادہ ''روضۂ حور'' ہے۔ جس کے عدد ۱۲۲۵ ہوتے ہیں۔ اختتام کا مادہ ''بوستان بہشت'' ہے۔ جس سے جعدد ۱۲۶۶ھ ہوتے ہیں گویا ایک سال کی مدت میں یہ مثنوی اختتام کو پہنچی۔

اس مثنوی میں عزیز الدین نامی نے طویل حمد بیان کی ہے۔ اس کے بعد مناجات اور نعت چشریف کے بعد معراج نامہ پھر سبب تالیف کے مضامین بیان کئے ہیں اور اصل موضوع کو قرآن شریف کی تفسیروں سے اخذ کیا ہے۔ مثنوی کا اختتام حضرت سلیمان علیہ سلام کی وفات پر ہوتا ہے۔ مثنوی کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ قصہ مذہبی ہے، اس مثنوی میں انہوں نے دیگر مثنویوں کا ذکر کتر تیب وار کیا ہے جس کے مطابق یہ ان کی چھٹویں تصنیف ہے۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ یہ طبع زاد مثنوی ہے جبکہ ان کی پہلی مثنوی، نو بہار عشق، دوسری مثنوی بہارستان عشق ترجمہ کردہ ہیں۔ اس مثنوی میں عزیز الدین نامی نے اپنے استاد مولانا باقر آگاہ کی وفات پر تازیانہ لکھا ہے۔ اس میں مرحوم کے اوصاف اور دعائے مغفرت کی ہے۔ اسکے علاوہ اپنے افکار و مسائل کا بیان کرتے ہوئے اہل خاندان کا ذکر بھی کیا ہے۔ مثنوی میں اشعار کی تعداد تقریباً چار ہزار سے زائد ہیں جملہ (۳۹) ابواب پر مشتمل ہے اور ہر باب کا عنوان فارسی میں ہے جوحسب ذیل میں عنوانات کی تفصیل درج کی جاتی ہے۔

1 - حمد
2 - مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات مجیب الدعوات
3 - نعت جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
4 - احوال معراج
5 - مناجات بجناب رسالت مآب علیہ الصلوۃ والسلام
6 - سبب تصنیف کتاب شریف
7 - بیان شروع داستان فہم حضرت سلیمان علیہ السلام
8 - نقل دیگر
9 - نقل سوم
10 - آغاز و بیان کیفیت سلطنت باکرمت حضرت سلیمان علیہ السلام
11 - آوردن انگشتری جبرئیل امین ازنزد جناب کبریا واجوع جانوران و دیو پریاں
12 - تقریر تعمیر مسجد بیت المقدس مقدس
13 - حکایت
14 - آمدن ابلیس لعنت شعار و آوردن اسپ پرداز
15 - احوال براسر ملال پسر حضرت سلیمان علیہ السلام کہ حوالہ بادہ کردہ بود
16 - گریختن مرد شامی بہند ہمراہ باد و قبض روح او لمون ملک الموت بحکم رب العباد
17 - تعریف تخت رواں ہمسر آسمان و حال مولاں دوشیکراں
18 - ضیافت کردن حضرت سلیمان علیہ السلام خوردن آن طعام یک لقمہ باہی تمام

19 - کیفیت کشتہ شدن بادشاہ نو براہ بدست آمدن دختر او مشرق شدن بنکاح حضرت سلیمان علیہ السلام
20 - احوال فریاد آوردن ملخ از ستم زاغ پیش حضرت سلیمان وآ.راخورون بخوف
21 - بیان وزیدن انگشتری دیولعنت شان ورفتن حکومت حضرت سلیمان
22 - باز یافتن انگشتری سب نکاح کروں دختر ماہیگر ہمدست شدن
23 - ملاقات کروں حضرت سلیمان از دو ماہد عابد وجرجوس پیغمبر علیہ والسلام
24 - آمدن شیاطین پیش پیغمبر رب العالمین ون ہادن سر بسر زمین
25 - کیفیت بادا شہ گمراہ کہ باد کفت ودیو بار مین روکرفتہ آوردن ہمدارا بقتل اساینہ ندو حکایت بادشاہ کو
روالنک کہ زاغ بعرض رسابند وتشریف فرمودن حضرت سلیمان وہدایت یافتن آن کافران
26 - رفتن حضرت سلیمان طرف کوہ قاف وسیر دریا وبرآوردن دوگوہرازان
27 - رفتن دوشرح برای شکار وفریفتہ شدن بریری دلدار
28 - شادی ذوشرح از عمیرا پری واحوال زفاف
29 - احوال تولد بلقیس از شکم عمیرا پری وکیفیت بود وباش وتعریف او
30 - شیندن شاہ زانے کیفیت بلقیس وفرستادن دل لہارا بہر تفتیش حال
31 - کشتن بلقیس شاہ زانے راوصورت جواب وسوال از ملازمین او

کتب خانہ آصفیہ میں اس مثنوی کا ایک نسخہ موجود ہے جس کا داخلہ نمبر (۱۹۴) ہے۔ مخطوطے کا سائز (6X9)، مکمل صفحات (۲۶۸)، تعداد سطور (۱۲ تا ۱۵) خطہ شکستہ ہے۔ تاریخ تصنیف ۱۲۲۶ھ اور تاریخ کتابت ۱۲۷۰ھ ہے۔ کتب خانہ آصفیہ کی فہرست مخطوطات جلد اول میں نصیر الدین ہاشمی لکھتے ہیں کہ

''جیسا کہ نام سے واضح ہے اس میں حضرت سلیمان علیہ السلام اور بلقیس کا قصہ نظم کیا گیا ہے''

مثنوی سلیمان پیغمبر نہ صرف سلیمان علیہ السلام اور بلقیس کا قصہ پیش کیا گیا ہے بلکہ سلیمان علیہ السلام کی زندگی کے تمام تر واقعات کو بیان کیا گیا ہے۔

کتب خانہ آصفیہ کے مخطوطے کا ترقیمہ اس طرح لکھا ہوا ہے۔

''آغاز تحریر ۲۲ ءذیقعدہ ۱۲۷۰ھ روز آدینہ اتمام ایں سبت ہشتم
ربیع الاول ۱۲۷۱ھ بوقت عشاء''(2)

گویا ۱۲۷۰ھ تا ۱۲۷۱ کے پانچ ماہ کے عرصہ میں اس کی کتابت عمل میں آئی یعنی کہ یہ کتابت نامی کی وفات ۱۲۴۰ھ سے تین برس بعد عمل میں آئی۔

افسر صدیقی امروہوی و سید سرفراز علی رضوی نے مخطوطات انجمن ترقی اردو پاکستان جلد اول میں ''سلیمان پیغمبر'' کے بارے میں تفصیل سے روشنی ڈالی۔ ۲۴۰ صفحات پر مشتمل اس نسخہ کا سائز 5X81/2 ہے۔ سطور ۱۵ تا ۱۷ ہے اور سنہ تصنیف ۱۲۲۵ھ/۱۲۲۶ھ سنہ کتابت ۱۲۵۱ھ ہے پہلے صفحہ پر کاتب نے تین رباعیاں اور تین چیتانیں تحریر کئے ہوئے ہیں۔ نصیر الدین ہاشمی صاحب کے حوالے سے مثنوی کے اصل نام اور سنہ تصنیف کے بارے میں لکھتے ہیں۔

> ''مولوی نصیر الدین ہاشمی نے فہرست مخطوطات کتب خانہ سالار جنگ مطبوعہ ۱۹۵۷ء کے صفحہ ۵۱۹ پر اس کتاب کا نام سلیمان نامہ تحریر کر چکے ہیں اور یہی صحیح نام ہے''۔(3)

یہاں یہ بات واضح ہوجائے کہ نصیر الدین ہاشمی نے جو نام ''سلیمان پیغمبر'' تحریر کیا ہے۔ راقمۃ الحروف کے مطالعہ کے مطابق یہی نام درست ہے چونکہ کتب خانہ سالار جنگ میں محفوظ مخطوطہ نمبر ۶۶۳ 'سلیمان پیغمبر' کے صفحہ (1) پر اس کا نام 'این قصہ سلیمان پیغمبر'' لکھا ہوا ہے۔ مثنوی کے متن میں کہیں بھی ''سلیمان نامہ'' کا لفظ نہیں آیا ہے۔

حوالے

(1) نصیر الدین ہاشمی، کتب خانہ اسٹیٹ سنٹرل لائبریری جلد اول
(2) ایضاً
(3) افسر صدیقی، مخطوطات انجمن ترقی اردو پاکستان ۲۹۲

گنج قدرت

عزیزالدین نامی نے مثنوی گنج قدرت ۱۲۳۳ھ میں لکھی اس مثنوی کو انہوں نے سلیمان نامہ ۱۲۲۶ھ کے سات سال بعد لکھی ہے۔ مثنوی گنج قدرت میں جنوبی ہند کے ایک بزرگ شیخ شاہ الحمید میراں عبدالقادر المتوفی ۹۷۸ھ کے حالات نظر کئے گئے ہیں۔ یہ مثنوی ۱۲۶۸ھ میں مدراس سے شائع ہو چکی ہے۔ ڈاکٹر شاکرہ صاحبہ شاہ الحمید میراں کے متعلق لکھتیں ہیں۔

شیخ شاہ الحمید میراں عبدالقادر ۹۱۰ء مطابق ۱۵۰۲ء میں مانک پور میں پیدا ہوئے اور کم عمری ہی میں دینی خدمت کے لئے وطن سے نکل کھڑے ہوئے۔ پہلے گوالیار آئے، وہاں سید محمد غوث گوالیاری م ۹۷۰ھ/۱۵۶۲ء کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پھر حج و زیارت اور کئی ملکوں کی سیاحت کرتے ہوئے یہیں وفات پائی۔ ان کی درگاہ اب بھی زیارت گاہ عام ہے اور عرس عرست دھوم دھام سے ہوتا ہے جس میں ہندو مسلمان دونوں بڑی عقیدت سے شریک ہوتے ہیں۔(1)

عزیزالدین نامی کی اس مثنوی ''گنج قدرت کا ایک نسخہ پاکستان کے کتابخانہ انجمن ترقی اردو میں محفوظ ہے۔ اس مخطوطہ کا اندراج نمبر (۴۷۶) ہے۔ اس نسخہ کا سائز 5X8 ہے۔ مکمل صفحات ۲۱۴ اور ہر صفحہ پر ۱۳ سطور ہیں۔ گنج قدرت کا سنہ تصنیف ۱۲۳۳ھ اور سنہ کتابت ۱۲۶۶ھ ہے۔ افسر صدیقی امروہی نے آغاز، اختتام اور ترقیمہ کے اشعار درج کئے ہیں جس کی تفصیل اس طرح ہے۔

آغاز

یہ ہے حمد خلاق حق کا بیاں — کہ ہے ہر نشاں اس سے وہ بے نشاں
بلا شک ہے وہ قادر ذوالجلال — کمالوں کو جس کے نہیں ہے زوال
ہے لائق حمد کے وہ قادر حق — ملک کو جو کیا برپا معلق

عجب کچھ اس کی قدرت ہے کہ یکسر　　زمین پانی پہ ہے پانی زمیں پر
نکالا سنگ کے سینے سے جوہر　　شکم سے ابر کے برسایا گوہر

حمد کی (۲۷) ابیات مناجات کی (۲۹) اور نعت ومنقبت اہل بیت کی (۹۰) ابیات ہیں اس کے بعد واقعہ معراج کو (۸۰) ابیات م یں نظم کر کے سبب تالیف بیان کیا ہے، پھر شاہ عبدالقادر کے حالات ہیں۔

اختتام

شکایت کی حکایت کر کے موقوف　　کر اس کے ختم برہمت کو معروف
یہاں نامی تو لکھ تاریخ اور نام　　بیاں کر جلد اس کا سال تمام
نبی جب یہ کتاب باسعادت　　رکھا میں نام اس کا گنج قدرت
کیا میں فکر تاریخ نظآمت　　کہا ہاتف نے اشعار کرامت
علی روح نبی صل وسلم　　و اہل بیتہ یا رب مکرم

ترقیمہ

کاتب نے اپنے نام اور سنہ کتابت پانچ اشعار کے قطعہ کی صورت میں لکھا ہے۔

امامالدین بروز چارشنبہ　　کہ ہے جو بارویں تاریخ شعبان
ہے سند ہجرت سے بارا سو پہ چھبیہ　　ظہر کے وقت میں اے اہل باشان
کتاب گنج قدرت لکھ چکاسب　　بافعال خدائے انس اور جاں
کرے اس کا مطالعہ گر کوئی شخص　　توقع اس سے میں رکھا ہوں برآن
دعائے مغفرت حق میں میرے کچھ　　خدا سے چاہے وہ از راہِ احسان

ڈاکٹر حامد اللہ ندوی بمبئی نے رسالہ معارف فروری/مارچ ۱۹۹۱ء میں دو قسطوں میں تفصیلی جائزہ شائع کیا ہے لیکن افسوس کہ انہوں نے اس مثنوی کو کہاں سے حاصل کیا اس کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ البتہ لکھتے ہیں کہ

''اتفاق سے اردو کی قدیم مثنوی کا ایک قلمی نسخہ ہمارے ہاتھ آیا ہے

جو قادر ولی کے متعلق ان سارے سوالوں کا اطمینان بخش جواب دیتا ہے
چونکہ یہ مثنوی علمی تاریخی اور دینی اعتبار سے ایک خاص اہمیت رکھتی ہے‘‘(3)

ڈاکٹر حامد اللہ ندوی کے زیر منظر نسخہ ناقص الآخر ہے۔ مثنوی کے اصل نام سے ناواقف ہیں تمہید میں ایک شعر کی مناسبت سے انہوں نے ’’احوال قادر ولی‘‘ اس مثنوی کا نام لکھا ہے اور یہ شعر دیا ہے ۔

زبانی اس کی مجھ کو بول بھیجا　　　　که لکھ احوال تو قادر ولی کا

مثنوی ’گنج قدر‘ میں مثنوی نگار نے سبب تالیف میں اپنے ذاتی حالات کو بیان کرتے ہوئے اس مثنوی کی فرمائش کرنے والے کا ذکر کیا ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں۔

امیر الملک لعل معدن شاں　　　　لقب جس کا ہے ممتاز امیران
کرم کے بحر کا سنگین بہادر　　　　عماد الدین محمد خان بہادر
عماد دولت و جاہ خداداد　　　　مروت کے چمن کا سرو آزاد
تعجب کیا جو کھولا فیض کا باب　　　　که دادا اس کا تھا نواب وہاب
شکوہ الملک دادا اس کا تھا جو　　　　سگا بھائی تھا والا جاہ کا او
جو اس کی والدہ خواہر ہے میری　　　　وہ ہمشیرہ حقیقی ہے چچری
قرابت میں ہے وہ مجھ سے یگانہ　　　　پھر اس پر اب ہوا ہے سمدھیانا
غرض بیٹا میرا داماد اس کا　　　　مخاطب محی دولہ جو ہیگا
ہے عرف احمد حسیں اس کا زماں میں　　　　رکھے حق خوش اسے دونوں جہاں میں
زبانی اس کی مجھ کو بول بھیجا　　　　که لکھ احوال تو قادر ولی کا

مذکورہ بالا اشعار سے عزیز الدین نامی کے جو حالات کا علم ہوتا ہے۔ آرکاٹ کے نواب محمد علی والا جاہ کے حقیقی برادر شکوہ الملک ہے، ان کے پوتے امیر الملک عماد الدین محمد خاں عماد الدولہ ممتاز ہیں اور ان کی ماں عزیز الدین نامی کی حقیقی چچری بہن تھیں اور ان سے سمدھیانا بھی جوڑ گیا یعنی کہ عماد الدولہ ممتاز کی لڑکی عزیز الدین نامی کے لڑکے احمد حسین محی دولہ سے نکاح کیا گیا ہے چنانچہ عماد الدولہ کی فرمائش پر انہوں نے یہ مثنوی تصنیف کی۔ مندرجہ بالا اشعار کے بعد نامی نے اس مثنوی کے ماخذ کے بارے میں لکھا ہے۔ ملاحظہ ہوں۔

خیال اس کا بنایا تھا مجھے خواب　　　گیا ناگور کو میں ہو کے بیتاب
رسالہ وہاں ملا کنزالکرامت　　　ہے جس میں سر بسر دکھنی عبارت
میں اس کی نقل یک وہاں کرکے پیدا　　　خوشی سے ساتھ اپنے لے کے آیا
شتاب اس نثر کو تو نظم کردے　　　مضامین کو درمعنی سے بھردے
ولی اللہ کا ہے اس میں مذکور　　　بنا کر اس کو عالم کو مسرور
ہوئی جب اس مجھ کو یہ اشارت　　　نظر کر اس کی الفت اور قرابت
سراسر دل نشین کر اس بیاں کو　　　کیا وا نظم ہندی میں زباں کو

ان ابیات سے واضح ہوتا ہے کہ مثنوی نگار نے ناگور کا سفر کیا۔ وہاں سے رسالہ کنزالکرامت جو دکھنی نثر میں ہے، اس نسخہ کو حاصل کرلیا اور اس کے نثری مضامین کو نظم کے پیرائے میں ہندی زبان (قدیم اردو) میں پیش کیا ہے۔ سبب تالیف کے ان اشعار کے بعد نامی نے اپنے حالات کا بیان کیا ہے۔ چند اشعار دیکھئے۔

اگرچہ میں سد راہ کرکے بیمار　　　زمانے کے تھافکروں میں گرفتار
خیال شعر سے یک بار منہ موڑ　　　دیا تھا مثنوی کہنا ہی میں چھوڑ
سلیمان نامہ جب سے میں بنایا　　　ارادہ مثنوی کا پھر نہ آیا
جواب قادر ولی نے پھر مدد کی　　　لگایا دل ولی کے ذکر میں ہی
معانی کے جواہر کے تئیں لا　　　سرابیات کو بخشا سراپا

عزیز الدین نامی نے اپنے ناسازگار حالات کے سبب سلیمان نامہ لکھنے کے بعد تصنیف و تالیف کا ارادہ ترک کردیا تھا لیکن حضرت قادر ولی کی مدد سے معانی کے جواہر کے تئیں اس مثنوی کی ابیات کو سرانجام دیا۔ اس کے بعد اصل قصہ کا آغاز ہوتا ہے۔

قادر ولی کی ولادت یو پی کے ایک مشہور شہر مانکم پور میں ہوئی، ان کی والدہ محترمہ بی بی فاطمہ اور والد محترم سید حسن قدوس سامی تھے اور کئی واسطوں سے ان کا سلسلہ نسب حضرت غوث اعظم سے جاملتا ہے۔ بی بی فاطمہ اولاد کی تمنا لئے ہر وقت دعائیں کیا کرتیں تھیں، فضل خدا سے حمل قرار پاتا ہے تو ایک رات حضرت خضر علیہ السلام بشارت دیتے ہیں کہ ان کے گھر ایک نیک سیرت اور لائق لڑکا پیدا ہوگا جو اپنے وقت میں یگانہ اور قطب زماں ہوگا۔ اس سلسلے کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

ہے یورپ میں بڑا ایک شہر معمور — کہ ہے نام اس کا مانک پور مشہور
تونگر اور گدا رہتے ہیں اس جا — نہایت ملک وہ آباد ہے گا
کئی پیروں کی ہیں بستی میں درگاہ — زمیں میں سوتے ہیں ہر جا حق یہ آگاہ
ہے گنبد اور مسجد جابجا وہاں — بہت ہندو ہیں اور کم ہیں مسلمان
ہے واں پنچ پیر کا یک ٹھان اکیلا — کہ اس جا ہووے ہے برسال میلا
وہاں تھی ایک بی بی فاطمہ نام — کہ اس کے معتقد تھے اہل اسلام
تھا اس بانو کا خاوند گرامی — شہ سید حسن قدوس سامی
یہ دونوں پاک زاد نیک بنیاد — جناب غوث اعظم کے تھے اولاد
غرض وہ بی بی ہر دم کی دعا سے — ہوئی ہے حاملہ فضل خدا سے
ہوا لطف خدا یک بار ظاہر — شکم میں ماں کے آیا عبدالقادر
صدف میں جا چھپا انمول گوہر — ہوا نخل تمنا بار آور
وہ بی بی پاس آکر خضر یک شب — خوشی سے کہہ سلام حضرت رب
کہا دے گا تجھے خلاق اکبر — پسر یک نیک سیرت اور بہتع
کریگا حق اسے قطب زمانہ — وہ اپنے وقت میں ہوگا یگانہ

شاہ محمد غوث گوالیاری ایک صوفی اور بڑے عالم تھے، ان کی تصانیف میں رسالہ معراجیہ، جواہر خمسہ، کلید مخازن کنز الوحدت، ضمائر و بصائر اور بحر الحیواۃ شامل ہیں۔ یہ شطاری سلسلے کے ایک اہم بزرگ اور شیخ فرید الدین عطار کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ قادر ولی سترہ برس کی عمر میں پیر و مرشد کی تلاش میں گھر سے نکل پڑے اور گوالیار پہنچے۔ یہاں انہیں شاہ محمد غوث گوالیاری سے شرف بیت حاصل ہوا۔ پیر نے انہیں اپنا مرید بنا کر فرقۂ خلافت عطا کی اور سفر حج پر جانے کی اجازت دی۔ پھر قادر ولی نے اپنے امریدوں کے ساتھ سفر حج کیلئے جہاز کے ذریعہ سوار ہوئے۔

کئی دن جب چلے منزل بہ منزل — ہوئے لاہور کی بستی میں داخل
مشائخ اور عالم اس حگا کے — ملے حضرت سے استقبال آ کے
کئی دن تک رہا اس شہر میں جب — ملے وہاں کے بزرگاں آ کر سب
کئے محبت سے اس کے کام حاصل — ہوئے اپنے مراد دل سے واصل

کئی منزل کو طے کر شاہ والا — خدا کے فضل سے کچی کو پہنچا
میاں! بندر ہے واں یک شہر کے پار — ہے پاس اس کے کلی کوٹ اور ملیبار
تمامی قافلہ کو لے کے ہمراہ — مقام اس گاؤں میں آ کر کیا شاہ
مریدوں سے کہا دیکھو تو جا کے — کھڑا ہے ناؤ کوئی ریو پہ آ کے
جہاز آ کر اسی دن یک منور — کھڑا تھا ریو پر دے کر کے لنگر
کہے آئے تھے یک بندر سے باہم — عرب کے ملک کو جاتے ہیں اب ہم
کہے جب شاہ سے ہر بات آ کر — بجا لایا خدا کا شکر سرور
شتابی ناؤ کے بنول کو دیکھے — چڑھا اپنے مریداں ساتھ لے کے
ہوا کشتی کا گھر پر نور و آباد — خلاصی اور معلم ہوگئے شاد

سفرِ حج کا یہ قافلہ شمال سے جنوبی ہند کی طرف روانہ ہوا۔ مذکورہ بالا اشعار میں جنوبی ہند کے تین علاقوں کے نام کچی، کلی کوٹ اور ملیبار آئے ہیں۔ یہ تین علاقے تقسیم ہونے سے پہلے صوبہ مدراس میں شامل تھے۔ جب لسانی بنیادوں پر تقسیم عمل میں آئی تو یہ علاقے ایک ریاست کے تحت ہوگئے جو آج ریاست کیرالا کے نام سے موسوم ہے۔ کچی موجودہ کوچین ہے۔ کلی کوٹ کا موجودہ نام کالی کٹ 'Calicat' اور ملیبار اہم بندرگاہ ہے جہاں عربوں کے تجارتی جہاز ہوتے تھے۔ بعد میں فرانسیسی اور انگریز تاجروں نے اپنی تجارتی منڈیاں قائم کیں۔ سفرِ حج کا یہ جہاز جدہ پہنچا پھر حرم کعبہ کی طرف روانہ ہوئے۔ یہاں مناسک حج ادا کر کے مدینہ منورہ میں روضۃ النبی کی زیارت کی پھر میدان کربلا اور بغداد کا سفر کرتے ہوئے مالا بار کی طرف آئے اس سلسلے کی چند ابیات ملاحظہ ہوں۔

جہاز آ کر کیا جدیہ میں لنگر — ولی اتراتب اس بستی کے اندر
کیا واں سے حرم کا جب ارادہ — لگا چلنے خوشی سے پا پیادہ
اتر یک باغ کے اندر وہ طاہر — کیا با پاک باطن غسل ظاہر
وہاں سے آ طواف حق ادا کر — دیا بوسہ حجر اسود کو جا کر
مقام خاص ابراہیم میں آ — مناسب سب ادا کر وہ معلی
مریداں اپنے یک یک لے کے ہمراہ — ادائے حج کیا الحمدللہ
وہاں سے پھر مدینہ کو گیا ہے — سعادت دین و دنیا کی لیا ہے

گیا واں سے نجف اور کربلا میں — سعادت باب ہو وہ دو جہاں میں
کیا بغداد کی آر زیارت — لیا ہے روضۂ جد سے سعادت
کئی دن تک چلا واں سے جو یکبار — جہاز شاہ آ پہنچا ملیوار

یہ قافلہ مالابار سے مالدیپ، نتھم، نطہر نگر (ترو چناپلی) اس علاقے میں نطہر ولیؒ کے نام سے ایک بزرگ صوفوں ہیں یہ شہر مدراس سے دوسومیل کے فاصلہ پر واقع ہے۔نطہر ولیؒ کے مزار کے احاطے میں ارکاٹ کے نواب محمد علی والا جاہ اوران کا مخالف چنداوصاحب دفن ہیں۔نطہر نگر میں قادری ولی کے قافلے کا استقبال کیا گیا۔نطر ولیؒ کے مریدوں اورعقیدت مندوں نے قادرولی کی قدم بوسی کی نطہر ولی کی زیارت کا شرف نیاز حاصل کیا۔

یہ فضل حق چلا جب شاہ کئی روز — ہوا نطہر نگر میں شمع افروز
معاً نطہر ولی پاک مشرب — مریدوں سے کہا آ خواب میں تب
ولی اللہ یک آیا ہے اس جا — کو سامانِ مہمانی مہیا
گئے پھر مل کے سب آگے کئی کوس — ملے قادر ولی سے ہو قدم بوس
بڑی توقیر اور عزت سے لائے — شرف آنے سے اس کے سب نے پائے

تنجاور (جنوبی ارکاٹ) میں بھی اس قافلہ کا پر جوش استقبال ہوا۔یہاں کا راجہ جو سخت بیمار تھا۔قادرولی کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنی بیماری کا عرض حال بیان کیا تو قادرولی نے اس کے حق میں دعائے خیر مانگی اور وہ صحت یاب ہوگیا۔

وہاں سے پھر وہ مقبول الٰہی — ہوا جلد تنجاور کو راہی
کرم سے حق کے جب وہ شاہ کامل — ہوا ہے شہر تنجاور میں داخل
لگے ملنے کو واں کے لوگ آ کل — ولی حق کا بستی میں پڑا غل
تھا ان روزوں میں راجا سخت بیمار — عجب کچھ لاو وا تھا اس کا آزار
سنا راجا نے جو حضرتکا احوال — ہوا دل میں نہایت اپنے خوشحال
معاً پھر بیٹھ کر ڈولیمیں راجا — حضور شاہ آیا ہاتھ باندھا
گرا بے اختیاری سے قدم پر — کہا پھر یوں زمیں پر سر کو رکھ کر

مجھے صحت عطا کر شاہ عالی — چلا مت اپنے در سے ہاتھ خالی
کہا تب شاہ مت ہوگ گھا برا تو — کیا ہیگا کسی نے تجھ پہ جادو
خدا کے حکم سے کرتا ہوں اب توڑ — نکل جاتا ہے تیرے تن کا سب کھوڑ
کہا خادم کواپنےپھر بلاکر — ہے اس راجا کے گھر میں یک کبوتر
تو اس کے نوکروں کو ساتھ لیجا — کسی ڈھب اس کبوتر کو پکڑ لا
کبوتر کو لے آئے شاہ کے پاس — اسے لے کر کے دیکھا سر ور ناس
دعا پڑھ کر جو سر کی ہوئی نکالا — تو نکلا آنکھ کے راجا کا جالا
نکلگئی ناتوانی اور سستی — ولی راجا کویک دم تندرستی
کہا حضرت کے پاؤں پڑ کیراجا — مجھے تو جان بخشا دلنوازا
میں اساحسان کا بدلہ کروں کیا — مگر دیتاہوں جو ہے ملک میرا
کہا شہ ملک مجھ کو نہیں ہے درکار — رہے تجھ کو مبارک تیرا سرکار
عقیدت تجھ کو گر پوری ہے دل سے — تواپنے ملک سے تھوڑی زمین دے
کہ جیتے جی کروں میں اس میں بستر — مرے بعد از مری ہو قبر اس پر
کہا راجا زمین سب اپنی بوجو — جہاں ہو وے پسند طبع واں رہو

ترواتور (ترپاتور) جوشالی آرکاٹ میں واقع ہے۔ یہ شہر محمد علی والا جاہ چندا صاحب اور ٹیپو سلطان سے انگریزوں کی لڑائیوں میں ان فوجس کی چھاونی رہا ہے۔ بیرم پیٹ، ترملاچیری سے ہوتے ہوئے ناگور شریف میں داخل ہوا تو تنجاور کے راجہ نے اپنے فوجیوں کو بھیجا کہ قادرولی کہاں قیام کرنا چہتے ہیں۔ اشعار ملاحظہ ہوں۔

غرض واں سے قدم شہ نے اٹھایا — اور اس ناگور میں تشریف لایا
نہ تھی بستی کہیں واں آشکارا — تھا جنگل اور دریا کا کنارا
پسند آئی جگہ وہ شاہ دیں کو — اتر کرواں دیا عزت زمین کو
خبر لینے کو تنجاور کا راجا — کئی پوشیدہ ہرکارے رکھا تھا
کہاحضرتکو جو جاگا پسند آئے — شتابی پاس میرے خبر لائے
کہے ہرکارے جا راجا سے یہ طور — معاً خود دوڑتا آیا ہے فی الفور

کہا سب ملک میرا ہیگا حاضر   جو چاہو لیو وہ اے شاہ قدر
کہا شہ ملک لے کر کیا کروں سب   یہاں اب بستر سے کی دے جگا اب
معاً راجا نیکلوا وہاں کی جھاڑی   لگایا جھاڑ کی سب پھول باڑی
ولی حق خوشی سے واں اتر کر   نشان اپنا چڑھایا اس جگہ پر
ہوئی وہ سرزمین سب رشک گردوں   لگا نقارہ بجنے شہ کا دوں دوں
لگا ہونے ولی کا واں ظہورا   سفرمہ کا ہوا اس دن سے پورا

مذکورہ بالا اشعار کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قادر ولی دوبارا اپنا قیام تنجاور میں کرنے کے بعد یہی ان کی آخری قیامگاہ بنالیتے ہیں لیکن یہاں بھی وہ مستقل طور پر رہ نہ سکے۔ انہوں نے قریب و جواب کے علاقوں کا سفر جاری رکھا۔ مقامی جگہوں، ورغور، ناگ پٹن، دھناسری میں قیام کرتے رہے اور دھناسری انکی آخری قیام گاہ رہی۔ ان علاقوں میں دین اسلام کی تبلیغ کرتے رہے اور آخرکار ۶۸ سال کی عمر میں رحلت کر گئے۔

جہاز یک دم وہاں سے پھر ہوا سا   دھناسیری کے آبندر کو پہنچا
ولی اللہ بن کر جوں قلندر   گئے یک بار اس بندر کے اندر
جو اس بستی میں پہنچا شاہ آ کر   بتاں سب گر پڑے ہیں تھرتھرا کر
ہوا حضرت کا واں پھر شہرہ یکبار   لگے آنے کو اندھے لنگر سے بیمار
شفا پانے لگے اس کی دعا سے   ہوئی نزدیک اپنے مدعا سے
ہوئے محکوم اس کے بادل و جاں   مسلماں ہوگئے راجا و پردھان
بنائے ہیں مساجد جابجا پر   کئے آراستہ اسلام کا گھر
لگی ہونے صلوٰۃ و صوم ہردم   ہوے تکبیر کے متقول باہم
لگا واں وعظ کہنے صبح اور شام   سکھایا سب کو دینداری کے احکام
کہا یک روز ان سب کو بلا شاہ   کہ کل ہے موت میری اناللہ
فضارا صبح کو پھر مرگیا وہ   دلوں پرداغ ماتم دھر گیا وہ
نکل کر تن سے اس کے روح اطہر   گئی فردوس میں مسکن مقرر
رہا جا سرور لولاک کے پاس   گیا ہے اپنے جد پاک کے پاس

تھے سن نوسو پہ ستر اس پہ آٹھ اور — کہ جنت گو گیا سالار فی الفور
ہوئی تھی پوری اٹھ سٹھ عمر والا — نہیں اس بات میں کچھ شبہ اصلا
تھا آخر کا مہینہ جمعہ کی شب — وہم تاریخ تھی اس چاند کی تب

مثنوی کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ قادر ولی کی درگاہ تین جگہ ہیں اور ہر سال ان تینوں جگہوں میں عرس ہوتا ہے۔ اس سلسلے کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

دھناسیری کے لوگوں اس جگہ پر — بنائے ہیں بڑی درگاہ بہتر
ابھی تک عرس وہاں ہوتا ہے ہر سال — وہاں بھی ہے سدا ناگور کا حال
ہے جو وانجور میں چلہ کی جاگا — وہاں بھی تھوڑا سا ہوتا ہے میلا

الغرض اس مثنوی کے مطالعہ سے قادر ولی کے حالات ان کے تبلیغی سفر اور کرامات کے بارے میں معلومات حاصل ہوتیں ہیں۔ قادر ولی کا مانک پور (یو پی) سے تعلق ہے۔ پہلا سفر گوالیار سے شروع ہو کر آخری سفر جنوبی ہند کے علاقے دھناسیری پر ختم ہوتا ہے۔ ڈاکٹر حامد اللہ ندوی نے اس مثنوی پر تفصیلی بحث کی ہے۔ ان ہی کی اطلاع کے مطابق یہ نسخہ ناقص الآخر ہے لیکن انہوں نے آغاز مثنوی کا جائزہ پیش نہیں کیا ہے۔ آغاز مثنوی پر بھی تحقیقی نظر ڈالتے تو ان کا یہ مقالہ مکمل ہو پاتا۔ اس مضمون کے مطالعہ سے ادھورے پن کا احساس ضرور ہوتا ہے لیکن اس مقالہ کو لکھ کر انہوں نے اس مثنوی کو گوشہ گمنامی سے محفوظ کیا ہے۔ راقمتہ الحروف نے حامد اللہ ندوی کے اس مقالہ کی مدد سے ہی اپنے تحقیقی مقالہ میں پیش کیا ہے تا کہ اس مقالہ کے ذریعہ یہ مثنوی محفوظ ہو جائے کیونکہ اس کا ایک نسخہ پاکستان کے کتب خانہ انجمن ترقی اردو میں ہے۔ حیدر آباد اور مدراس کے کسی بھی کتب خانہ میں محفوظ نہیں ہے۔

قصہ بی بی مریم

اس مثنوی میں عزیز الدین نامی نے حضرت ''بی بی مریم'' کے واقعات بیان کئے ہیں۔ برصغیر میں اس مثنوی کے نسخے کتب خانہ سالار جنگ اور کتب خانہ آصفیہ میں محفوظ ہے۔

کتب خانہ سالار جنگ میں تین نسخے ملتے ہیں۔ ایک نسخہ کا اندراج نمبر (٦٦٨) ہے۔ اس نسخے کے مصنف کے بارے میں نصیر الدین ہاشمی لکھتے ہیں۔

مصنف کے متعلق کوئی معلومات حاصل نہیں ہوئے صفحہ اول پر جو نام لکھا ہوا ہے۔ اس کو اگر صحیح قرار دیا جائے تو یہ کسی سید محمد کی تصنیف ہے۔ صحیح طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا ہے۔

دوسرے اور تیسرے نسخے کے مصنف بھی نا معلوم ہیں۔ ماقبل ١٢٠٠ھ کا نسخہ جو سید محمد کے نام سے منسوب ہے۔ اس نسخے کو نسیم الدین فریس اپنے تحقیقی مقالہ میں عزیز الدین نامی سے منسوب کیا ہے لیکن انہوں نے کوئی دلیل پیش نہیں کی ہے۔

کتب خانہ آصفیہ میں محفوظ نسخہ کا اندراج نمبر ١٩١ ہے۔ اس کی تفصیلات اس طرح ہیں۔ نمبر (٤٩٠) سائز 5X8 صفحہ (١٣٨) سطر (١٣) خط ثلث، مصنف غلام اعزالدین نامی تاریخ تصنیف قبل ١٢٢٥ھ ہے۔ اس مثنوی کا موضوع حضرت ''بی بی مریم'' کے واقعات و حالات ہیں۔ قصہ کو قرآن شریف اور تفسیروں سے اخذ کیا گیا ہے۔ مثنوی کا آغاز و اختتام ملاحظہ ہو۔

آغاز

محی الدین ہے سرور اتقیا   محی الدین سر جملہ اولیاء

اختتام

ہوا باب ششم ختم اس وضا   نبی پر دورداں کہوں باصفا

ترقیمہ

تحریر فی تحریر قصہ بی بی مریم درواہ محرم بتاریخ بست چہارم بروم سہ شنبہ بوقت ظہر مرتب شد۔

مثنوی داغستان کلفت

عزیزالدین نامی کی گوشہ گمنامی میں شامل مثنوی میں ایک مثنوی ''داغستان کلفت'' ہے۔اسمثنوی کا کوئی بھی نسخہ ہندوستان مدراس اور پاکستان کے کسی کتب خانہ میں موجود نہیں ہے۔ماہنامہ سب رس جون ۱۹۶۵ء کے جلد ۲۸ اورشمارہ ۶ میں رزاق فاروقی نے اسمثنوی پر مختصر مقالہ شائع کیا ہے۔چنانچہ وہ اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں۔

''البتہ نامی کی چند ایسی مثنویوں کا ذکر میں کرنا چاہتا ہوں جو غالباً اب تک گوشہ گمنامی میں رہی ہیں۔مثنوی داغستان کلفت نامی کی ایک طویل مثنوی ہے جس کے اشعار کی تعداد (۲۸۶) ہے''(8)

عزیزالدین نامی نے اس مثنوی میں اپنی لڑکی طاہرہ کے جل کر مرنے کے واقعہ کو پرسوز انداز میں نظم کیا ہے اوراسی مثنوی میں اپنے بڑے بھائی کے اچانک وفات پانے کا ذکر بھی کیا ہے۔مثنوی کی ابتداء حمد باری تعالیٰ سےکی ہے۔سرخی کے عنوان کے ساتھ اشعار ملاحظہ ہوں۔

مثنوی داغستان کلفت دراحوال سوختن طاہرہ شہیدہ مرحومہ۔

ہے واجب حمد اس جلی و علا کا　　کیا ہے جسنے نور و نار پیدا
خلیل اللہ کو آتش میں مکیں کر　　کیا انوار سے اپنے منور
ہے وہ قادر کہ نت پتھر کے اندر　　شرر کو آب سے رکتا بچاکر

حمد کے اشعار کے بعد مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات لکھی ہے۔اشعار ملاحظہ ہوں۔

وسیلے سے محمد مصطفیٰؐ کے　　بچالے مجھ کو نار خاصیہ سے
اٹھا مت قبر سے بے نور مجھ کو　　نہ کر رحمت سے اپنی دور مجھ کو
منور کر تو ایسا شمع ایماں　　کہ میرا دل ہو رشک مہر تاباں

الٰہی گور میں مت رکھ مجھے گور — عنایت کو حرے کر مشعل گور
مرے مدفن کو ایسا کردے روشن — کہ ہووے خاک میری رشک گلشن

مناجات کے ان پر اثر اشعار کے بعد نعت لکھی ہے۔ اس کے بعد اصل موضوع کا آغاز کیا ہے۔ عنوان ''آغاز تمہید احوال سراسر سوز و ملال'' ہے۔ اسکے مکمل اشعار کی تعداد ۹۵ ہے۔ لہذا مثنوی سے ابتدائی تین اشعار ملاحظہ ہوں۔

کہوں کیا ہائے اے خویشان دل سوز — ہوا داغ جگر یک آتش افروز
بتاؤں ختم کو کیوں کر تاب اپنا — بجھاؤں کس طرح جی کا تڑپنا
کہوں قصہ گر اس آتش کا رتی — جگر ہو دوستوں کا جل کے پستی

اس طرح ۱۵ اشعار کی تمہید کے بعد شاعر اپنی چھوٹی بیٹی طاہرہ کا تعارف پیش کیا ہے۔

ہے اس تابش کی اب تفصیل اس ڈھب — بیان کرتا ہوں وہ رو رو کے اب سب
مری بیٹی تھی چھوٹی طاہرہ نام — مطابق نام کے تھے اسکے سب کام
جواں سن تھی وہ لڑکی ان بیاہی — نہ تھا کام اس کو جز یا الٰہی
نماز پنج وقتہ اور تلاوت — نہ کی ناغہ کبھی وہ باسعادت
قضا را چدویں رجب کی آئی — اجل نے اس کو یک دم آ جا گائی
نماز صبح کو اس دن اٹھی جب — رہی تھی باقی پچھلی دو گھڑی شب
گئی جا اپنی حجرے میں اقامت — وضو کر کے لگی کرنے عبادت
نماز فرض و سنت کو ادا کر — کلام اللہ پڑنے لاگی فرفر
تلاوت سے بھی کر حاصل فراغت — اٹھی مصحف کو بیوہ با کرامت
دھری تھی شمع جو پیچھے سے ایک بار — لگی پشواز کے دامن کو انگار
یہ تھی قرآن کے رکھنے میں مشغول — گئی تھی شمع کو یک بارگی بھول
کنیزو دائی مغلانی کہیں تھے — کوئی اس وقت پاس اس کے نہیں تھیں
مگر دو باندیاں تھیں خورد سالہ — تھی گدھی یک بڑی منہ اس کا کالا

عجائب اتفاق اس دن ہوا تھا — مقدر نے اسے تنہا کیا تھا
بدن اسکا بنا تھا آبلہ سا — گلا گلدانضی سے سب جلا تھا
ہوے تھے تن کے کپڑے راکھ جل کر — بہا پانی ہو سب لوہو پگل کر
ہوا ہے صبح کو منگل کے یہ کام — رہی پندرہ پہر بے چین و آرام
گیا جب چارشنبہ اور شب آئی — خدا کے پاس جا آرام پائی

ان اشعار میں عزیز الدین نامی نے طاہرہ کے اخلاق خاکسری، سعادت مندی اور عبادت الٰہی کے اوصاف بیان کیا ہے۔ اس کے بعد کیفیت مصیبت اہل تعزیت لکھی ہے۔ خاص طور پر مرحوم طاہرہ کی ماں کے درد وغم کو بیان کیا ہے۔ پھر جنازہ کا نوحہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

غرض نکلا ہے جب اس کا جنازہ — ہوا ہر ایک کو پھر زخم تازہ
کئی ہندو مسلماں اشک جاری — گلے کرنے کو خویش و غیر زاری
یہ کہتے تھے رو رو مرد اور زن — چلی ہے آج یہ جلوے کی دلہن
عزیزو دیکھو کیسا ماجرا ہے — عوض ڈولی کے اب ڈولا چلا ہے
بجائے ساز سوز غم ہے موجود — شہنائی کی جگہ پڑتے ہیں مولود
بحق احمد مرسل خدایا — نہ بتلا پھر مجھے تو روز ویسا

اس نوحہ کے ب عد عنوان ''بیان نصیحت ووصیت یاولادواستدنا بحضرت رب العزت'' کے تحت عزیز الدین نامی نے اپنی اولاد کو وصیت کی ہے کہ جب کبھی اس داغستان کلفت کو پڑھیں طاہرہ کے نام پر فاتحہ پڑھیں اور خیرات دیں اور ساتھ ہی ساتھ رب العزت سیاپنی بخشش کیلئے دعا کی ہے۔ اس کے بعد اپنے بھائی کے اچانک رحلت پا جانے کے واقعہ کو بیان کیا ہے۔ اشعار ملاحظہ ہوں۔

پھر اس کے دوسرے دن صبح جب آئی — گیا جنت کے تئیں میرا بڑا بھائی
گیا دنیا سے اب دم ساز میرا — گیا بھائی جو تھا ہمراز میرا
گیا وہ قوت بازو میرا آہ — میں تنہا ہوگیا دنیا میں اللہ
کسی سے بھی نہیں تھا اس کو کینہ — برنگ آئینہ تھا صاف سینہ

نہ تھی اس سے کسی کو بھی کدورت	بہت تھا نیک سیرت خوبصورت

آخری شعر میں بھائی کی مغفرت کیلئے دعا کی ہے شعراس طرح ہے۔

الٰہی داغ جنات کر تو	بحق شاہ جیلانی اب اسکو

عزیز الدین نامی نے بھائی کی وفات کے تفصیلی بیان کے بعد دنیا کی ناپائیداری اور دنیا کی بے ثباتی کو بیان کیا ہے۔

بس اس سے دل لگانا کیا ہے حاصل	کہ کردیتی ہے یک لحظے میں بے دل
لگا دل خالق دنیا و دیں سے	میرا ذات جس کی ہے نہیں سے

الغرض مثنوی کے اختتامپر طاہرہ کیتاریخ وفات اور تاریخ رحلت کہی ہے۔

تاریخ

گئی جگ سے جومرحومہ شہیدہ	کیا میں فکر تاریخ رشیدہ
حساب سال رحلت میرے دلخواہ	کہا ہاتف نے داغ طاہرہ آہ

تاریخ رحلت

ہو خوشنودی ایزد اس کوحاصل	ہمیشہ رحمت حق ہو وے نازل

اختتام

کتاب داغستان کلفتہجت، نبیرہ خاص مصنف از دست غلام محمد حسن ۲۲ ذی الحجہا تمام رسید(15)

گنج قدرت بی بی مریم اور داغستان کلفت

حوالے

(1) جناب شاکرہ صاحبہ، احوال قادرولی عرف شاہ میراں کا تحقیقی جائزہ، مشمولہ رسالہ معارف مئی ۱۹۹۱ء ۳۸۱

(2) افسر صدیقی امروہی مخطوطات انجمن ترقی اردو پاکستان ۳۵۵۔۳۵۷

(3) ڈاکٹر حامد اللہ ندوی بمبئیٰ'' اردو کیا یک قدیم مثنوی،'' احوال قادرولی'' عرف شاہ میراں کا تحقیقی جائزہ، شمولہ رسالہ معارف ضروری ۱۹۹۱ء

(4) ایضاً

(5) ایضاً

(6) نصیر الدین ہاشمی، کتب خانہ آصفہ اردو مخطوطات ص: ۸۹۔۸۸

(7) ایضاً

(8) رزاق فاروقی، ماہنامہ سب رس جون ۱۹۶۵ء ص: ۲۳

(9) ایضاً ص: ۲۳

(10) ایضاً ص: ۲۴

(11) ایضاً ص: ۲۴۔۲۵

(12) ایضاً ص: ۲۵

(13) ایضاً ص: ۲۶

(14) ایضاً

(15) ایضاً

حاصل مطالعہ

اورنگ زیب عالمگیر نے دکن کی دو عظیم سلطنتوں عادل شاہی و قطب شاہی کو بالترتیب 1686ء اور 1687 میں فتح کر کے مغلیہ سلطنت میں شامل کرلیا۔ یہ واقعہ ارتخ ادب اردو میں غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ جس سے عادل شاہی وقطب شاہی سلطنتوں کے زوال کے بڑے تباہ کن اثرات ثابت ہوئے جس سے یہاں کی تہذیب وتمدن اور علوم وفنون کی جڑیں ہل گئیں۔ اس کے ساتھ ساتھ سب سے اہم اور بڑا مسئلہ یہاں کے ادیبوں اور اہل فن کی بقاء کا تھا۔ ان کی قدر دانی و ہمت افزائی اور سرپرستی کی توقع کسی سے بے سود تھی۔ سلاطین و امراء خود بے سہارا ہو گئے تھے اس لئے یہ اہل فن جنہوں نے قدیم اردو میں تصنیف وتالیف کے کام انجام دیئے تھے انہیں گوشہ عافیت کی تلاش ہوئی چنانچہ انہوں نے جنوبی ہند کے مختلف مقامات جیسے اورنگ آباد، میسور، ویلور، ارکاٹ اور مظہر نگر وغیرہ کا رخ کیا۔ مذکورہ بالا مقامات میں اورنگ آباد مغل حکمرانوں کا پایہ تخت ہونے کی وجہ سے ایک بارونق مقام تھا۔ سرزمین اورنگ آباد سے اٹھنے والے عظیم اور قابل ذکر شاعروں میں ولیؔ اورنگ آبادی، سراجؔ اورنگ آبادی وغیرہ ہیں۔ اورنگ آباد کی طرح دبستان بیجاپور اور گولکنڈہ کے بعد ارکاٹ بھی شعروادب کے ایک اہم مرکز کی حیثیت سے ابھرنے لگا۔ ارکاٹ کے پہلے صوبیدار نواب ذوالفقار خان نے ان بے سہارا اہل علم وقلم کی ہمت افزائی وسرپرستی کی اور انہیں خوان نعمت کی ادائیگی کا معقول انتظام کیا۔

سرزمین ارکاٹ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اردو کا پہلا سفرنامہ 1823ء میں نادرؔ نے ''مثنوی نادر'' کے نام سے لکھا جو کہ منظوم بھی ہے۔ یہاں یہ لکھنا بھی خالی از دلچسپی نہیں کہ کلام غالب کی پہلی شرح ''وثوق صراحت'' 1891ء میں لکھنے کا اعزاز عبدالعلی والا مدراسی کو حاصل ہے۔ ارکاٹ کی سرزمین کو اپنی اردو تخلیقات سے تاریخ ادب اردو میں منفرد مقام حاصل ہے۔ سرزمین ارکاٹ وہی ہے جیسے آج ہم ریاست چینائی کے نام سے جانتے ہیں۔ اس علاقہ میں درباری کے جن شاعروں نے دکنی زبان میں دادِ سخن پائی ہے ان میں ایک اہم نام مستقیم جنگ ناتیؔ کا بھی شامل ہے۔

نامیؔ نے اپنی مثنویاں اکارٹ ہی میں لکھیں جو دکن کا علاقہ ہے لیکن انہوں نے دکن پر حرف رکھا اور اپنی زبان کو دکنی سے الگ قرار دیا ہے۔ ان کی زبان وہ ہے جو تیرہویں صدی کی ابتداء میں حیدر آباد اور اورنگ آباد میں رائج تھی۔ ان کی مثنویوں کا مطالعہ فنی اعتبار سے بلند ہے اور زبان کی فصاحت و بلاغت کے معاملے میں منفرد اور اہم ہے۔ اس مقالہ میں ان کی مثنویوں کا ہندوستانی تہذیب و ثقافت کے تناظر میں ادبی لحاظ سے جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ مطالعہ اس لئے اہمیت کا حامل ہے کہ اس کے ذریعہ آج سے تقریباً دو سو برس قبل مملکت ارکاٹ کی ادبی تہذیب کی بازیافت کی جاسکتی ہے۔

جنوبی ہند کا جو قدیم ادبی سرمایہ ہے وہ زیادہ تر مذہبی موضوعات پر مبنی ہے۔ جب ہم ارکاٹ کے دکنی ادب کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مذہبی ادب کا سنگ بنیاد دراصل یہیں رکھا گیا ہے۔ ارکاٹ کی تہذیب و تمدن اور علمی و ادبی تاریخ کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔ یہاں کی ادبی تاریخ سنہرے حرف میں لکھے جانے کے قابل ہے۔ وجہ یہ ہے کہ شمالی ہند کے مقابل میں جنوبی ہند میں بھی تاریخی و مذہبی موضوعات پر اعلیٰ اور ضخیم تصانیف لکھی گئی ہیں۔ یہاں اردو شاعری کی جس صنف کو سب سے زیادہ فروغ ملا وہ صنف مثنوی ہے۔ ارکاٹ کی اردو شاعری کی روایت تقریباً دو سو سال کے عرصہ پر محیط ہے۔ اس عرصہ میں سرزمین ارکاٹ سے ایسے فنکار اور ادیب ابھرے ہیں جنہوں نے نہ صرف دکن میں بلکہ بیرونی علاقوں میں بھی شہرت حاصل کی ہے۔

ارکاٹ کی شعری روایت کا جائزہ لیتے ہوئے اس بات کا جاننا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کا باقاعدہ پہلا شاعر کون ہے؟ ادبی تاریخ کی کتابوں میں اس طرف کوئی اشارہ باضابطہ طور پر نہیں ملتا۔ علیم صبا نویدی نے اپنی تصنیف ''ٹمل ناڈو کے مشاہر ادب'' ''ٹمل ناڈو کے صاحب تصنیف علماء'' اور دیگر تصانیف کی فہرست میں شاہ سلطان ثانیؔ کا تذکرہ پہلے کیا ہے۔ اسی طرح نصیر الدین ہاشمی نے اپنی تصنیف ''مدراس میں اردو'' میں عبدالمومنؔ کا تذکرہ پہلے کیا ہے جبکہ افضل الدین اقبال نے اپنی تصنیف ''مدراس میں اردو ادب کی نشوونما'' کے پہلے باب کے آخری حصہ میں بہ عنوان ''کرناٹک میں دکنی زبان کے اولین نمونے'' کے تحت نصرتیؔ کا ذکر پہلے کیا ہے۔ بعد ازاں مومنؔ، شاہ سلطان ثانیؔ کا تذکرہ کیا ہے۔ مندرجہ بالا کتابیں علاقائی ادب کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اردو ادب کی تاریخ میں علاقائی ادب کی ایک منفرد اہمیت و حیثیت ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ادب کا کوئی مورخ تاریخ لکھتا ہے تو تاریخ میں علاقائی ادب کو اکثر و بیشتر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً رام بابو سکسینہ کی تاریخ ادب اردو ہو یا ڈاکٹر جمیل جالبی کی یا کوئی دوسری تاریخ ادب اردو جیسے سیدہ جعفر گیان چند جین، تبسم کاشمیری یا انور سدید اور سلیم اختر کی

ان تمام میں دکنی ادب کا تو ذکر ملتا ہے لیکن صرف کسی حد تک دبستان گولکنڈہ اور دبستان بیجاپور کے منتخب ادیب و شاعروں کا ترجمہ وتذکرہ ملتا ہے۔ انصاراللہ نظر نے جو تاریخ ادب اردو لکھی ہے اس میں انہوں نے اس بات کا خیال رکھا کہ علاقائی ادب کے نمائندہ ادیب وشاعر شامل ہوجائیں لیکن اس کتاب میں بھی ہمیں ارکاٹ کے پہلا شاعر ہی نہیں بلکہ ملک الشعراء منعیم جنگ نامیؔ'' کا نام تک نہیں ملتا۔

اردو کے جن مورخین نے علاقائی ادب کو موضوع بنا کر تاریخیں لکھی ہیں ان میں سب سے پہلی کتاب ''دکن میں اردو ہے'' اس کے مصنف نصیرالدین ہاشمی ہیں۔ اس ضخیم 'تاریخ ادب اردو' میں بھی ان شاعروں کے نام نظر نہیں آتے یہی صورتحال ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور کی تصنیف ''دکنی ادب کی تاریخ'' میں ملتی ہے۔

نامیؔ کی پیدائش ارکاٹ کے ایک قصبہ چیناپٹن 1767ء میں ہوئی۔ والد حامد علی خاں تھے جو دربار ارکاٹ سے منسلک تھے۔ نامیؔ کا اصل نام عزیز الدین تھا اور شاعری میں نامیؔ تخلص کرتے تھے۔ ابتدائی تعلیم کا آغاز والد کی سرپرستی میں کیا۔ اس کے بعد مولوی حافظ حسین سے عربی اور ارکاٹ کے استاد سخن مولانا باقر آگاہ سے فارسی اور اردو میں درس لینے لگے۔ نامیؔ کو شاعری کا شوق وذوق فطری تھا۔ یہ ادبی صلاحیت انہیں ورثہ میں نہیں ملی تھی بلکہ انہوں نے خود اپنی صلاحیتوں اور ادبی خوبیوں کی وجہ سے ترقی حاصل کی چنانچہ نامیؔ کو درباری شاعر ہونے اور ملک الشعراء کا اعلیٰ خطاب عطا ہوا۔

نامیؔ عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں سے واقف تھے۔ جس زمانے میں نامیؔ نے شاعری کا آغاز کیا تھا اس وقت عربی اور فارسی سے زیادہ اردو کا چلن عام ہو رہا تھا۔ اس لئے نامیؔ نے اپنے اظہار خیال کے لئے اردو زبان کو پہلے ترجیح دی۔ ساتھ ساتھ فارسی میں بھی تخلیق کیا لیکن ان بیشتر کلام اردو میں ملتا ہے۔ لہٰذا ان کی پہلی تخلیق مثنوی ''نوبہار عشق'' ہے۔ جس کو 1796ء میں مکمل کیا۔ اس میں شیریں فرہاد کے مشہور واقعہ کو بیان کیا ہے۔ دوسری تصنیف ''بہارستان عشق'' 1798ء میں لکھی۔ تیسری مثنوی ''مدینۃ الانوار 1798ء'' اور ''بوستان بہشت'' (سلیمان پیغمبر) 1725ء میں لکھی۔ دیگر تصانیف میں داغستان کلفت، قصہ بی بی مریم گنج قدرت، قصہ بنارس شامل ہیں۔ اس کے علاوہ نامیؔ فارسی اور اردو کے صاحب دیوان شاعر ہیں لیکن یہ دیوان نایاب ہوگئے ہیں۔ نامیؔ کو مرثیہ گوئی سے بھی دلچسپی رہی ہے۔ انہوں نے قلمی نسخہ 'مدینۃ الانوار'' میں دو مرثیے بیان کیئے ہیں جس کا موضوع حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمان ہے۔ نیز شہر آشوب غزل میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔

نامیؔ کے تلامذہ کے سلسلہ میں بہت کم معلومات حاصل ہیں۔ تاریخی کتابوں اور تذکروں میں ان کے چند ہی

شاگردوں کا ذکر ملتا ہے جن میں انور حسین حشمت، محمد معروف خاں، عالم خاں فاروق، حاجی محمد حیران، معین الیدن سید نظام الدین احقر وغیرہ اہم ہیں۔ فائقؔ، شائقؔ، مولوی تراب علی خاں، عبدالقادر ناظرؔ، محمد غوث شرف االملک، بحرالعلوم فرنگی محلی، سید برہان خاں ہنڈیؔ، اسد علی مودودیؔ جیسے پرگو شعراء شامل ہیں۔

اردو مثنویاں عام طور پر عشق و محبت کی داستانوں سے لبریز ہیں۔ جن میں شیریں خسرو اور لیلیٰ مجنون وغیرہ شامل ہیں۔ ان دونوں فارسی قصوں کو نامیؔ نے اردو کے تخلیقی پیکر میں ڈھالنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ نامیؔ کا موضوع سماجی اور مذہبی تاریخ ہے۔ مندرجہ بالا مثنویاں سماجی قصوں پر مشتمل ہیں اور مذہبی تاریخ پر مبنی موضوع مثنوی بوستان بہشت (سلیمان پیغمبر) اور 'مدینۃ الانوار' (وفات نبی) ہے۔

اردو ادب کی بنیاد فارسی ادب کے سہارے استوار کی گئی ہیں۔ فارسی ادب کی کسی بھی شعری تخلیق کو لکھنے کا یہ طریقہ کار رہتا ہے کہ ابتداء میں خدا تعالیٰ کی حمد و ثناء کی جاتی ہے۔ پھر نعت شریف میں شعار موزوں کئے جاتے پھر خلفائے راشدین یا حضرت علیؓ کی منقبت لکھی جاتی ہے۔ اس کے بعد بادشاہ وقت کی مدح سرائی کی جاتی ہے اور پھر شاعر سبب تالیف کے بعد اپنی تخلیق کو سرانجام دیتا ہے۔ نامی نے بھی اپنی مثنیوں میں مشرقی ادب کی ان شعریات کا خاص خیال رکھا ہے۔ نامیؔ کی سب سے پہلی مثنوی ''نو بہار عشق'' ہے۔ اس میں انہوں نے حمد، نعت شریف، معراج نامہ لکھنے کے بعد بادشاہ کا قصیدہ لکھا ہے اور پھر سبب تالیف بیان کرنے کے بعد اصل موضوع کی ابتداء کی ہے۔ مثنوی ''مدینۃ الانوار'' میں نامیؔ نے آنخضرتؐ کے پردہ فرمان کے موضوع بنایا ہے چونکہ یہ موضوع فنا و بقا سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی مناسبت سے قرآنی القاب سے مضمون کو مزین کیا گیا ہے اور آخر میں اس مضمون کے بیان میں اپنے عجز کا بیان کیا ہے وہیں مثنوی، سلیمان پیغمبر، میں آپ کی کرامات اور اس کائنات کے جن انس پر آپ کی حکومت کا بیان کیا ہے۔

عزیز الدین نامی، کی مثنویاں زبان و بیان کے لحاظ سے اہم ہیں۔ ان کی زبان ''سحر البیان'' کے شاعر میرؔ حسن کی زبان کے مماثل نظر آتی ہے۔ مثنوی 'سحر البیان' کا مطالعہ کرنے کے بعد نامیؔ کے کلام کا مطالعہ کیا جائے تو زیادہ فرق محسوس نہیں ہوتا۔ نامیؔ کی زبان صاف و شیشتہ ہے۔ اشعار میں سلاست و تسلسل پایا جاتا ہے۔ بعض اشعار تو موجودہ دور کی زٗان سے ہم آہنگ نظر آتے ہیں۔ نامیؔ نے حسب ضرورت ایک ہی موضوع کے بیان میں تسلسل کے ساتھ اشعار لکھے ہیں جس کی قرأت میں ایک روانیت پائی جاتی ہے۔ نامیؔ نے مثنوی نو بہار عشق، اور بہارستان عشق کو فارسی زبان سے اردو میں ترجمہ کیا ہے لیکن انہوں نے اس کا لفظ بہ لفظ ترجمہ نہیں کیا بلکہ اپنے تخلیقی ہیکر میں

ڈھالتے ہوئے حسب ضرورت موقع ومحل کے ساتھ حذف واضافہ سے کام لیا ہے۔ زور بیان کی غرض سے محض قصہ کے اہم پہلوؤں کو پیش نظر رکھا ہے۔ قصہ میں دلچسپی برقرار رکھنے کے لئے دکنی محاورے، مثل، روزمرہ جملوں کو نظم کی شعریات میں خوبصوتی سے پیوست کردیا ہے جس سے یہ انکی طبع زاد مثنویاں معلوم ہوتی ہیں۔ کوئی بھی تخلیق کار اپنے اظہار خیال کے لئے زبان کو اہمیت دیتا ہے۔ تب ہی یہ تخلیق کامیاب ہوتی ہے۔ چنانچہ نامؔی نے اپنی مثنویوں میں موضوع کی وسعت سے زبان کی بناء پر مختلف اقسام کے صنائع بدائع کا استعمال بڑے فنکارانہ انداز سے کیا ہے۔ انہیں فارسی زبان پر بھی عبور حاصل تھا۔ اسی لئے فارسی رنگ وآہنگ واسلوبِ بیان انداز فکر ونظر کی جلوہ نمائی خاص طور سے نظر آتی ہے جبکہ انہوں نے مذہبی موضوع کے انداز بیان میں بڑے سلیقہ شعاری اور شگفتگی کے ساتھ عربی زبان کا اور قرآنی القاب کا برملا استعمال کیا ہے۔ ان کے زبان کی خاص خوبی یہ ہے کہ کلام میں عربی وفارسی او ردکنی الفاظ، صحت املا وتلفظ کا برمحل استعمال واضح طور پر نظر آتا ہے۔ نامؔی اصول موسیقی سے بھی واقف ہے۔ اس لئے ان کے کلام میں راگ راگنی، خیال، ڈھول، طنبورہ، نقاروں کی دھن کا الاپ بھی سنائی دیتا ہے۔

نصیرالدین ہاشمی نے اپنے ایک مقاہ ''دکنی داب کا تہذیبی پس منظر'' میں لکھتے ہیں کہ تہذیب کا پہلا جز علم ہے اور اس میں تصنیف اور تعلیم دونوں شامل ہیں۔ عادل شاہی اور قطب شاہی دور میں علم وفن کو جس طرح ترقی ہوئی اور اشاعت کے لئے جو کوششیں کیں اس طرح ارکاٹ میں بھی ذوالفقار علی خاں عظیم الدولہ، اعظم جاہ تاج امراء کی حکومت میں علم وفن کو ترقی دی گئی۔ یہاں مدرسے تعمیر کئے گئے، مسجدوں اور مکتبوں کو قائم کیا گی اور یقیناً یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان نوابوں نے علم کی ترقی اوتعلیم کی وسعت کے لئے جو کوششیں کی ہیں وہ ناقابل فراموش ہیں اور تاریخ ان کے علمی کارناموں کو دھندلا نہیں کرسکتی جیسے کہ ذوالفقار علی خاں کے عہد پر نظر ڈالی جائے تو واضح ہوتا ہے کہ اس عہد میں ہاشمی بیجاپوری عادل شاہی سلطنت کے زوال کے بعد ارکاٹ پہنچتا ہے اور نواب کی شان میں قصیدہ لکھ کر انعام واکرام کی تمنا کرتا ہے۔ ارکاٹ کے شعراء نے جو مثنویاں لکھیں ان میں کئی ایک ایسی مثنویاں ہیں جن سے ہندوستانی تہذیب وثقافت کے مختلف گوشے نمایاں ہوتے ہیں۔ جب ہم نامؔی کی مثنویوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے 'نو بہار عشق' اور 'بہارستان عشق' میں دکنی تہذیب کے نقوش واضح طور پر بیان کئے ہیں۔ مثلاً لیگ اور قیس، شریں وخسرو پرویز کی شادی کے موقع پر رسموں ورواج کا بیان، دلہن کے زیورات ولباس کا بیام، برات نکلنے کے موقع پر ڈھول شہنائی کی گونج، موسیقی کی محفلیں، غزل خوانی کا سماں اور ایسی ہی دوسری معاشرتی چیزوں کے ذریعہ نامؔی نے ارکاٹ کی تہذیب اور طرز معاشرت کی عکاسی کی ہے۔

تحقیقی نکات:

راقم الحروف نے اس تحقیقی مقالہ میں عزیز الدین نامؔی کی سوانح حیات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ یہ بات واضح ہوجائے کہ نامی یا دوسرے شعراء کی سوانح حیات گنی چنی کچھ ہی کتابوں میں چند سطور میں لکھی ملتی ہے۔ مدراس کے ادب پر مبنی کتابیں مطالعہ کے لئے ملیں جو کسی حد تک مددگار ثابت تو ہوئیں لیکن راقم کو موضوع کے مواد کے سلسلے میں تشنگی محسوس ہوتی رہی۔ نصیر الدین ہاشمی نے اپنی تصنیف 'مدراس میں اردو' کے نام سے ایک مختصر کتاب لکھی اس میں ارکاٹ کے بیشتر شعراء کا نام مل جاتا ہے۔ افضل الدین اقبال کی کتاب ''مدراس میں اردو ادب کی نشو ونما'' میں ارکاٹ کے شعراء کے کوائف اور تخلیقات پر کسی قدر تفصیل ملتی ہے۔ علیم صبا نویدی نے ارکاٹ کے حوالے سے تقریباً ایک درجن کتابیں لکھی ہیں۔ ان تمام کتابوں میں ایک جیسا مواد ملتا ہے۔ تحقیقی اعتبار سے یہ تمام کتابیں کمزور ہیں۔

اس مقالہ کو لکھنے کا اصل مقصد یہ رہا ہے کہ یہ موضوع ادبی لحاظ سے منفرد اہم ہے۔ عزیز الدین نامؔی کے کلام پر یہ پہلا تحقیقی مقالہ ہے۔ اس موضوع سے متعلق مواد بہت کم ہے۔ رقام کو مواد کی تلاش میں کئی مشکلوں کا سامنا درپیش رہا۔ مدراس کے اردو ادب سے تعلق رکھنے والے ابتدائی شعراء کی سوانح اور ادبی نقوش منتشر ہیں لہٰذا راقم نے اس کمی کو محسوس کرتے ہوئے ایک علحدہ باب ''مختصر تاریخ ارکاٹ اور ارکاٹ میں اردو شاعری کی روایت'' شامل ہے۔ یہ راقم کی ادنیٰ کوششیں ہے۔

☆ نصیر الدین ہاشمی، علیم صبا نویدی اور سخاوت مرزا نے نامؔی کا اصل نام غلام اعزالدین نامی لکھا ہے۔ راقم الحروف نے نامؔی کے مخطوطات کے مطالعہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ ان کا اصل نام عزیز الدین ہے اور یہی درست ہے۔

☆ محققین نے نامؔی کے مثنویوں کا نام اپنے طور پر بیان کیا ہے اور ترتیب کو بھی غلط کر دیا ہے اور یہ بھی واضح ہوا کہ کسی اور نامؔی سے منسوب مثنویوں کو عزیز الدین نامؔی سے منسوب کیا ہے۔ افسر صدیقی نے مخطوطات انجمن اردو پاکستان جلد اول میں ایک مثنوی ''چمنستان برکات'' کا ذکر کیا ہے لیکن اس کی کوئی تفصیل نہیں دی ہے اور سنہ کتابت بھی درج نہیں ہے۔ ڈاکٹر نسیم الدین فریس نے اپنے تحقیقی مقالہ (غیر مطبوعہ) میں ایک مثنوی 'جنگ نامہ ذی قوم' کی اطلاع دی ہے اور لکھا ہے کہ یہ مثنوی نامؔی کی ہے لیکن انہوں نے بھی مزید کوئی تفصیل نہیں لکھی ہے۔ راقم الحروف کی تحقیق کے دوران ایسی کوئی مثنوی نامؔی کے کلام میں نہیں ملی ہے۔

☆علیم صبا نویدی نے اپنی کتاب 'ٹمل ناڈو کے مشاہیر ادب' میں نامیؔ کے مرثیہ کا نمونہ دیا ہے۔انہوں نے جو اشعار مرثیہ کے بتلائیں ہیں یہ اشعار دراصل مثنوی ''قصہ سلیمان پیغمبر میں سبب تصنیف'' ''کتاب شریف'' کی سرخی کے تحت لکھے گئے ہیں جس میں مرحوم باقر آگاہ کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں اس کی کیفیت مرثیہ کی نہیں ہے۔ عزیز الدین نامیؔ کی پہلی مثنوی ''نو بہار عشق'' ہے۔اس کلام کو پڑھتے ہوئے شاعر کے نومشق ہونے کا گمان ہوتا ہے لیکن انہوں نے جب اپنی دوسری مثنوی ''بہارستان عشق'' لکھی تو یہاں فن میں پختگی اور استادی کا پرتو نظر آتا ہے۔ مضامین میں بھی ندرت ہے۔مثنوی ''مدینۃ الانوار'' میں ان کا فن مزید ترقی کرتا ہوا نظر آتا ہے۔اس مثنوی کی بحر چھوٹی ہے جس میں مضامین کو شگفتگی عطا ہوئی اس کی سلاست و روانی اپنی مثال آپ ہے۔

نامیؔ کا اسلوب خاص یہ ہے کہ انہوں نے ابیات بیان کرنے سے قبل عنوان شعر لکھا ہے جس سے ابیات میں بیان ہونے والا موضوع قاری کو آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے۔انہوں نے اپنی ہر مثنوی کی شروعات میں حمد باری تعالیٰ ،نعت شریف اور معراج نامہ یا مناجات لکھی ہے جو مشرقی شعریات کا خاصہ ہے۔ نامیؔ نے اس میں انفرادیت یہ رکھی ہے کہ ہر مثنوی میں ان اصناف سخن کی کیفیت تبدیل شدہ ہو چونکہ موضوع کی یکسانیت پائی جاتی ہے۔اسی بناء پر نامیؔ نے ان اصناف کے بیان میں تکرار کی کیفیت سے گریز کیا ہے۔انہوں نے اپنی مثنویوں کا آغاز مطربہ اور ساقی سے مخاطب ہو کر کیا ہے۔اس کا موضوع تاریخی ہے اس لحاظ سے جب سلیمان پیغمبر کا مطالعہ کرتے ہیں تو نامیؔ کے ندرت بیان کا اندازہ ہوتا ہے۔اس میں انہوں نے ساقی سے مخاطب کیا ہے اور نعت شریف کی مناسبت سے شراب طہور اور انبیاء کے وجد و حال کا بیان کیا ہے۔

نامیؔ نے قصے میں دلچسپی برقرار رکھنے کے لئے اس زمانے کے مثل روزمرہ اور محاورے صنائع بدائع اور تشبیہہ و استعارات کو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ برتا ہے۔ان کی مثنویوں کی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے عوامی زبان کے تلفظ و لہجہ کو اپنایا ہے۔اس دور میں لفظوں کا املا و تلفظ کیا تھا۔روزمرہ کی صورتحال تھی۔ زبان و اسلوب بیان کے چلن کی عکاسی کرتے ہیں۔ ان کے کلام میں عربی اور فارسی تراکیب بھی استعمال ہوئے ہیں۔ زبان صاف اور رواں ہے۔پہلی مثنوی ''نو بہار عشق'' میں زبان کی کمزوری کے باوجود بھی یہ مثنوی قابل مطالعہ ہے۔ نامیؔ نے اس میں اپنے اظہار قوت کا زور آزمایا ہے۔

پہلی مثنوی ''نو بہار عشق'' کے مطالعہ سے نامی کی سوانحی کوائف کا علم ہوتا ہے۔یعنی کہ یہ مثنوی انہوں نے عین جوانی میں لکھی اس کی تصنیف کے وقت والدین حیات تھے۔ نامیؔ نے والدین، بھائی، بہن، بیوی اور اولاد کی سلامتی

کی دعا کی ہے۔ بادشاہ وقت نواب عمدۃ الامراء اوران کی بہن اور فرزند سراج الملک کے لئے بھی دعا مانگی ہے۔ اصل موضوع کے بیان کے بعد ترقیمہ لکھا اس میں سن کتابت اور زبان کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے مثنوی کا اختتام کیا ہے۔

مثنوی ''بہارستان عشق'' کے عربی اصل قصے کو قدیم عادل شاہی اور قطب شاہی مثنویوں کے انداز میں خالص ہندوستانی بنا کر پیش کیا ہے۔ اس مثنوی کے عنوان شعر میں ہے جملہ عنوانات کے اشعار سے ایک علحدہ مثنوی بن جاتی ہے جس کا مطالعہ اصل موضوع کا پیش خیمہ بن جاتا ہے۔

مثنوی 'بہارستان عشق' کی اہم خصوصیت مطرب نامہ کے طور پر لکھے گئے اشعار ہیں۔ نامیؔ خود لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے انہوں نے اس نئے طرز تحریر کو اپنا کر ایک انوکھا اسلوب قائمکیا ہے۔ موضوع کو بیان کرنے سے قبل دوعنوانی شعر مطرب سے مخاطب ہوکر شروعات کی ہے۔

☆ 'بہار عشق' کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ولیؔ، سراجؔ، آبروؔ، مظہرؔ، قیرؔ، سوداؔ، سورؔ، حشمتؔ، آرزوؔ، عزلتؔ، عاجزؔ، دردؔ، مجنوںؔ، فغاںؔ، مفتؔ، مصحفیؔ، جراتؔ تاباںؔ وغیرہ 1213 ہجری میں اساتذہ سخن سمجھے جاتے تھے ان کی شہرت دکن کے کونے کونے میں پہنچ چکی تھی۔

☆ مثنوی 'سلیمان پیغمبر' کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ان کی چھٹویں تصنیف ہے۔ اس میں اپنی تمام مثنویوں کا ترتیب وار ذکر کیا ہے۔ اہم بات یہ ہیکہ مثنوی نامیؔ کی طبع زاد ہے۔ اس کا ماخذ قرآن شریف اور تفاسیر و احادیث سے ہے جبکہ ان کے تقریباً مثنویاں ترجمہ کردہ ہیں۔ نامیؔ نے اس میں اپنے استاد باقر آگاہؔ کی وفات پر تازیانہ لکھا ہے۔ جس میں مرحوم کے اوصاف بیان کرتے ہوئے دعائے مغفرت کی ہے۔ اس کے علاوہ نامیؔ نے اپنے افکار و مسائل کا بیان کرتے ہوئے اہل خاندن کا ذکر بھی کیا ہے۔

مثنوی 'گنج قدرت' حضرت قادر ولیؒ کے حالات زندگی ان کے تبلیغی سفر اور کرامات پر مشتمل ہے۔ حضرت قادر ولیؒ کا تعلق انک پوریوپی سے تھا۔ پہلا تبلیغی سفر گاولیارے شروع ہوکر آخری سفر جنوبی ہند کے علاقے دھناسری پر اختتام ہوتا ہے۔ ڈاکٹر حامد اللہ ندوی نے اس مثنوی پر تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ نسخہ ناقص الاآخر ہے لیکن آغاز مثنوی کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ ابتدائی اشعار پر تحقیقی نظر ڈالے تو ان کا مقالہ مکمل ہو پاتا۔ اس مقالہ کے مطالعہ سے ادھورے پن کا احساس ہوتا ہے۔

☆ ڈاکٹر ذاکرہ غوث لکھتی ہیں کہ نامیؔ نے اپنے استاد باقر آگاہ کی پیروی کرتے ہوئے کسی بادشاہ وقت کی

مدح سرائی نہیں کی ہے لیکن راقم نے ثابت کیا ہے کہ نامؔی نے اپنی دوسری تصنیف ''بہارستان عشق'' میں نواب عمدۃ الامراء کی مدح بیان کی ہے۔

نامؔی مدراس کے ایک اہم کلاسیکی مثنوی نگار ہیں۔ نامؔی کا کلام قارئین کی توجہ کا طالب ہے۔ اس اعتبار سے نامؔی کا کلام ترقی کی منزلوں سے ہمکنار ہوتا ہے۔ البتہ کہیں کہیں قدیم اور متروک الفاظ کے استعمال سے حد درجہ خامی نظر آتی ہے لیکن انہوں نے الفاظ و معنی کے آبدار موتی بکھیر دیئے ہیں۔ ان کے کلام میں ابتذال نہیں پایا جاتا بلکہ ہر جگہ پاکیزگی اور نفاست اور اخلاقی خوشبو سے ذہن و دل تر و تازہ ہو جاتا ہے۔ نیز قارئین کو زبان و اسلوب بیان کے ارتقائی منازل کا بھی کما حقہ اندازہ ہوتا ہے۔

کتابیات

بنیادی کتابیں

1- عزیز الدین نامی، مخطوطہ نو بہار عشق، مخطوطہ نمبر ۵۱۷ مخزونہ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد

2- عزیز الدین نامی، مخطوطہ لیلیٰ مجنون، مخطوطہ نمبر ۳۱۷ مخزونہ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد

3- عزیز الدین نامی، مخطوطہ سلیمان پیغمبر مخطوطہ نمبر ۶۶۳ مخزونہ کتب خانہ سالار جنگ میوزیم حیدرآباد

4- عزیز الدین نامی، مخطوطہ مدینۃ الانوار مخطوطہ نمبر ۹۷۰ مخزونہ کتب خانہ سالار جنگ میوزیم حیدرآباد

5- عزیز الدین نامی مخطوطہ مدینۃ الانوار، مخطوطہ نمبر ۹۷۱، مخزونہ کتب خانہ سالار جنگ میوزیم حیدرآباد

6- سید شاہ محمد حق نما، مخطوطہ خزانہ عبادت، مخطوطہ نمبر ۸۶۶ مخزونہ اورینٹل مینواسکرپٹ لائبریر یتارناکہ حیدرآباد

7- سید محمد والہ، مخطوطہ رزاق باری، مخطوطہ نمبر ۴۴۰ مخزونہ کتب خانہ سالار جنگ میوزیم حیدرآباد

8- ہاشمی بیجاپوری مخطوطہ، دیوان ہاشمی، مخطوطہ نمبر ۵۴ مخزونہ کتب خانہ سالا جنگ میوزیم حیدرآباد

0- ہاشمی بیجاپوری، قلمی بیاض نمبر ۱۶۵ مخزونہ کتب خانہ سالار جنگ میوزیم حیدرآباد

10- مجموعہ غزل قلمی بیاض نمبر ۱۶۸ مخزونہ کتب خانہ سالار جنگ میوزیم حیدرآباد

معاوین کتابیں

1- ابو محمد سحرؔ اردو میں قصیدہ نگاری، سنہ اشاعت 2000ء، دہلی

2- افضل الدین اقبال، مدراس میں اردو ادب کی نشو و نما، جلد اول 1979ء حیدرآباد

3- افسر صدیقی امروہوی، مخطوطات انجمن ترقی اردو، جلد اول، 1965ء کراچی

4- انوری بیگم، قدیم دکنی شاعری میں مشترکہ کلچر، 2001ء دہلی

5- الطاف حسین حالی، مقدمہ شعروشاعری 1953ء دہلی

6- ایم حبیب خاں، اردو کی قدیم داستانیں 1974ء علی گڑھ

7- ادارہ ادبیات اردو (مرتبہ) شمارہ (۹۰) تاریخ ادب اردو 1940ء حیدرآباد

8- آغا حیدر حسین مرزا مرتبہ مغنی تبسم تذکرہ دکنی مخطوطات 2002ء حیدرآباد

9- جمیل جالبی ڈاکٹر، مقدمہ دیوان نصرتی، 1972ء لاہور

10- حامد اللہ ندوی اردو کی چند نایاب مثنویاں 1993ء دہلی

11- حبیب النساء بیگم ریاست میسور میں اردو کی نشوونما 1962ء میسور

12- حبیب النساء بیگم جواہرات میسور 1967ء میسور

13- حبیب نثار ڈاکٹر بیجاپور کا شعروادب 2015ء دہلی

14- حامد اکمل، ہاشم شناسی 2019ء

15- حامد حسین قادری، داستان تاریخ اردو 1941ء آگرہ

16- ڈی راما نجاراو و زینت ساجدہ، تلگو ادب کی تاریخ 1960ء حیدرآباد

17- ذاکرہ غوث، مولانا باقر آگاہ ویلوری شخصیت اور فن 1995ء مدراس

18- راہی فدائی ڈاکٹر، دارالعلوم لطیفیہ کا ادبی منظرنامہ مدراس

19- رشید موسوی دکن میں مرثیہ اور عزاداری 1970ء حیدرآباد

20- سید ابوالاعلیٰ مودودی دکن کی سیاسی تاریخ 1944ء حیدرآباد

21- سید محمد ایم اے ایمان سخن 1937ء حیدرآباد

22- سید محی الدین قادری زور طالب وموہنی 1957ء حیدرآباد

23- سید محی الدین قادری زور اردو مخطوطات ادارہ ادبیات اردو جلد اول 1984ء

25- سید عقیل رضوی، اردو مثنوی کا ارتقاء 1983ء لکھنؤ

26- سیدہ جعفر، دکنی ادب میں قصیدے کی روایت 1999ء حیدرآباد

-27 سید جعفر من سمجھاون 1964ء حیدرآباد

-28 سید محی الدین قادری زور، دارالعلوم لطیفیہ ویلور کی علمی وادبی خدمات 2008ء حیدرآباد

-29 شمس اللہ قادری 'والد سید موسوی'

-30 صمصام شیرازی انڈین اسٹیٹس 1941ء

-31 عبدالقادر سروری، اردو مثنوی کا ارتقاء 1940ء حیدرآباد

-32 عبدالمجید صدیقی۔ مقدمہ تاریخ دکن، 1940ء حیدرآباد

-33 عبدالجبار ملکاپوری، محبوب ذالمنن، تذکرہ شعرائے دکن حصہ دوم 1911ء

-34 عتیق انور صدیقی، ہندوستان، تاریخ وثقافت اور فنون لطیفہ 1993ء

-35 عزیز جنگ ولا، تاریخ النوائط 1976ء مدراس

عبدالغفار شکیل، کرناٹک میں اردو آغاز وارتقاء 1994 بنگلور

-36 علیم صبا نویدی، تمل ناڈو میں اردو 1998ء شگ 1919ء دہلی

-37 علیم صبا نویدی، مرتبہ جاوید حبیب، تاریخ ادب اردو تمل ناڈو، 2006ء چینائی

-38 علیم صبا نویدی، مرتبہ جاوید حبیب تمل ناڈو کے مشاہر ادب 1999ء مدراس

-39 علیم صبا نویدی، تمل ناڈو میں اردو رباعی، 2003ء

-40 علیم صبا نویدی، نواب والا جاہ اور حضرت بحر العلوم عبدالعلی فرنگی محلی 1995ء مدراس

-41 علیم صبا نویدی تمل ناڈو کے صاحب تصنیف علماء 1996ء مدراس

-42 قاضی بدرالدولہ، فوائد بدریہ، 1350 حیدرآباد

-43 قاضی بدالدولہ، گلزار ہدایت 1848ء

-44 قمر خلیل نائطی، تحفۃ المصنفین 1963ء اے۔ پی

-45 قطب النساء ہاشمی، تین مسافر، 1966ء حیدرآباد

-46 کاوش بدری، قدیم تامل ناڈو میں عربی وفارسی ادبیات کی چارسو سالہ تاریخ جلد اول 2004ء

-47 کرناٹک اردو اکادمی بنگلور تاریخ ادب اردو کرناٹک، 1994ء

-48 کندن لال کندن، جنوبی وشمالی ہند کی تاریخی مثنویاں 2001ء دہلی

49- گیان چندجین اردو مثنوی شمالی ہند میں جلداول 1987ء دہلی

50- محمد ابرار حسین فاروقی، حاشر دلاوری 1966ء اتر پردیش

51- محمد بلال، تامل ناڈو کے اولیائے کرام 1998ء مدراس

52- محمد نجم الغنی خاں تاریخ ریاست حیدرآباد کن، حصہ اول 1930ء

53- محمد علی اثر، بصارت سے بصیرت تک 2012ء دہلی

54- محمد عبید الرحمٰن، ٹمل ناڈو کے تعلیمی وادبی اداروں کی اردو خدمات، 2008ء چنائی

55- محمد غوث خاں، تذکرہ گلزار اعظم 1856ء

56- محمد غوث ومحمد افضل الدین اقبال شمش العلماء قاضی عبداللہ اورینٹل لائبریری

57- مدراس کے اردو مخطوطات، 1989ء حیدرآباد

58- محمود خاں بنگلوری، تاریخ جنوبی ہند، 1947ء

59- مرزا امیر علی جونپوری، تذکرہ مرثیہ نگاران اردو، 1985ء اتر پردیش

60- مولانا سلیمان ندوی، عربوں کی جہاز رانی 1935ء بمبئی

61- میر تقی میر، نکات الشعراء 1994ء دہلی

62- میر حسن سحر البیان 1995ء اتر پردیش لکھنؤ

63- نصیر الدین ہاشمی، مدراس میں اردو 1938ء حیدرآباد

64- نصیر الدین ہاشمی دکھنی (قدیم اردو) کے چند تحقیقی مضامین، 1963ء دہلی

65- نصیر الدین ہاشمی یورپ میں دکنی مخطوطات 1932ء حیدرآباد

66- نصیر الدین ہاشمی کتب خانہ آصفیہ کے اردو مخطوطات جلد دوم 1941ء حیدرآباد

67- یوسف کوکن عمری عربیک اینڈ پرشین ان کرناٹکا۔1974ء مدراس

68- یوسف کوکن عمری خانوادۂ قاضی بدرالدولہ جلداول 1963ء مدراس

غیر مطبوعہ مقالے

1- امتیاز فاطمہ: ''واقف بیجاپوری کی مثنوی چندر بدن ومہیار کی تدوین وتنقید''
مقالہ برائے ایم۔فل، یونیورسٹی آف حیدرآباد، 2010ء

2- سید رضی اللہ حسینی: قدیم اردو نثر کی ترقی میں باقر آگاہ کا حصہ 89-1988
مقالہ برائے ایم۔فل ، یونیورسٹی آف حیدرآباد

3- شیخ یعقوب پاشاہ: مثنوی نادر کی تدوین وتنقید 2013
مقالہ برائے ایم فل یونیورسٹی آف حیدرآباد

رسائل

1- اردو دنیا دہلی ڈسمبر 2016ء
2- اردو سہ ماہی جنوری تا مارچ 1968ء
3- اردو ادب ستمبر 1968ء
4- روزن سہ ماہی جنوری تا مارچ 2013ء
5- سب رس حیدرآباد جون 1965ء
6- سب رس حیدرآباد اگست 2003ء
7- سب رس حیدرآباد نومبر 2002ء
8- سب رس حیدرآباد نومبر 2007ء
9- مجلّہ عثمانیہ حیدرآباد دکنی ادب نمبر 65-1964ء
10- معارف اعظم گڑھ فروری 1991ء
11- معارف اعظم گڑھ فروری 1994ء
12- معارف اعظم گڑھ مارچ 1991ء

13- معارف اعظم گڑھ اگست 1996ء
14- معارف اعظم گڑھ جولائی 2001ء
15- نوائے ادب ممبئی مارچ 2013ء
16- نوائے ادب ممبئی اپریل1950ء
17- نوائے ادب ممبئی اپریل 2011ء
18- نوائے ادب ممبئی ستمبر 2011ء
19- نوائے ادب ممبئی اکتوبر 1996ء
20- نوائے ادب ممبئی اکتوبر 2012ء
21- وکی پیڈیا آن لائن ہسٹری آف تمل ناڈو

ISSN 2456-7140

جنوری 2019ء

ماہنامہ تلنگانہ حیدرآباد

قیمت : ماہانہ -/20روپے

سالانہ : -/220روپے

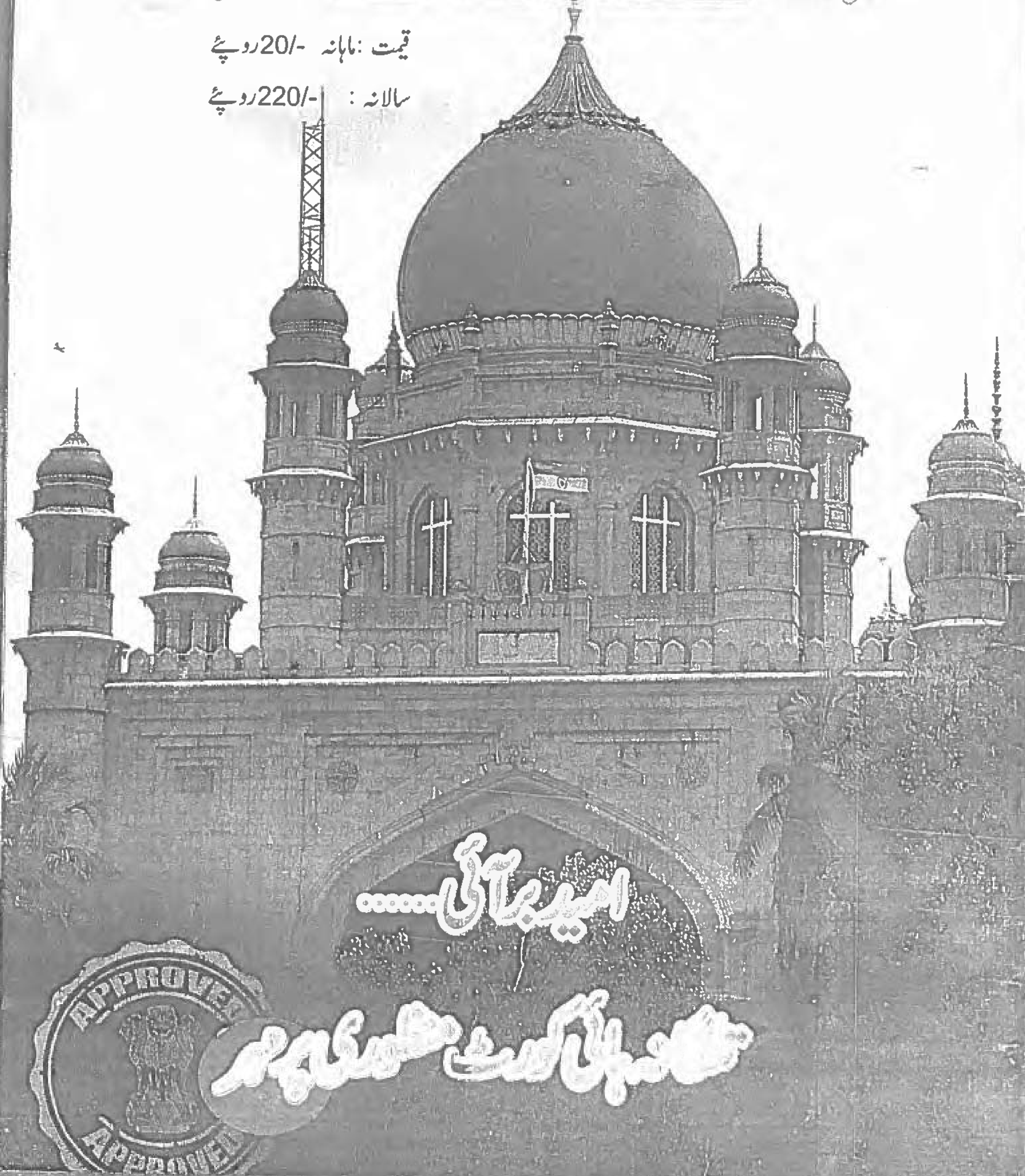

ماہنامہ تلنگانہ حیدرآباد

جلد 3 شمارہ 12 جنوری 2019ء

Vol-03 Issue-12 JANUARY .2019

اروند کمار، آئی اے ایس
کمشنر: محکمہ اطلاعات وتعلقات عامہ

ایڈیٹر
سید شاہ حبیب الدین قادری
ایم اے، ایم فل، پی جی ڈی جے
(موبائیل: 9949351520)

قیمت فی شمارہ -/20 روپے، سالانہ اشتراک -/220 رو

*معیاری اور غیر مطبوعہ تخلیقات روانہ کرنے کا پتہ:
ایڈیٹر، اردو ماہنامہ ''تلنگانہ'' سماچار بھون، فرسٹ فلور،
اے سی گارڈز، حیدرآباد500028 فون 3399048(Ext:122)

*اس شمارہ میں اہل قلم حضرات نے انفرادی طور پر جن خیالات کا اظہار کیا ہے
سے لازمی طور پر حکومت کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

* سالانہ خریداری کے لیے منی آرڈر مندرجہ ذیل پتہ پر روانہ کیجئے:
اکاؤنٹس آفیسر دفتر محکمہ اطلاعات وتعلقاتِ عامہ،
فرسٹ فلور، سماچار بھون، اے سی گارڈز حیدرآباد۔500028

طباعت: شری بالاجی گرافکس، باغ لنگم پلی، حیدرآباد۔500044

اشاعت: کمشنر محکمہ اطلاعات وتعلقات عامہ، سماچار بھون، اے سی گارڈز
حیدرآباد۔28 سے شائع کیا۔

ای میل:
telanganaurdu@gmail.com

ویب سائٹ:
ipr.tg.nic.in

فہرست

جمہوریت معنوں سے وضاحت تک	ڈاکٹر جاں نثار معین	5
نعت شریف	سید شاہ حبیب الدین قادری شاکر	8
نیا سال	ڈاکٹر آفتاب عرشی، طاہرا قبال	9
جارج آرویل کا شہرہ آفاق ناول اینمل فارم	محمد کلیم محی الدین	10
نظیرا کبرآبادی، یکجہتی کے علمبردار	محمد مخدوم محی الدین	12
رومان پرور تاریخی ڈراما روپ متی اور باز بہادر	ڈاکٹر رفیعہ نسیم	16
چنچل گوڑہ جیل میں ایورویدک ویلج	ڈاکٹر علی باز ہرہما	22
باذوق ہم سفر	غلام علی اخضر	24
شوگر کی بیماری	ڈاکٹر سید مصطفیٰ اشرف	27
اردو گر دار دو:	حاجی بیگم اور ڈاکٹر فریدہ تبسم	28
ڈاکٹر زور کی شخصیت	ڈاکٹر حامد بن علی حضری	36
تلاش دیگراں	عارفہ رخسانہ	37
ریاست جے پور میں اردو زبان کا آغاز وارتقاء کا سفر	سیدمہ جبیں علی	39
ہندوستان میں فارسی میں طبی آثار	ڈاکٹر عصمت جہاں	42
ادبی کوئز	ڈاکٹر محمد انورالدین	47
زندگی کی تخلیق اور انسان کی ذمہ داری	محمد مقیم الدین	51
درون خانہ	محمد اکرم علی	54
بین الممالک	سید عبداللہ قادری	57

☆☆☆

Edited,Printed and Published by Syed Shah Habeebuddin Quadri on behalf of Commissioner, Information and Public Relations Department (On behalf of Govt. of T.S.) Published at Samachar Bhavan, A.C. Guards, Hyd. Printed at Balaji Graphics, 1-8-1-/8/26, Cellar and IIIrd Floor, Housefed Bhavan, Bagh-e-Lingampally, Hyderabad-44.

اِرد گرد اُردو

اردو کے قلمکاروں، شاعروں اور قارئین کے اردو جذبہ کو ہمارا سلام

"ارد گرد اردو" کے لیے ماہنامہ تلنگانہ اردو کے قارئین، خریدار، دیگر خواہشمند افراد، ادارے اردو سے متعلق معلومات، تحقیقی نکات، اطلاعات، دلچسپ اور انوکھی باتیں، مشاہدات، لطائف اور سرگرمیوں، اردو ادب کی شخصیات اور اردو زبان پر خوبصورت اشعار، نظمیں وغیرہ مختصر اصاف و خوش خط تحریر میں روانہ کرسکتے ہیں۔

تمام لکھنے والوں کا ہم استقبال کرتے ہیں۔

اس مرتبہ حاجی بیگم اور ڈاکٹر فریدہ تبسم حصہ لے رہے ہیں۔

ایڈیٹر

آرکاٹ: دکنی شعر و ادب کا ایک مرکز

حاجی بیگم
ریسرچ اسکالر
حیدرآباد سنٹرل یونی ورسٹی

دکن، سرزمین ہند کا وہ علاقہ ہے جو دریائے نربدا اور کوہ بندھیاچل کے جنوبی دامن میں واقع ہے۔(1) موجودہ زمانے میں ریاست آندھرا پردیش، تلنگانہ، مہاراشٹرا، میسور، کرناٹک اور مدراس جنوبی علاقہ کہلاتے ہیں۔ یہ علاقے مغلیہ عہد میں صوبہ کرناٹک کے احاطے میں شامل تھے۔(2) اس کا رقبہ جغرافیائی اعتبار سے بہت وسیع تھا۔ جب 1956ء میں لسانی بنیادوں پر از سر نو صوبوں کی تقسیم عمل میں آئی تو مدراس اور کرناٹک کو علحدہ ریاست کے طور پر جانا گیا۔ دوبارہ 1969ء میں ریاستی حکومت نے مدراس کو 'تمل ناڈو' کے نام سے موسوم کیا۔ جسے آج چنائی بھی کہا جاتا ہے۔

شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے دکن کی دو عظیم سلطنتوں عادل شاہی (1686ء) اور قطب شاہی (1687ء) کو فتح کیا اور اپنی سلطنت میں شامل کرلیا۔ اس کے بعد جنوبی علاقوں کرناٹک سے پائین گھاٹ تک 1691ء میں قبضہ کرلیا جس کے ماتحت گنٹور۔ نیلور، چنگل پیٹ، بارہ محل، سیلم، ارکاٹ۔ کوئمبتور اور ویلور شامل تھے۔ 1692ء میں اس صوبہ کرناٹک کے انتظام وانصرام کے لئے اورنگ زیب نے نواب ذوالفقار خان کو یہاں کا صوبہ دار بنایا۔

نواب ذوالفقار خان نے کرناٹک میں قیام کے دوران پالارندی کے کنارے جنگل کٹوا کر خیمے نصب کروائے جو ایک وسیع کیمپ کی شکل اختیار کر گیا۔ یہ کیمپ روز بہ روز ترقی کرتا ہوا خیموں سے جھونپڑیوں اور مٹی کے پختہ مکانات میں تبدیل ہوا، اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک بہ رونق شہر "ارکاٹ" کے نام سے جانا گیا۔ "ارکاٹ" کا یہ لفظ تمل زبان سے ہے۔ یعنی 'ار' کے معنی 'ندی' اور 'کاٹ' کے معنی 'جنگل' کے ہیں۔ یہیں نوابین ارکاٹ نے 1691ء سے 1855ء تک حکومت کی۔ ارکاٹ کے آخری نواب محمد غوث خان اعظم جاہ کے انتقال کے بعد ان کے جانشینوں کو انگریز حکومت نے پرنس آف ارکاٹ کے لقب سے معمور کر کے چند ہزار روپیوں کا وظیفہ مقرر کر دیا۔

نوابین ارکاٹ میں دو خاندانوں نے اقتدار سنبھالا ایک خاندان نوائط (1715/1744) اور دوسرا خاندان والاجاہی (1744/1855)۔ خاندان والاجاہی عہد کو سنہرا دور کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا ان حکمرانوں نے نہ صرف ادیبوں کی سرپرستی کی بلکہ اپنے نوک قلم سے ادب کو سنوارا۔ زوال عادل شاہی وقطب شاہی کے بعد اہم مسئلہ یہاں کے اہل فن اور ادیبوں کی بقاء کا تھا۔ ان کی سرپرستی کرنے والی دکن میں کوئی ریاست نظر نہ آتی تھی ان حالات میں اہل فن حضرات کو گوشہ عافیت کی تلاش ہوئی اور انہوں نے جنوبی ہند کا رُخ کرنا کار خیر سمجھا یہ صورت حال

اردو اسکالرس کی دنیا

International Refereed Journal for Urdu Literature

EISSN: 2320-8910, ISSN: 2320-5369

Volume VII, Issue I, February 2019

URDU SCHOLARS KI DUNIYA-IRJU

IMPACT FACTOR: 0.383

INDEXING:

Cosmos Impact Factor-Berlin Brandenburg, Kleinmachnow- Germany
Ulrich's Web- Global Series Directory, USA
Directory of Research Journals Indexing, India
Open J- Gate, India
Pub_Res_ (International Research Library)
Yumpu-Gewerbestrasse-Diepoldsau- Switzerland

MAAZ PUBLICATIONS • Malegaon • MAHARASHTRA • INDIA

ISSN 2320-5369, EISSN 2320-8910
IF: Global Impact Factor: 0.383

کھائی: ایک عصری افسانہ

حاجی بیگم
پی۔ایچ۔ڈی ریسرچ اسکالر، یونی ورسٹی آف حیدرآباد، حیدرآباد 50546۔انڈیا

وقت کا تقاضا ہے کہ آج جس Digital Tecnology زمانے میں ہم سانس لے رہے ہیں ان گنت وہ نئی تبدیلیوں کا طلب گار ہے۔ ترقی کی راہیں ہموار ہیں لیکن غیر خالص نظام بھی رواں دواں ہے۔ اسی تناظر میں عصری ادب کا جائزہ لیں تو اندازا ہوتا ہے کہ جدید افسانہ نگار عصری مسائل کو جس طرح محسوس کر رہے ہیں اس سے قبل افسانہ نگاروں نے شاید ہی کبھی محسوس کیا ہوگا۔ حقیقت یہ بھی ہے کہ افسانہ آج بھی ترقی پسند افسانے کے طرح اپنے دور کی ترجمانی اور عکاسی کر رہا ہے چنانچہ سیاسی جبر، سماجی ناانصافی، شکستہ اقدار، فرسودہ نظام حیات اور پامال عقائد کے خلاف احتجاج پایا جاتا ہے۔ عصر حاضر کے افسانے کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ پہلے سے زیادہ اس میں فکری گہرائی پیدا ہوگئی ہے۔ آج کا افسانہ روایتی افسانے کی طرح صرف کہانی ہی بیان نہیں کرتا بلکہ زندگی کی تلخ حقائق کا پردہ بھی فاش کرتا ہے اخلاقی اقدار کی شکست، زندگی کی بے معنویت اور بکھرتی تہذیب وثقافت کا نوحہ بھی پیش کرتا ہے۔ جبر واستحصال کے خلاف آواز بھی بلند کرتا ہے۔ بلاشبہ عصری مسائل ومحرومیوں کے خلاف احتجاج ہونا چاہیۓ۔

گذشتہ دو دہائیوں میں ایسے افسانے ضرور لکھے گئے ہیں، جن میں ہمارے دور اور عصری مسائل کو نہایت ہی بے باکی کے ساتھ پیش کیے گئے ہیں۔ ان میں بعض افسانے ہمارے عہد کی پوری تاریخ بیان کرتے ہیں، اور بعض افسانے قومی سانحات کے عکاس ہیں۔ جدید افسانہ نگاری میں عصری زندگی کے اہم واقعات کو موضوع بنانے والے چند افسانہ نگاروں کا تعلق شہر حیدرآباد، دکن سے بھی ہے۔

حیدرآباد شہر کا لفظ سماعت سے ٹکراتا ہے تو میرے ذہن میں ہیرے، سانچے موتی، لارڈ بازار کی چوڑیوں کا تصور گھوم جاتا ہے۔ چار مینار، مکہ مسجد، گولکنڈہ وغیرہ حیدرآباد کے تاریخی عمارات ہیں ان کی ایک شاندار تاریخ ہے۔ حیدرآباد ساری دنیا میں اپنی تہذیب کے کئے منفرد شناخت رکھتا ہے۔ اسی شاندار اور منفرد تاریخی شہر سے ''افسانہ نگری کا شہزادہ'' بیگ احساس کا تعلق ہے۔ حیدرآباد میں اردو افسانہ نگری کی مضبوط و مستحکم روایت موجود ہے۔ جو تقریباً ایک صدی پر محط ہے۔

بیگ احساس نے 10/اگست 1948ء کو حیدرآبادی تہذیب سے معمور ایک علمی گھرانے میں آنکھیں کھولیں۔ ابتدائی تعلیم کا سلسلہ جاری ہوا۔ انہوں نے عثمانیہ یونی ورسٹی سے ایم۔اے، اردو میں اول درجہ میں کامیابی حاصل کی، اور ہماری سنٹرل یونی ورسٹی، حیدرآباد سے ''کرشن چندر شخصیت اور فن'' کے موضوع پر پروفیسر گیان چند جین کے زیر نگرانی مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ 1984ء میں جامعہ عثمانیہ کے شعبہ اردو میں لکچرر کی حیثیت سے فائز ہوئے۔ 1993ء میں ریڈر کے عہدے پر ترقی ملی۔ اسطرح ترقی کی منزلیں طئے کرتے ہوئے 1998ء میں پروفیسر ہوئے اور خوش قسمتی سے دو مرتبہ صدر شعبہ منتخب ہوئے۔ پھر قسمت نے کروٹ بدلی 2006ء میں بہ حیثیت پروفیسر شعبہ اردو حیدرآباد سنٹرل یونی ورسٹی میں تقرر عمل میں آیا۔ یہاں بھی انہوں نے 2007ء سے 2013ء تک صدر شعبہ کی حیثیت سے خدمات انجام دیں اور شعبہ کے تعلمی نظام میں چار چاند لگا دئے۔ ایکم دسمبر 2013ء کو بیگ احساس حسنِ خدمت سے سبکدوش ہوئے۔

بیگ احساس کا ادبی سفر 1971ء سے شروع ہوا اور تا حال جاری ہے۔ اللہ کرے! زور قلم ہو اور زیادہ۔۔۔ انہوں نے اپنی پہلی کہانی ''سراب'' کے

काशी हिन्दू विश्वविद्यालय
BANARAS HINDU UNIVERSITY

DESIGN INNOVATION CENTRE

अन्तरराष्ट्रीय संगोष्ठी
"हिन्दी-उर्दू की साझी विरासत और स्त्री लेखन"

بین الاقوامی سیمینار
اردو ہندی کی ساجھی وراثت اور خواتین قلم کار

International Seminar on "Hindi - Urdu Ki Saajhi Virasat aur Stri Lekhan"
on 27th - 29th March 2018.

Certificate

This is certify that Prof./Dr./ Ms./Mr./Mrs/........Haji begum..........
Central University of Hyderabad.........has participated and presented his/ her paper *entitled* ....'Arcot ki Urdu shyeri me hindustani tehzibi a Nasir'..........
in the **3 day International Seminar on "Hindi - Urdu Ki Saajhi Virasat aur Stri Lekhan"** and contributed towards the success of the seminar.

Head, Department of Urdu
Dr. Aftab Ahmad Afaqui

Organizing Secretary
Dr. Mosharraf Ali

Convener
Prof. Champa Singh

اترپردیش اردواکادمی
उत्तर प्रदेश उर्दू अकादमी

काशी हिन्दू विश्वविद्यालय

BANARAS HINDU UNIVERSITY

National Council for Promotion of Urdu Language

अन्तर्राष्ट्रीय संगोष्ठी

''भारतीय धर्म, दर्शन और साहित्य''

بین الاقوامی سیمینار

موضوع: ہندستانی مذاہب، فلسفہ اور ادب

International Seminar on "Indian Religion, Philosophy & Literature"

25 - 27 February 2019

Certificate

This is certify that Prof./Dr./Ms./Mrs./..Haji...Begum...

A. Prof. ......Dept. of Urdu...H.U. ....has participated and presented his/her paper

entitled Mustaqeem Jung Nami ki Tarjuma Nigari...

in the 3 day International Seminar on "Indian Religion, Philosophy & Literature"

and contributed towards the success of the seminar.

Organizing Secretary
Dr. Mosharraf Ali
Department of Urdu, BHU

Convener
Prof. Aftab Ahmad Afaqui
Head, Department of Urdu, BHU

Organized By: Department of Urdu, Faculty of Arts, Banaras Hindu University

UNIVERSITY OF HYDERABAD

DEPARTMENT OF URDU, SCHOOL OF HUMANITIES

CERTIFICATE

This is to certify that the thesis entitled "**MUSTAQEEM JUNG NAMI KI MASNAVIYOUN KA ADABI O TAHQEEQI MUTALIA**" submitted by **HAJI BEGUM** bearing Reg. No. **14HUPH05** in partial fulfillment of the requirements for the award of Doctor of Philosophy in URDU in the School of Humanities is a bonafide work carried out by her under my supervision and guidance.

This thesis is free from plagiarism and has not been submitted previously in part or in full to this or any other University or Institution for award of any degree or diploma. Part of this thesis has been.

A. Published in the following publications.

1. "**Arcot: Daccani Shair o Adab ka ek Markaz**" publish in Mahnama "**Telangana**" Hyderabad (ISSN 2456-7140) in January 2019.
2. "**khayi: ek Asri Afsana**" publish in " **Urdu Scholars ki Duniya-Irju**" (ISSN 2320-5369) in February 2019.

B. Presented in the following Conferences.

1. Presented a paper titled " **Arcot ki Urdu Shayeri me Hindustani Tehzibi a Nasir**"in International Seminar titled "**Hindi-Urdu ki Saajhi Virasat aur Stri Lekhan**" conducted by Department of Urdu, Banaras Hindu University on 27th to 29th March 2018.
2. Presented a paper titled "**Mustaqeem Jung Nami ki Tarjuma Nigari**" in International Seminar titled "**Indian Religion, Philosophy and Literature**" conducted by Department of Urdu, Banaras Hindu University on 25th to 27th February 2019.

Further, the student was exempted from doing coursework (recommended by Doctoral Committee) on the basis of the following courses passed during her M. Phil programme and the M. Phil degree was awarded.

SL No.	Course Code	Title	Credits	Pass/Fail
1	UR701	Research Methodology	4.00	Pass
2	UR702	Practical Criticism	4.00	Pass
3	UR721	Textual Criticism	4.00	Pass
4	UR780	Dissertation	12.00	Pass

Supervisor | Head of the Department | Dean School of Humanities

DECLARATION

I, **HAJI BEGUM** hereby declare that this thesis entitled **"MUSTAQEEM JUNG NAMI KI MASNAVIYOUN KA ADABI O TAHQEEQI MUTALIA"** submitted by me under the guidance and supervision of **PROF. HABEEB NISAR,** is bonafide research work which is also free from plagiarism. I also declare that it has not been submitted previously in part or in full to this University or any other University or Institution for the award of any degree or diploma. I hereby agree that my thesis can be deposited in shodhganga / INFLIBNET.

Date: ……   Signature of the Student

HYDERABAD   Name: HAJI BEGUM

Reg. No.14HUPH05

MUSTAQEEM JUNG NAMI KI MASNAVIYOUN KA ADABI O TAHQEEQI MUTALIA

Ph.D. Thesis

Submitted by

Haji Begum

(M.A., M.Phil)

Supervisor

Prof. Habeeb Nisar

2020

Department of Urdu,

School of Humanities,

University of Hyderabad.

Hyderabad - 500 046.